سُنّتِ فجر
احکام ومسائل

ترجمہ

(إعلام اهل العصر بأحكام ركعتى الفجر)

تالیف لطیف

مولانا علامہ ابو الطیّب **محمد شمس الحق** محدّث عظیم آبادی رحمہ اللہ

(صاحب عون المعبود)

۱۲۷۳ھ-۱۳۲۹ھ ۱۸۵۷م-۱۹۱۱م

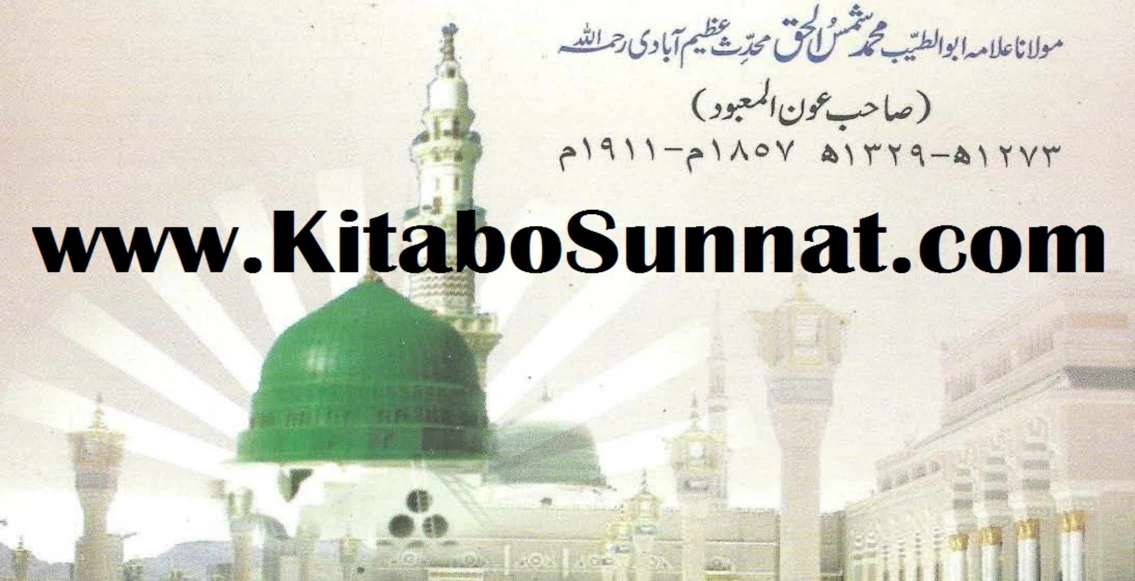

ترجمہ **محفوظ الرحمن فیضی**

(مؤناتھ بھنجن، یوپی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اَپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

سُنّتِ فجر کے
احکام و مسائل

ترجمہ

(إعلام اهل العصر بأحكام ركعتي الفجر)

تالیف لطیف

مولانا علامہ ابو الطیب محمد شمس الحق محدث عظیم آبادی رحمہ اللہ
(صاحب عون المعبود)
۱۲۷۳ھ-۱۳۲۹ھ
۱۸۵۷م-۱۹۱۱م

ترجمہ
محفوظ الرحمن فیضی
(مئوناتھ بھنجن، یوپی)

ناشر:
مکتبہ نعیمیہ صدر بازار مئوناتھ بھنجن

جملہ حقوق بحق مؤلف وناشر محفوظ

نام کتاب : سنت فجر کے احکام ومسائل
مؤلف : علامہ محمد شمس الحق محدث عظیم آبادی
مترجم : مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی
ناشر : مکتبہ نعیمیہ، مئوناتھ بھنجن، یو. پی
صفحات : تین سو چار / ۳۰۴
سنہ اشاعت : ۱۴۳۲ھ / ۲۰۱۱ء
تعداد :
کمپوزنگ : اسٹار کمپیوٹر آرٹس، مئو 9889196394
قیمت : Rs.

ملنے کے پتے

☆ مکتبہ نعیمیہ، صدر بازار مئوناتھ بھنجن، یو. پی (۲۷۵۱۰۱)
☆ فرید بک ڈپو، صدر بازار مئوناتھ بھنجن، یو. پی (۲۷۵۱۰۱)
☆ مکتبہ ترجمان، ۴۱۱۶، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی ۶
☆ مکتبہ مسلم، بربرشاہ، شری نگر، کشمیر
☆ الکتاب انٹرنیشنل، جامعہ نگر، نئی دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

زیرنظر کتاب ''**سنت فجر کے احکام ومسائل**'' حضرۃ العلام مولانا شمس الحق محدث عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اہم کتاب ''**إعلام أهل العصر بأحكام ركعتي الفجر**'' کا ترجمہ ہے، کتاب کا موضوع نام سے ظاہر ہے، اوراس کی بلند پایہ علمی تحقیق قدروقیمت کے لئے مؤلف کا نام ہی کافی ضمانت ہے، کتاب کی جامعیت واہمیت کی معرفت کیلئے اس کے مباحث کی فہرست پرایک نظرڈال لینا کافی ہوگا۔ ترجمہ جماعت اہلحدیث کے معروف عالم محترم مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی حفظہ اللہ کے قلم سے ہے، مولانا موصوف کی ایک کتاب ''قبروں پر مساجد اوراسلام'' (ترجمہ **تحذير الساجد... للعلامه الالبانیؒ** ۔ مطبوعہ ۱۹۸۲ء) کے مقدمہ میں ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

> ''موصوف (مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی صاحب) سلفی دعوت سے وابستہ مخلص عالم ہیں، ذہن تیز اور طبیعت تحقیق پسند ہے، فراغت (از جامعہ فیض عام، مئو ۱۹۶۶ء) کے بعد ہی سے درس وتدریس اور خطابت کی ذمہ داری سنبھالے ہوئے ہیں اس لئے مسائل پر نظر اور انداز تحریر میں دلکشی اور شگفتگی ہے جس کا اندازہ ترجمہ کے مطالعہ سے ہوسکتا ہے، ہمیں یقین ہے کہ جس محنت اور لگن سے انھوں نے ترجمہ کیا ہے اسی شوق وتوجہ سے قارئین اس کا مطالعہ فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مؤلف کو جزائے خیر دے اور مترجم کے کام کو حسن قبول سے نوازے، اوردیگر علمی خدمات کی مزید توفیق بخشے...آمین''

ڈاکٹر صاحب کی یہ مخلصانہ دعا قبول ہوئی چنانچہ اس کے بعد مولانا فیضی کے قلم سے متعدد علمی و تحقیقی کتابیں: زیورات میں زکوۃ۔ تذکرہ مولانا محمد احمد ناظم صاحبؒ۔ کمیونزم اور اسلام۔ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کے بارے میں دو متضاد نظریئے۔ اتباع سنت اور تقلید ائمہ اربعہ کی نظر میں۔ مسئلہ امام مہدی آخر الزماں۔ ثنائیات موطا امام مالک (عربی)۔ آدم وحوا علیہما السلام سے متعلق تین علمی مسائل وغیرہ وغیرہ منظر عام پر آئیں اور مقبول ہوئیں، اور یہ سلسلہ تا ہنوز جاری ہے اسی سلسلہ کی ایک کڑی یہ کتاب بھی ہے، جو قارئین کے ہاتھوں میں ہے، جو اپنے موضوع پر منفرد کتاب ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بھی حسن قبول عطا فرمائے۔

ہم مولانا فیضی رحفظہ اللہ کے حد درجہ شکر گزار ہیں کہ انھوں نے اس کتاب کا حق اشاعت مکتبہ نعیمیہ کو عنایت فرمایا، فجزاہ اللہ خیر الجزاء، مولانائے محترم نے مسودہ فروری ۲۰۰۹ء میں ہمارے حوالہ کیا تھا، اور ہماری خواہش تھی کہ کتاب جلد از جلد منظر عام پر آئے، لیکن بوجوہ اشاعت میں بہت تاخیر ہوگئی، اس کے لئے ہم مولانا سے معذرت خواہ ہیں۔

ناشر

شاہد فخر العبید

مکتبہ نعیمیہ، مئوناتھ بھنجن

مئی ۲۰۱۱ء

عرض مترجم

بسم الله الرحمن الرحيم

إن الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلامضل له، ومن يضلل فلاھا ھادی له، وأشهد أن لا اله الا الله وحده لا شریک له، وأشهد أن محمدا عبده ورسوله، اما بعد...

مولانا علامہ شمس الحق محدث عظیم آبادی رحمہ اللہ وجعل جنۃ الفردوس ماواہ کی تالیف لطیف ''إعلام اهل العصر بأحكام ركعتی الفجر ''سنت فجر کے احکام و مسائل پر جامع ترین اور بے نظیر کتاب ہے، کتاب کا جدید ایڈیشن حضرت مولانا ارشاد الحق اثری رحفظہ اللہ کی تحقیق و تخریج کے ساتھ مکتبہ سلفیہ، لاہور سے شائع ہوا ہے۔ کتاب اور موضوع کی اہمیت کے پیش نظر میرا خیال ہوا کہ اس کا اردو ترجمہ کیا جائے تا کہ ہمارا اردو داں طبقہ بھی اس سے مستفید ہو سکے۔ لہٰذا رمضان المبارک ۱۴۹۲ھ مطابق ۲۰۰۸ء کی مبارک فرصت میں ترجمہ کا پروگرام بنایا جو اللہ کی توفیق سے بعض دیگر مشغولیات کے باوجود ۳۰ رشوال ۱۴۲۹ھ مطابق ۳۱ را کتوبر ۲۰۰۸ء کو مکمل ہوگیا، فلله الحمد وبنعمته تتم الصالحات وتدوم الطيبات۔

حاشیہ میں احادیث وآثار کی تخریج تمام تر مولانا اثری حفظہ اللہ کی ہے، متن یا

حاشیہ میں ناچیز مترجم کی طرف سے جو بعض اضافات ہیں انھیں قوسین میں کر دیا گیا ہے اور آگے ''مترجم'' بھی لکھ دیا گیا ہے تا کہ کوئی اختلاط یا اشتباہ نہ ہو، کتاب کی فصول و مشمولات کی اصل ترتیب برقرار رکھی گئی ہے، بعض مواقع میں جو برائے نام تقدیم و تاخیر یا حذف و اضافہ ہوا ہے، اسے وہیں واضح کر دیا گیا ہے، ناظرین سے درخواست ہے کہ ترجمہ اور مفہوم کی ادائیگی میں واقع شدہ خامیوں اور غلطیوں کی اصلاح فرما دیں اور ناچیز مترجم کو بھی براہ کرم مطلع فرمائیں، شکریہ۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اصل کتاب کی طرح ترجمہ کو بھی حسن قبول عطا فرمائے، اور اسے قارئین کیلئے مفید اور مولف، محقق اور مترجم کیلئے صدقہ جاریہ بنائے، آمین۔

مترجم
محفوظ الرحمٰن فیضی
مئوناتھ بھنجن یوپی
یکم ذوالقعدہ ۱۴۲۹ھ - یکم نومبر ۲۰۰۸ء

مختصر حالاتِ مصنف

مولانا محمد شمس الحق محدث عظیم آبادی رحمہ اللہ

محدث عظیم آبادی، حضرت شیخ الکل فی الکل میاں صاحب سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مشاہیر تلامذہ میں ممتاز، صاحب فضل و کمال، بلند پایہ محدث، کتب حدیث کے محقق و ناشر، علماء و طلبہ کے مربی و قدرداں اور بڑے ہی بزرگ مرشد و مصلح تھے۔ مولانا سید عبدالحی حسنی رحمہ اللہ ''نزہۃ الخواطر'' میں ان کے تذکرہ کا آغاز ''الشیخ الکبیر المحدث'' کے پُرعظمت الفاظ سے کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:

> ''آپ فارغ التحصیل ہونے کے بعد درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور وعظ و تذکیر میں مشغول رہے، اور اپنی تمام تر کوششیں سنتِ رسول (ﷺ) کی نصرت، طریقۂ سلف کی حمایت اور کتب حدیث کی اشاعت کے لئے وقف فرمادیں، سنتِ مطہرہ کی نشر و اشاعت کے لئے انھوں نے اہم نادر و نایاب کتابیں جمع کیں اور خطیر رقم خرچ کر کے بعض کتابوں کی طباعت کا اہتمام کیا، اہل علم پر ان کا یہ بڑا احسان ہے۔ آپ نہایت حلیم الطبع، کریم النفس، متواضع، عفت مآب، صاحب صلاح و تقویٰ، پاکیزہ اطوار اور اہل علم سے محبت رکھنے والے تھے۔'' (نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۱۷۹، ۱۸۰)

نام و نسب: محدث عظیم آبادی کا نام محمد شمس الحق اور کنیت ابوالطیب ہے، سلسلۂ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتا ہے، معلوم شجرۂ نسب یہ ہے:

ابوالطیب محمد شمس الحق بن مولوی امیر علی بن مولوی مقصود علی بن مولوی حیدر علی بن مولوی ہدایت اللہ بن نور محمد بن مولوی علاء الدین صدیقی ڈیانوی عظیم آبادی۔

مولد ومسکن: ممدوح ذیقعدہ ۱۲۷۳ھ (جولائی ۱۸۵۷ء) میں عظیم آباد/ پٹنہ (۱) کے محلہ رمنہ میں پیدا ہوئے وہ جب پانچ سال کی عمر کے ہوئے تو ان کی والدہ انھیں لے کر اپنے میکے موضع ڈیانواں چلی گئیں اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ ڈیانواں، عظیم آباد/ پٹنہ سے جنوب مشرق میں چوبیس میل پر اسی ضلع (عظیم آباد/ پٹنہ) میں واقع تھا، موصوف تاحیات ڈیانواں ہی میں سکونت پذیر رہے، اور آگے چل کر ڈیانواں میں سکونت کے اعتبار سے ’’ڈیانوی‘‘ اور ضلع (عظیم آباد) کے اعتبار سے ’’عظیم آبادی‘‘ کی نسبت سے شہرت پائی، چنانچہ مولانا ڈیانوی، یا محدث ڈیانوی یا محدث عظیم آبادی سے بھی مولانا محمد شمس الحق محدث مراد ہوتے ہیں۔

۱۲۸۴ھ (۶۸-۱۸۶۷ء) میں جب کہ مولانا کی عمر صرف گیارہ سال کی تھی ان کے والد مکرم مولوی امیر علی وفات پا گئے، اور ان کی والدہ، نانی اور بڑے ماموں مولوی محمد احسن نے نہایت ذمہ داری سے ان کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا، موصوف کا دادیہال اور ننہیال دونوں ذی وجاہت اور صاحب ثروت خاندان تھے۔

تعلیم کا آغاز اور مختلف اساتذہ سے استفادہ: مولانا محمد ابراہیم نگرنہسوی اس نواح کے مشہور عالم تھے، ان کے پاس مولانا کی تعلیم کا آغاز ہوا اور انھوں نے سورہ ’’اِقرأ‘‘ پڑھائی، پھر ڈیانواں ہی میں حافظ اصغر علی کے پاس قرآن ختم کیا، اور مولوی سید راحت حسین بھوی، اور مولوی عبدالحکیم شیخ پوری سے ابتدائی کتابیں پڑھیں، بعد ازاں مولانا

---

(۱) قدیم بہار و مضافات میں جب مسلمانوں کی حکومت قائم ہوئی تو اس کا پہلا دارالحکومت ’’بہار شریف‘‘ تھا جو وہاں کا ایک تاریخی شہر ہے، وہ بختیار خلجی کے عہد سے لے کر شہنشاہ شیر شاہ سوری کے زمانہ تک اس صوبہ کا صدر مقام رہا، شیر شاہ سوری نے جب شہر پاٹلی پتر میں قلعہ تعمیر کرایا تو ۱۵۴۱ء میں ’’بہار شریف‘‘ کے بجائے صوبے کا دارالحکومت پاٹلی پتر کو بنایا، پھر آئندہ جب مغل حکمراں اورنگ زیب عالمگیر نے اپنے پوتے عظیم الشان کو صوبہ بہار کا گورنر مقرر کر کے بھیجا تو اس کے نام کی مناسبت سے پاٹلی پتر کا نام تبدیل کر کے ’’عظیم آباد‘‘ رکھدیا گیا، لیکن برطانوی دور حکومت میں اسے پٹنہ کہا جانے لگا، اور اب بھی پٹنہ ہے، اور صوبہ بہار کا دارالحکومت ہے۔ (دبستان حدیث ص ۱۱۲)

لطف العلی بہاری سے باقاعدہ عربی تعلیم کا آغاز کیا، ان سے شرح جامی، قطبی، میبذی، شرح وقایہ، کنز الدقائق، اصول الشاشی، نور الانوار اور جامع ترمذی وغیرہ کتابیں پڑھیں، اس اثناء میں اپنے ماموں مولوی نور احمد ڈیانوی سے بھی استفادہ کا سلسلہ جاری رہا۔

تحصیل علم کے لئے پہلی دفعہ ۱۲۹۲ھ میں ڈیانواں سے باہر نکلے اور لکھنؤ پہونچے لکھنؤ میں مولانا فضل اللہ لکھنوی سے معقولات کی بعض کتابوں کی تکمیل کی۔ وہاں ایک سال رہے، پھر محرم ۱۲۹۳ھ (فروری ۱۸۷۶ء) میں امام العلماء حضرت مولانا بشیر الدین قنوجی (۱۲۴۳ھ-۱۲۹۶ھ) (۱) کی خدمت میں مراد آباد پہونچے، ان سے کافی استفادہ کیا، ایک سال وہاں قیام کر کے ربیع الاول ۱۲۹۴ھ (اپریل ۱۸۷۷ء) میں وطن ڈیانواں واپس آ گئے، اس سے دو ڈھائی ماہ بعد جمادی الاول ۱۲۹۴ھ (جون ۱۸۷۷ء) میں دوبارہ مراد آباد کا عزم کیا، اور مولانا بشیر الدین قنوجی کی خدمت میں حاضری دی، ان سے معقولات، اور معانی و بلاغت کی کتابوں کے علاوہ قرآن مجید کا ترجمہ پڑھا، اور تفسیر، حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کی، اوران علوم میں تبحر ورسوخ پیدا کیا۔

حضرت میاں صاحب کی خدمت میں: ۱۲۹۵ھ کے محرم کی ابتداء میں حضرت شیخ الکل فی الکل میاں صاحب سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۲۰ھ) کی خدمت میں دہلی تشریف لے گئے اور ان سے علم حدیث میں مستفید ہوئے۔ ایک سال ان کی خدمت میں رہے، اور آخر محرم ۱۲۹۴ھ (جنوری ۱۸۷۹ء) میں میاں صاحب سے سند حاصل کی اور اپنے وطن واپس آئے، اور درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں مشغول ہو گئے۔

چھ سال بعد ۱۳۰۲ھ میں پھر عازم دہلی ہوئے اور میاں صاحب کی خدمت میں حاضری دی، ان سے استفادہ کیا اور دوسری دفعہ سند لے کر ۱۳۰۳ھ میں وطن

---

(۱) آپ مولانا محمد بشیر سہسوانی (۱۲۵۲ھ-۱۳۲۶ھ) (صاحب صیانۃ الانسان عن وسوسۃ الشیخ دحلان) کے علاوہ اوران سے متقدم ہیں۔

ڈیانواں تشریف لائے۔ دہلی میں میاں صاحب کی خدمت میں قیام کا مجموعی عرصہ ڈھائی سال کے قریب ہے، اس عرصہ میں میاں صاحب سے ترجمہ قرآن، تفسیر جلالین، صحاح ستہ، موطا امام مالک، سنن دارمی، سنن دارقطنی اور شرح نخبہ وغیرہ کتابیں سبقاً سبقاً پڑھیں، اور فتوے بھی قلمبند کیے۔

مولانا دوسرے سفر دہلی میں شیخ حسین بن محسن یمانی انصاری (متوفی ۱۳۲۷ھ) کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے اور ان سے صحاح ستہ کے اطراف پڑھ کر اجازت عامہ حاصل کی۔ اس کے علاوہ بھی مختلف اوقات میں متعدد مرتبہ شیخ موصوف کی خدمت میں حاضر ہو کر مستفید ہوئے۔

سلسلۂ درس و تدریس: مولانا، حضرت میاں صاحب سے پہلی مرتبہ سند حدیث لے کر ۱۲۹۶ھ میں اپنے وطن ڈیانواں واپس آئے تھے اور آتے ہی درس و تدریس اور دیگر علمی کاموں میں مشغول ہو گئے تھے۔ اس وقت ان کی عمر تیئس سال کی تھی، اس سے چھ سال بعد ۱۳۰۲ھ میں دوبارہ میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ۱۳۰۳ھ میں وطن واپس تشریف لائے تو پھر مسند درس آراستہ کی اور اپنے آپ کو تدریس کے لیے وقف کر دیا۔ ان کی وجہ سے اس چھوٹے سے گاؤں کو بہت شہرت حاصل ہوئی اور ہندوستان کے علاوہ عرب، ایران، افغانستان وغیرہ کے بیشمار طلبۂ علم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تحصیل علم کرنے لگے۔ مولانا سب سے نہایت لطف و کرم سے پیش آتے اور بڑی محنت و شفقت سے مختلف علوم متداولہ کی کتابیں پڑھاتے لیکن حدیث ان کا خاص موضوع تھا، چنانچہ حدیث اور اس کے متعلقہ علوم کی تعلیم انتہائی رغبت و شوق کے ساتھ دیتے، طلبہ کے لئے وہ خود ہی کتابیں مہیا فرماتے۔ مہمانوں کی آمد و رفت بھی آپ کے پاس بکثرت رہتی تھی، ان کی دل کھول کر خدمت کرتے، مہمانوں میں اُس عہد کے بڑے بڑے علماء بھی شامل ہوتے تھے، وہ سب سے خندہ پیشانی سے ملتے اور ان کی خدمت کو موجب سعادت قرار دیتے۔

سفر حج اور علمائے حجاز سے استفادہ: ۱۰ ر رجب ۱۳۱۱ھ (جنوری ۱۸۹۴ء) کو اپنے مسکن ڈیانواں سے حج بیت اللہ کے لئے شد رحال کیا، اور حج و عمرہ کا فریضہ سر انجام دینے کے علاوہ وہاں متعدد (اصحاب علم سے ملاقات کی اور استفادہ کیا اور مندرجہ ذیل مشائخ سے سند و اجازہ کا شرف حاصل کیا۔

۱۔ علامہ خیر الدین ابو البرکات نعمان بن محمود آلوسی حنفی بغدادی (متوفی ۱۳۱۷ھ)
۲۔ شیخ احمد بن ابراہیم بن عیسیٰ نجدی ثم مکی حنبلی (متوفی ۱۳۲۹ھ)
۳۔ شیخ احمد بن احمد بن علی مغربی تونسی ثم مکی (متوفی ۱۳۱۴ھ)
۴۔ قاضی عبد العزیز بن صالح بن مرشد شرقی حنبلی (متوفی ۱۳۲۴ھ)
۵۔ شیخ عبد الرحمٰن بن عبد اللہ السراج طائفی حنفی (متوفی ۱۳۱۵ھ)
۶۔ شیخ محمد بن سلیمان حسب اللہ مکی شافعی (متوفی ۱۳۳۵ھ)
۷۔ شیخ ابراہیم بن احمد بن سلیمان مغربی ثم مکی
۸۔ شیخ محمد فالح بن محمد بن عبد اللہ ظاہری مالکی مدنی (متوفی ۱۳۳۵ھ)

حج بیت اللہ کا فریضہ ادا کر کے اور ان مشائخ کرام سے استفادہ کر کے چھ ماہ بعد ۱۰ ر محرم ۱۳۱۲ھ میں وطن ڈیانواں واپس تشریف لائے اور حسب سابق درس و تدریس اور علمی کاموں میں مشغول ہو گئے۔

چند تلامذہ: جن حضرات نے محدث عظیم آبادی سے تعلیم حاصل کی ان سب کو شمار میں لانا ممکن نہیں۔ البتہ ان میں سے چند حضرات کے اسمائے گرامی ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ یہ وہ بزرگان عالی قدر ہیں جنھوں نے حصول علم کے بعد تصنیفی اور تدریسی صورت میں بے پناہ خدمات انجام دیں اور بے شمار حضرات ان کے علم و فضل سے فیضیاب ہوئے:

(۱) مولانا احمد اللہ پرتاب گڈھی (وفات ۱۳۶۲ھ) (۲) مولانا ابو سعید شرف الدین دہلوی (وفات ۱۳۸۱ھ) (۳) مولانا ابو القاسم سیف بنارسی (وفات

۱۳۶۹ھ) (۴) مولانا عبدالحمید سوہدروی (وفات ۱۳۳۰ھ) (۵) مولانا فضل اللہ مدراسی (وفات ۱۳۶۱ھ) (۶) مولانا محمد اشرف ڈیانوی (وفات ۱۳۲۶ھ) (۷) مولانا ابوعبداللہ محمد زبیر ڈیانوی (وفات ۱۳۶۹ھ) (۸) حکیم محمد ادریس بن مولانا عظیم آبادی (وفات ۱۳۸۰ھ) (۹) مولانا عبدالجبار ڈیانوی (وفات ۱۳۱۹ھ) (۱۰) شیخ عبدالحق الفاسی مراکشی (وفات ۱۳۸۳ھ)

اہم ترین مشاغل: مندرجہ ذیل چھ امور حضرت محدث عظیم آبادی کے اہم ترین مشاغل تھے اور وہ زندگی بھر انہی امور کی انجام دہی میں مشغول رہے۔

(۱) درس وتدریس (۲) وعظ وتذکیر (۳) تصنیف وتالیف (۴) فتویٰ نویسی (۵) کتب حدیث کی تحقیق واشاعت (۶) کتابیں جمع کرنے کا شوق، چنانچہ اُس دور میں مولانا عظیم آبادی کے کتب خانہ کا شمار ہندوستان کے عظیم کتب خانوں میں ہوتا تھا جو مختلف علوم وفنون کی مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتابوں پر محیط تھا۔

جماعتی، علمی واصلاحی تنظیموں میں دلچسپی: اپنی تمام تدریسی وتصنیفی مصروفیات کے باوجود مولانا عظیم آبادی جماعتی واصلاحی تنظیم میں بھی کامل دلچسپی رکھتے تھے۔ دسمبر ۱۹۰۶ء میں آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کی تاسیس عمل میں آئی تو مولانا اس کے خازن مقرر ہوئے اور اس کے ہر پروگرام میں سرگرمی سے حصہ لیا اور تاحیات خازن کے منصب پر فائز رہے۔

مولانا مرحوم اپنے عہد کی بہت سی اصلاحی وعلمی تحریکوں میں شامل رہے، اور ان کی مالی امداد کرتے رہے، مثلاً دارالعلوم ندوۃ العلماء کے حامی تھے اور اس کی ہر قسم کی اعانت فرماتے تھے۔

مولانا عبدالرحیم صادقپوریؒ نے پٹنہ میں مدرسہ اصلاح المسلمین قائم کیا تو کافی عرصہ اس کے سکریٹری رہے، ۱۲۹۷ھ میں آرہ میں مولانا ابومحمد ابراہیم آرویؒ نے مدرسہ احمدیہ جاری کیا تو مولانا عظیم آبادی اس کے اہم رکن تھے، اور اس کی تعمیر وترقی میں شامل رہتے تھے۔

دائرۃ المعارف (حیدر آباد، دکن) کے بھی رکن تھے، تہذیب التہذیب اور تذکرۃ الحفاظ وغیرہ متعدد کتابیں اس ادارہ کی طرف سے مولانا ہی کے مشورہ سے شائع کی گئیں۔

تصانیف: مولانا ممدوح پوری زندگی درس و تدریس اور وعظ و تذکیر کے ساتھ تصنیف و تالیف میں بھی مصروف رہے، ساتھ ہی اہل علم کی بطور خاص تصنیف و تالیف کے لئے تربیت و اعانت فرماتے رہے، آپ کا دولت کدہ گویا ایک دار التحقیق والتصنیف تھا جہاں علماء تحقیق و تصنیف مشغول رہتے تھے۔

حضرت مولانا عربی، فارسی، اردو تینوں زبانوں میں لکھنے پڑھنے پر یکساں قدرت رکھتے تھے۔ چنانچہ تینوں زبانوں میں آپ کی تصانیف ہیں۔ ذیل میں مولانا کی چند اہم تصانیف ذکر کی جاتی ہیں:

۱۔ **غاية المقصود في حل سنن ابي داؤد.** سنن ابوداؤد کی مفصل مبسوط شرح، جو تیس اجزاء میں تھی، لیکن افسوس کہ صرف ایک جزء شائع ہوسکا، بقیہ اجزاء کا مسودہ بھی دستیاب نہیں، معلوم نہیں کہاں گیا کس کے ہاتھ لگا اس کا حال کچھ معلوم نہیں۔

۲۔ **عون المعبود تعليق على سنن ابي داؤد .** یہ بھی سنن ابوداؤد کی شرح ہے جو چار ضخیم جلدوں میں ہے، یہ گویا غایۃ المقصود کا اختصار ہے، یہ عرب و عجم میں مطبوع اور متداول ہے۔

۳۔ **التعليق المغني على سنن الدارقطني.**

۴۔ **رفع الالتباس عن بعض الناس .** حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جامع صحیح میں "قال بعض الناس" کے الفاظ سے حضرت امام ابوحنیفہ وغیرہ پر بعض مسائل میں جو اعتراضات کئے ہیں، ان اعتراضات کو غلط ثابت کرنے کے لئے ایک حنفی عالم نے "بعض الناس في دفع الوسواس" کے نام سے ایک رسالہ لکھا تھا، مولانا عظیم آبادی نے اس کے جواب میں یہ کتاب تحریر فرمائی۔

۵۔ **اعلام اهل العصر باحكام ركعتي الفجر.** زیر نظر کتاب "سنت فجر کے

احکام ومسائل'' اسی کا ترجمہ ہے۔

۶۔ فضل الباری فی شرح ثلاثیات البخاری.

۷۔ النجم الوهاج فی شرح مقدمة الصحیح لمسلم بن الحجاج .

یہ سب کتابیں عربی میں ہیں اور آخری دو کے علاوہ سب مطبوع ہیں۔

۸۔ تذکرة النبلاء فی تراجم العلماء **(فارسی، غیر مطبوع)**

۹۔ تفریح المتذکرین بذکر کتب المتأخرین **(فارسی، غیر مطبوع)**

۱۰۔ الکلام المبین فی الجهر بالتامین **(اردو مطبوع)**

۱۱۔ سوانح عمری مولانا عبداللہ جھاؤ میاں الہ آبادی **(اردو غیر مطبوع)**

ان کے علاوہ عربی وفارسی و اردو میں متعدد رسائل و مباحث ہیں جن میں بعض مطبوع ہیں اور بعض غیر مطبوع ہیں۔

وفات: ۱۹۱۰ء اور ۱۹۱۱ء میں یوں پورے ہندوستان میں طاعون کی وبا پھیلی ہوئی تھی، لیکن صوبہ بہار کا ضلع عظیم آباد/ پٹنہ جو مولانا عظیم آبادی کا وطن تھا، خاص طور سے اس کی لپیٹ میں تھا، ۱۴/ مارچ ۱۹۱۱ء کو مولانا ممدوح پر بھی طاعون کا حملہ ہوا، وہ چھ روز اس موذی مرض میں مبتلا رہے اور ۱۹/ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ مطابق ۲۰/ مارچ ۱۹۱۱ء کو بروز سوموار صبح چھ بجے آپ کا انتقال ہو گیا، آپ نے صرف ۵۶/ برس کی عمر پائی۔ مولانا ابو القاسم سیف بنارسیؒ نے آپ کی وفات پر بالکل صحیح کہا کہ ''جس وقت دنیا کا آفتاب طلوع ہوا، اسی وقت دین کا آفتاب (شمس الحق) غروب ہوا'' اللهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه۔

محدث عظیم آبادی کے تفصیلی حالات کے لئے ڈاکٹر عزیر شمس کی کتابیں ''حیاة المحدث شمس الحق و اعماله'' اور ''مولانا شمس الحق عظیم آبادی حیات اور خدمات'' نیز مولانا اسحٰق بھٹی کی کتاب ''دبستان حدیث'' (ص ۱۰۹-۱۴۳) کا مطالعہ ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ مؤلف

الحمد لله، الذی جعل الصلوٰة خير موضوع من الأعمال، وأمر بإحسانها فی الافعال والاقوال، وحضّ علی المحافظة والمداومة عليها، الا ما كان ممنوعا فی بعض الاحوال، لاسيما عند إقامه الصلوٰة ، فانه ممنوع فعلُ ذلک كما صح عن سيد اهل الكمال، وأجاز لمن فاتته الركعتان قبل الفرض، ان يؤديهما بعد تمام الفرض، لصحة الحديث الوارد بذلک عند فحول المحدثين الاَبطال، وأشهد أن لااله الا الله وحده لاشريک له، ذو العظمة والجلال، وأشهد أن محمدا عبده ورسوله، المنعوت بأشرف الخصال، نبينا المصطفیٰ، رسولنا المجتبی الموصوف بأنواع الفضل والكمال، صلی الله عليه صلاة ذاكيةً مادام الشمس والهلال، وعلی آله واصحابه المخلصين، والأئمة الابرار المقتفين به فی الاقوال والاحوال، لاسيما المحدثين من امته الذابين عن شريعته ما افتراه اهل الضلال. اما بعد:

بندۂ ناتواں ابو الطیب محمد، معروف بہ شمس الحق بن امیر بن حیدر صدیقی عظیم آبادی عرض پرداز ہے کہ ایک عرصہ سے میرے دل میں یہ بات آ جا رہی تھی کہ میں مندرجہ ذیل دو مسئلوں کی تحقیق میں ایک وافی وشافی رسالہ لکھوں۔

پہلا مسئلہ یہ کہ اقامت صلوۃ کے وقت سنت فجر پڑھنا بھی ممنوع ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ کہ سنت فجر نمازِ فجر سے پہلے نہ پڑھی جا سکی ہوتو اسے نماز فجر کے

بعد معاً -طلوع آفتاب سے پہلے ہی- پڑھنا جائز ہے۔

اس موضوع پر میں نے ١٢٩٣ھ☆ میں تھوڑا بہت لکھا تھا، لیکن مجھے دوسرے مسئلہ میں توقف تھا، کیونکہ اسے جائز قرار دینے والوں کے دلائل میں مجھے حدیث قیس بن عمرو (رضی اللہ عنہ) جسے اصحاب سنن نے روایت کیا ہے، کے علاوہ کوئی دوسری حدیث نہ مل سکی تھی، اور یہ حدیث جیسا کہ امام ترمذی نے کہا ہے، منقطع ہے، میں بھی قائلین جواز ہی میں تھا، مجھے حیرت ہوئی اور میں نے اپنے قول سے رجوع کرلیا، اور عدم جواز کے قول کو یقینی طور پر اختیار کرلیا۔

پھر اللہ تعالیٰ کی تقدیر و توفیق سے یہ ہوا کہ یہ بندہ فقیر طلب علم کے قصد و ارادہ سے اپنے عزیز ترین برادر صالح و فاضل محمد اشرف- وفقه الله وجعله من المكرمين -کے ساتھ مراد آباد امام المحققین، رئیس المدققین، جامع المعقول والمنقول، حاوی الفروع والاصول شیخ علامہ مولانا بشیر الدین بن کریم الدین قنوجی کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت مولانا سے میں نے اس مسئلہ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے جواب دیا کہ "حدیث قیس بن عمرو کو اصحاب سنن نے جس سند سے روایت کیا ہے وہ سند منقطع ہے، لیکن یہ حدیث دوسرے متصل طرق سے بھی مروی ہے" مولانا نے اس وقت اس سے زیادہ کچھ نہ کہا اسی مختصر جواب پر اکتفاء فرمایا۔

مجھے وطن مالوف واپسی کے بعد بھی مذکورہ رسالہ کے اتمام و اکمال کا موقع میسر نہ آیا، اگرچہ میں اس کا بہت خواہشمند تھا، اور مجھے امید تھی کہ جوئندہ یابندہ، لیکن شروعات نہیں کی کیونکہ اس سلسلہ میں جن بعض کتب حدیث کی حاجت تھی وہ مجھے دستیاب نہ تھیں، پھر اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے بہت سی عمدہ کتابیں میسر آئیں تو

☆ یہ مولانا موصوف کی "طالب علمی" کا زمانہ تھا، عمر رواں کی انیسویں منزل تھی۔

میں نے اس موضوع پر لکھنا شروع کیا، لیکن یہ ایک عرصہ کے بعد ہوا، ☆ اس عرصہ میں اس رسالہ کا وہ مسودہ جو میں نے پہلے لکھا تھا نسیاً منسیا ہوگیا، بہرحال میں نے ازسرِ نو لکھا، اور مذکورہ دونوں مسئلوں کو ایسا محقق کردیا ہے کہ حق وصواب کی طلب ورغبت رکھنے والوں کے لئے کوئی شک وشبہ باقی نہ رہ جائے گا، یہ کتاب اپنے باب میں ان شاء اللہ بے نظیر کتاب ہے۔

اور اب مزید بحث وتحقیق کے بعد میں نے اپنے پہلے رجوع سے رجوع کرلیا ہے۔ اور حسب سابق اسی کا قائل ہوں کہ "جسے سنت فجر نمازِ فجر سے پہلے پڑھنے کا موقع نہ ملا اسے فرض کے بعد معاً سنت پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔" اور جو اس پر نکیر کرتا ہے وہ خبط شدید میں مبتلا ہے، اس کتاب میں سنت فجر سے متعلق مذکورہ دو مسئلوں کے علاوہ دیگر آٹھ متعلقہ مسائل کی بھی تحقیق وتفصیل بیان کی گئی ہے، اس طرح سنت فجر سے متعلق یہ کتاب دس مسائل پر مشتمل ہے جو دس فصلوں میں بیان کئے گئے ہیں (اور ان مسائل کی تفصیل کے ضمن میں بعض دوسرے متعلقہ مسائل اور مفید مباحث بھی بیان ہوئے ہیں:

فصل اول: سنت فجر کی تاکید، اس پر مداومت اور اس کی فضیلت

فصل دوم: سنت فجر کا وقت، اسے ہلکی پڑھنا۔ اس میں قراءۃ اور قراءۃ جہری وسری کرنا۔

☆ یعنی کوئی بارہ، تیرہ برس بعد، چنانچہ کتاب کے آخر میں جو قطعات تاریخ تالیف ثبت ہیں انمیں ۱۳۰۵ھ مطابق ۱۸۸۷ء مرقوم ہے، مولانا حافظ عبدالرحمٰن ابوالصمصام غازیپوریؒ کے قطعۂ تاریخ میں ہے:

وقلت لعام الارخ إذ جدّ طبعه کلام زکی ناصح لأولیٰ الذِکر
۵ ۰ ۱۳ھ

اور مولانا محمد ابراہیم داناپوریؒ کے قطعہ تاریخ میں ہے

فارخت له ارخاً عجیبا دلائل فی ثبوت سنة الفجر
۸۷ ۱۸ء

فصل سوم: سنت فجر پڑھنے کے بعد داہنے پہلو پر لیٹنا سنت ہے۔

فصل چہارم: سنت فجر پڑھنے کے بعد کسی سے کوئی مفید ضروری گفتگو کرنے کی اجازت ہے۔

فصل پنجم: سنت فجر کے بعد دعائیں۔

فصل ششم: طلوع فجر کے بعد سنت فجر کے علاوہ کوئی نفل پڑھنے کی کراہت۔

فصل ہفتم: اقامت شروع ہو جانے کے بعد سنت فجر پڑھنے کی کراہت۔

فصل ہشتم: اوقات خمسہ، جن میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے۔ یہ نہی و ممانعت عام نہیں ہے مخصوص ہے۔

فصل نہم: سنت فجر نماز فجر سے پہلے نہ پڑھی جا سکی تو اسے فرض کے بعد معاً پڑھنا جائز اور مشروع ہے۔

فصل دہم: سنت و نوافل کی قضا، اور طلوع آفتاب کے بعد سنت فجر کی قضا۔

فصل اول

سنت فجر کی تاکید، اس پر مداومت اور اس کی فضیلت

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ سنن رواتب میں سنت فجر سب سے قوی تر اور موکد ترین سنت ہے، اور دیگر سنن کی بہ سنت فجر پر محافظت کا مطالبہ شدید ہے۔ نبی اکرم ﷺ سنت فجر کو نہ سفر میں ترک فرماتے تھے نہ حضر میں، نہ صحت میں نہ بیماری میں، آپ کا ارشاد گرامی ہے: ”**لا تدعو هما فان فيهما الرغائب**“ (فجر کی دو رکعت سنت ترک نہ کرو اس میں رغائب (بڑی فضیلتیں) ہیں۔) نیز فرمایا: ”**لا تدعوهما وان طرد تكم الخيل**“ (☆) (سنت فجر کسی حال میں نہ چھوڑو اگر چہ حالت یہ ہو کہ گھوڑے تمہیں دوڑا رہے ہوں، یعنی دشمن کی فوج تمہارا تعاقب کر رہی ہو، یا۔ تمہارا قافلہ تمہیں چھوڑ کر روانہ ہو گیا ہو،) سنت فجر کی فضیلت و تاکید کے بارے میں بکثرت احادیث وارد ہیں:

(۱) بخاری، مسلم اور ابوداؤد میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

”**لم يكن النبى صلى الله عليه وسلم على شئ من النوافل اشد تعاهدا منه على ركعتى الفجر**“، ”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی نفل و سنت کا اتنا

(☆) ان دونوں حدیثوں کی تخریج آگے اپنے موقع پر آئے گی ان شاءاللہ

(۱) صحیح بخاری: باب تعاهد ركعتى الفجر (ج۱ ص ۱۵۶)، صحیح مسلم: باب استحباب ركعتى الفجر (ج۱ ص ۲۵۱)
ابوداؤد مع شرحہ عون المعبود: باب ركعتى الفجر (ج۱ ص ۴۸۶)، نیز مسند احمد: ج۶ ص ۴۳، ۵۴،
طحاوی: ج۱ ص ۲۰۶، ابن خزیمہ: ج ۲ ص ۱۶۱، بیہقی: ج ۲ ص ۱۶۱

اہتمام نہیں فرماتے تھے جتنا کہ فجر سے پہلے دو رکعت سنت کا فرماتے تھے۔

(۲) امام بخاری نے بطریق عراک بن مالک عن ابی سلمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، فرماتی ہیں:

”صلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم العشاء ثم صلی ثمانی رکعات و رکعتین جالساو رکعتین بین النداتین و لم یکن یدعهما“ (۲)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عشاء پڑھی، پھر آٹھ رکعت پڑھی اور دو رکعت بیٹھ کر ادا فرمائی۔ اور دو رکعت اذان و اقامت کے درمیان پڑھی، یعنی سنت فجر آپ ﷺ اسے چھوڑتے نہیں تھے۔

(۳) امام مسلم ترمذی، نسائی نے بطریق سعد بن ھشام عن عائشہ روایت کیا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رکعتا الفجر خیر من الدنیا و ما فیها.(۳)

فجر کی دو رکعت سنت دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

(۴) صحیح مسلم میں حضرت عائشہ کی ایک دوسری روایت میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لهما احب الیّ من الدنیا و مافیها.(۴)

---

(۲) بخاری: باب المداومۃ علی رکعتی الفجر ج۱ص ۱۵۵، نیز احمد: ج۱ص ۱۵۴، ابوداؤد: صلاۃ اللیل ج۱ ص ۵۱۷ بیہقی: ج۲ص ۴۷۰

(۳) مسلم: (باب استحباب رکعتی الفجر) ج۱ص ۲۵۱، ترمذی مع تحفۃ الاحوذی باب ماجاء فی رکعتی الفجر من الفضل ج۱ص ۳۲۰، نسائی: باب المحافظۃ علی الرکعتین قبل الفجر، نیز طحاوی: ج۱ص ۲۰۶، ابن خزیمہ: ج۲ ص ۱۶۰، بیہقی: ج۲ص ۴۷۰، حاکم: ج۱ص ۳۰۷، وحال ھذا احدیث صحیح علی شرط الشیخین۔

(۴) مسلم: ج۱ص ۲۵۱، نیز احمد: ج۶ ص ۵۰، ۱۴۹، ۲۵۶، عبدالرزاق: ج۳ص ۵۸، خطیب بغدادی فی التاریخ: ج۴ص ۹۳۸

سنت فجر کی دو رکعتیں مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہیں۔

امام متاخری المحدثین شیخ اجل شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ”حجۃ اللہ البالغۃ“ میں فرماتے ہیں:

”سنت فجر کی دو رکعتیں دنیا و مافیہا سے اس لئے بہتر ہیں کہ دنیا اور اس کی نعمتیں فنا پذیر ہیں نیز دنیا کی نعمتیں رنج وتعب کی آلودگی سے خالی نہیں ہوتیں، اور سنت فجر کا ثواب باقی ودائم رہنے والا ہے اور ہر رنج سے پاک ہے“

امام زرقانی ”شرح مواہب“ میں فرماتے ہیں:

”سنت فجر کی دو رکعتیں دنیا و متاع دنیا سے بہتر ہیں، متاع سے خالص دنیاوی متاع مراد ہے، اس لئے یہ اشکال وارد نہیں ہوسکتا کہ سنت فجر بھی تو من جملہٗ متاع دنیا ہی ہے۔

اگر کوئی کہے کہ سنت فجر کی کیا خصوصیت ہے، تسبیح وتکبیر وغیرہ بھی دنیا و متاع دنیا سے بہتر ہیں چہ جائیکہ دو رکعت نفل، اور سنت کے دو رکعتوں کی تو بات ہی اور ہے، تو جواب یہ ہے کہ یہ صحیح ہے، لیکن ان سب کے بارے میں کسی نص میں اس کی تصریح وارد نہیں ہے کہ یہ دنیا اور مافیہا سے بہتر ہیں، اور سنت فجر کے بارے میں اس کی تصریح ہے یہی اس کی خصوصیت ہے کیونکہ یہ تصریح اس کے موکد ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ فرماتے ہیں: پھر سنت فجر کو دنیا سے بہتر قرار دینے سے دنیا کی مطلقاً مذمت لازم نہیں آتی“۔

امام طیبی فرماتے ہیں:

دنیا سے اگر اس کی شادابی و رونق مراد ہو تو ظاہر ہے اس میں کیا خیر ہے کہ سنت فجر کو اس کے بالمقابل بہتر کہا گیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا میں بھی خیر ہے کم ہی سہی، تو جواب یہ ہے کہ یہ دنیاداروں کے زعم کے مدنظر کہا گیا ہے جو دنیا میں بھی بھلائی کا گمان رکھتے ہیں، یا پھر یہ تعبیر ”ای الفریقین خیر مقاماً“ کے قبیل سے

ہے، اور اگر دنیا سے مراد دنیا کو اللہ کی راہ میں صرف کرنا ہو تو پھر سنت فجر کی دو رکعتوں کو اس سے بہتر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا ثواب اس سے بھی زیادہ ہے۔

(۵) بخاری، ابو داؤد اور نسائی میں بطریق محمد بن منتشر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

ان النبی ﷺ کان لا یدع اربعا قبل الظھر و رکعتین قبل الغداۃ (۵)

نبی ﷺ ظہر سے پہلے چار رکعت اور فجر سے پہلے دو رکعت سنت پڑھنا نہیں چھوڑتے تھے۔

(۶) ابو داؤد میں بطریق عبید اللہ بن زیاد کندی حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

حضرت بلال رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ نبی ﷺ کے حجرہ کے پاس گئے کہ آپ ﷺ کو نماز فجر کیلئے آنے کی خبر دیں، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بلال کو مشغول کر لیا ان سے کچھ دریافت کرنے لگیں، حتی کہ دیر ہو گئی اور فجر بہت روشن ہو گئی، پھر بلال نے آنحضرت ﷺ کو نماز کیلئے مکرر خبر کی آپ ﷺ دیر سے باہر آئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو بھی کسی بات میں مشغول کر لیا تھا، آپ ﷺ ـ حجرہ سے باہر آئے تو فرمایا ''میں سنت فجر کی دو رکعتیں پڑھنے لگا تھا، بلال

---

(۵) بخاری: باب الرکعتین قبل الظہر ج۱ص ۱۵۷، ابو داؤد: باب تفریع ابواب التطوع ج۱ص ۴۸۶، نسائی: باب المحافظۃ علی الرکعتین قبل الفجر ج۱ص ۲۵۶، احمد: ج۶ص ۶۳، ۱۴۸۔

(۶) ابو داؤد: باب تخفیف الرکعتین قبل الفجر، ج۱ص ۴۷۸، نیز احمد ج۶ص ۱۴، بیہقی ج۲ص ۴۷۱
اس حدیث پر امام بوداؤد اور امام منذری نے بھی اگرچہ سکوت فرمایا ہے لیکن امام حبان کہتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ عبید اللہ کندی کی حضرت بلال سے روایت منقطع ہے (کذا فی التہذیب ج۷ص ۱۵) حافظ ابن حجر نے بھی تقریب میں اسی کو اختیار کیا ہے، لیکن سیاق حدیث سے ان دونوں کی تردید ہوتی ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ حدیث متصل السند ہے۔

نے کہا حضور بہت تاخیر ہوگئی ہے، تو رسول ﷺ نے فرمایا:

لو اصبحت اکثر مما اصبحت رکعتهما واحسنتها واجملتهما. (۲)

(والحديث سكت عليه ابو داؤد والمنذری)

اس سے بھی زیادہ دیر ہوگئی ہوتی تب بھی میں سنت فجر کی دو رکعتیں ضرور پڑھتا اور اچھی طرح اطمینان سے پڑھتا۔

(۷) ابوداؤد میں بطریق ابن سیلان حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قال رسول الله ﷺ: لا تدعوهما وان طردتكم الخيل. ☆

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سنتِ فجر کی دو رکعتوں کو نہ چھوڑو اگرچہ حالت یہ ہو کہ گھوڑے تمہیں دوڑا رہے ہوں۔

مسند احمد (ج ۲ ص ۴۰۵) میں ہے: **لا تدعوا ركعتي الفجر وان طردتكم الخيل.**

اس حدیث کی سند میں عبدالرحمٰن بن اسحاق مدنی اور ابن سیلان ہیں، حافظ شمس الدین ذہبی نے ''میزان الاعتدال فی نقد الرجال'' میں عبدالرحمٰن بن اسحاق کے ترجمہ میں لکھا ہے:

''امام احمد نے کہا: صالح الحدیث ہے، ابوالزناد سے مناکیر (منکر احادیث) روایت کی ہے، امام ابوداؤد نے کہا: ثقہ ہے مگر قدری (منکر تقدیر) ہے، امام دارقطنی نے کہا: ضعیف ہے، امام یحییٰ القطان نے کہا: میں نے اس کے بارے میں مدینہ میں لوگوں سے دریافت کیا تو کسی نے اس کی تعریف نہیں کی، ایک دوسرے موقع پر امام یحییٰ نے فرمایا: ثقہ ہے، صالح الحدیث ہے، امام ابن عیینہ کا خیال ہے کہ وہ قدری تھا،

---

(۷) ابوداؤد: باب فی تخفیف رکعتی الفجر ج۱ ص ۴۸۷، نیز ابن ابی شیبہ فی المصنف ج ۲ ص ۲۴۱، طحاوی ج۱ ص ۲۰۶،

اسی بنا پر اہل مدینہ نے اسے شہر بدر کر دیا تھا، امام عبدالحق اشبیلی نے کہا: وہ حجت کے لائق نہیں ہے۔"

امام حافظ منذری نے مختصر سنن ابی داؤد میں بیان کیا ہے:

"عبدالرحمٰن بن اسحاق مدنی جن کو عُباد بن اسحاق بھی کہا جاتا ہے، امام مسلم نے ان سے صحیح کے اندر اصول میں حدیث روایت کی ہے، اور امام بخاری نے صحیح میں ان سے متابعۃً واستشہاداً حدیث لی ہے، یحییٰ بن معین نے ان کو ثقہ کہا ہے، امام ابو حاتم نے کہا کہ: وہ حجت نہیں ہے، وہ حسن الحدیث ہے، ثبت اور قوی نہیں ہے، یحییٰ بن سعید القطان نے کہا: میں نے اس کے متعلق اہل مدینہ سے دریافت کیا کسی نے اس کی مدحت نہیں کی، بعض علماء کا کہنا ہے کہ تعریف نہ کرنے کی وجہ اس کا مذہب ہے یعنی اس کا قدری (منکر قدر) ہونا ہے اسی بنا پر اسے مدینہ بدر کر دیا گیا تھا، رہیں اس کی روایات تو "لا بأس بها" ہیں، یعنی اس کے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، امام بخاری نے فرمایا: وہ مقارب الحدیث ہے، امام شوکانی نے "نیل الاوطار" میں حافظ عراقی سے نقل کیا ہے کہ "یہ حدیث صالح ہے"۔☆

ابن سیلان کے بارے میں امام منذری نے "مختصر ابی داؤد" میں بیان کیا ہے کہ "وہ عبد ربہ بن سیلان ہیں جیسا کہ بعض طرق میں نام کی تصریح ہے، ایک

(☆) عبدالرحمٰن بن اسحاق اگر چہ متکلم فیہ ہیں لیکن حفص بن غیاث نے ان کی متابعت کی ہے جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔

تنبیہ: نصب الرایۃ (ج ۱ ص ۱۶۰) میں امام زیلعی سے امام منذری کا کلام نقل کرنے میں دو جگہ خطا ہو گئی ہے۔ انھوں نے عبدالرحمٰن بن اسحاق المدنی کی کنیت ابو شیبہ اور نسبت الواسطی نقل کیا ہے۔ حالانکہ حدیث مذکور (وان طردتکم الخیل) روایت کرنے والے عبدالرحمٰن بن اسحاق عامری قرشی ہیں اور یہ ثقہ ہیں اگر چہ بعض محدثین نے ان پر کلام کیا ہے، اور عبدالرحمٰن بن اسحاق ابو شیبہ الواسطی دوسرے ہیں اور وہ بالاتفاق ضعیف ہیں، جیسا کہ خود امام زیلعی نے "نصب الرایۃ" (ج ۱ ص ۳۱۴) میں بیان فرمایا ہے، حدیث وضع یدین تحت السرۃ کے راوی یہی عبدالرحمٰن الواسطی ہیں۔

قول یہ ہے کہ ان کا نام جابر ہے، ''سیلان'' سین پر زیر اور یاء ساکن ہے، اور آخری حرف نون ہے، اس حدیث کو ابو ہریرہ سے ابن المنکدر نے بھی روایت کیا ہے۔''

امام ذہبی ''میزان الاعتدال'' میں لکھتے ہیں: ''ابن سیلان لایُعرف یعنی مجہول ہے، اس کا نام عبدربہ یا جابر ہے، اس کے بارے میں امام عجلی نے فرمایا: یکتب حدیثہ (اس کی حدیث لکھی جائے گی) وہ قوی نہیں ہے، امام ابوحاتم نے بھی یہی کہا ہے، امام بخاری نے فرمایا: یہ قابل اعتماد راویوں میں نہیں ہے، اگرچہ بعض روایات میں قبول بھی کیا جاسکتا ہے، امام نسائی اور امام ابن خزیمہ نے فرمایا: وہ لاباْس بہ ہے۔''

طرد خیل کا معنی:

فرمان رسول ''وان طردتکم الخیل'' (اگرچہ گھوڑے تمہیں دوڑا رہے ہوں) کا معنی علامہ عینی نے ''شرح ہدایہ'' میں یہ بیان کیا ہے یعنی دشمن کی فوج دوڑا رہی ہو اور علامہ عزیزی نے ''سراج منیر'' میں لکھا ہے: ''دشمنان اسلام کفار وغیرہ کی اسپ سوار فوج تعاقب کررہی ہو، مطلب یہ کہ تم سنت فجر کی دو رکعتیں بہرحال پڑھو خواہ تم پیادہ ہو یا سوار، تمہارا رخ قبلہ کی طرف ہو یا نہ ہو، رکوع وسجود اشارہ سے کرو، سجدہ کے لئے رکوع سے زیادہ جھکاؤ ہو، مگر سنت فجر کو چھوڑو نہیں۔''

علامہ عبدالرؤف مناوی نے بھی ''فیض القدیر'' میں ایسا ہی لکھا ہے، مزید فرماتے ہیں: سنت فجر کے ساتھ یہ غایت اعتناء اور شدت حرص کا معاملہ ہے کہ حضر ہو یا سفر، حالت امن ہو یا حالت خوف اسے ترک نہیں کرنا چاہیئے۔''

ہمارے شیخ محدث حسین بن محسن انصاری نے ابوداؤد پر اپنی بعض تعلیقات میں لکھا ہے: ''اس کا معنی یہ ہے کہ مصلی دشمن کے خوف سے بھاگنے پر مجبور ہو اور دشمن اس کے تعاقب میں اپنا گھوڑا دوڑا رہا ہو کہ اسے پکڑ کر قتل کردے تب بھی اس کیلئے یہ

مناسب نہ ہوگا کہ سنت فجر کو ترک کردے۔ شارع علیہ السلام کا مقصود سنت فجر کو پڑھنے اور نہ چھوڑنے کی تاکید ہے، کہ حالات خواہ کیسے ہی سخت ہوں حتی کہ دشمن قتل کردینے کیلئے دوڑا رہا ہو تب بھی سنت فجر کو پڑھنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیئے۔“

اس حدیث کا ایک اور معنی ہوسکتا ہے اور وہ یہ کہ سنت فجر کو چھوڑو نہیں اگرچہ اپنے قافلہ یا لشکر کے شتر سوار اور اسپ سوار رفقاء پا بہ رکاب ہوں، اور وہ روانہ ہو رہے ہوں یا روانہ ہوگئے ہوں اس تنگ وقت میں بھی سنت فجر پڑھنا نہ چھوڑو، یوں اس میں ادائیگی سنت فجر کی غایت تاکید ہے، کیونکہ عرب کے لئے قافلہ کی مصاحبت بڑی اہمیت رکھتی تھی اور فقدان مصاحبت اور ساتھ چھوٹ جانے کی صورت میں بڑی مصیبت کھڑی ہوجاتی تھی، با ایں ہمہ حکم ہوا کہ سنت فجر بہر حال ایسی سخت حالت میں بھی ترک نہ ہونا چاہیئے، حدیث مذکور کی یہ تشریح وتقریر میں نے اپنے شیخ محدث وفقیہ، مفسر علامہ فہامہ سید نذیر حسین دہلوی کے سامنے عرض کی تو آپ نے اس کی تحسین فرمائی۔

(۸) عن عائشة رضی الله عنها کا رسول الله ﷺ لا یدع رکعتی الفجر فی السفر ولا فی الحضر ولا فی الصحة ولا فی السقم،

(تاریخ خطیب بغدادی، جامع صغیر للسیوطی) (۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ سنت فجر کی دو رکعتیں ترک

---

(۸) امام مناوی نے ”فیض القدیر“ (ج۱ ص۱۸۴) میں بیان فرمایا ہے کہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی عبداللہ بن رجاء ہیں، ان کے بارے میں امام ذہبی نے محدث فلاس کا یہ قول نقل کیا ہے: وہ صدوق کثیر الغلط والتصحیف ہے۔ ایک دوسرے راوی عمران القطان ہیں ان کے بارے میں امام ذہبی نے فرمایا ہے کہ: امام احمد اور امام نسائی نے ان کو ضعیف کہا ہے۔ ایک اور راوی قابوس بن ابی ظبیان ہیں امام ذہبی نے ان کو ضعفاء میں شمار کیا ہے۔ اس حدیث کو خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد (ج۶ ص۲۸۵) میں روایت کیا ہے۔

نہیں فرماتے تھے نہ سفر میں نہ حضر میں، نہ صحت میں نہ بیماری میں۔

(۹) امام طبرانی نے معجم اوسط میں بطریق ہدبہ بن منہال عن قابوس بن ابی ظبیان روایت کیا ہے کہ ابوظبیان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کسی کو بھیج کر دریافت کیا کہ رسول اللہ کی نفل نمازوں کے بارے میں بتائیں تو حضرت عائشہ نے بتایا کہ:

كان يصلي و يدع ولكن لم اره ترك الركعتين قبل صلوة الفجر في سفر ولا صحة ولا سقم (۹)

بعض نوافل کے بارے میں معمول یہ تھا کہ پڑھتے بھی تھے اور ترک بھی کر دیتے تھے لیکن میں نے یہ نہیں دیکھا کہ آپ نے فجر سے پہلے دو رکعت سنت ترک کی ہو نہ حضر میں نہ سفر میں نہ صحت کی حالت میں نہ بیماری کی حالت میں۔

اس حدیث کی سند میں ایک راوی قابوس بن ابی ظبیان ہیں ان کے بارے میں امام ابو حاتم نے کہا: وہ حجت نہیں ہیں، ابن حبان نے کہا: وہ ردئ الحفظ ہیں اپنے والد سے ایسی احادیث روایت کرنے میں منفرد ہیں جن کی کوئی اصل نہیں، چنانچہ وہ بسا اوقات موقوف کو مرفوع بنا دیتے ہیں اور مرسل کو مسند کر دیتے ہیں، امام نسائی نے کہا: وہ قوی نہیں ہیں، امام احمد نے فرمایا: وہ کچھ معتبر نہیں ہیں، البتہ امام ابن معین نے ایک روایت کے مطابق ان کی توثیق فرمائی ہے، امام ابن عدی نے کہا: ان کی احادیث متقارب ہوتی ہیں، مجھے امید ہے کہ وہ لا باس بہ ہیں، امام ابن خزیمہ اور امام ترمذی اور امام حاکم نے ان کی احادیث کی تصحیح فرمائی ہے، یعنی صحیح قرار دیا ہے، جیسا کہ امام منذری نے ذکر فرمایا ہے۔

---

(۹) اس حدیث کی سند میں ایک راوی ہدبہ بن منہال ہیں، مجھے ان کا ترجمہ کسی کتاب میں نہیں ملا، لیکن جریر نے ان کی متابعت کی ہے جیسا کہ مسند احمد (ج۶ص۴۳) اور تفسیر قرطبی (ج۲ص۲۲۴) میں ہے، اور قابوس بن ابی ظبیان تو ان کے اندر ضعف ہے جیسا کہ تقریب (ص۴۱۸) میں مذکور ہے۔

(۱۰) ابو یعلی موصلی نے اپنی ''مسند'' میں بطریق سوید بن عبد العزیز از فضیل بن عیاض از لیث از مجاہد از عبد اللہ بن عمر روایت کیا ہے، حضرت عبد اللہ بن عمر نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے سنا ہے کہ:

لاتتركوا ركعتي الفجر فان فيهما الرغائب (كذا في نصب الراية) (۱۰)

سنت فجر کی دو رکعتوں کو ترک نہ کرو کیونکہ ان کے اندر بڑی فضیلتیں ''رغائب'' ہیں۔

(۱۱) عنبسہ بن ابو سفیان حضرت ام حبیبہ زوجۂ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتی ہیں میں نے سنا کہ رسول اللہ نے فرمایا:

ما من عبد مسلم يصلي كل يوم ثنتي عشرة ركعة تطوعاً غير الفريضه الا له بيت في الجنة–او–بني له بيت في الجنة، قالت ام حبيبه: فما برحت اصليهن من بعد (مسلم، دارمي، ترمذي، ابوداؤد، نسائي، واللفظ للدارمي) (۱۱)

جو بندۂ مسلم روزانہ بارہ رکعتیں نفل علاوہ فرض نمازوں کے پڑھے اس کے لئے جنت

---

(۱۰) اس حدیث کی سند میں سوید بن عبد العزیز السلمی ہیں ان کے بارے میں امام بخاری نے فرمایا: فیہ نظر، حدیثہ مناکیر، ابن معین، ابو حاتم، نسائی، خلال اور ابن حبان وغیرہ نے ان کو ضعیف کہا ہے۔ حافظ ابن حجر نے ''تقریب'' میں فرمایا: لین الحدیث من الثامنہ۔ دوسرے راوی لیث ہیں یہ لیث بن ابی سلیم ہیں، ان کے بارے میں حافظ ابن حجر نے فرمایا: صدوق من السادسہ۔ لیکن آخر میں مختلط ہو گئے تھے اور یہ متمیز نہیں کہ ان کی کونسی روایات اختلاط سے پہلے کی ہیں اور کون سی بعد کی۔ لہذا وہ متروک قرار پائے۔ اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے بایں سند موقوفاً روایت کیا ہے، **قال حدثنا هشيم عن يعلى بن عطاء عن الوليد بن عبد الرحمن عن ابن عمر انه قال ياحمران: لاتدع ركعتين قبل الفجر فان فيهاالرغائب.** اس سند کے تمام رواۃ ثقہ ہیں۔

(۱۱) مسلم: باب فضل السنن الراتبہ (ج ۱ ص ۲۵۱)، دارمی: باب صلاۃ السنہ (ج ۱ ص ۳۳۵)، ابن ابی شیبہ (ج ۱ ص ۴۸۶)، نسائی (ج ۱ ص ۲۰۸، ۲۰۹)، نیز ابوداؤد طیالسی (۱۵۹۱) بیہقی (ج ۲ ص ۴۷۲)، ابن ابی شیبہ (ج ۲ ص ۲۰۳)، احمد (ج ۶ ص ۳۲۷)

میں ایک گھر ہے، یا فرمایا: اس کے لئے جنت میں ایک گھر تیار کیا جائے گا، حضرت ام حبیبہ فرماتی ہیں، اسی لئے میں انھیں برابر پڑھتی ہوں۔

(۱۲) ترمذی اور ابن ماجہ میں حدیث ام حبیبہؓ کے الفاظ یہ ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من صلی فی یوم ولیلة ثنتی عشرة رکعة بنی له بیت فی الجنة، اربعا قبل الظهر ورکعتین بعد العشاء و رکعتین قبل صلاه الغداة– قال الترمذی وحدیث عنبسه عن ام حبیبه فی هذا الباب حدیث حسن صحیح، وقد روی عن عنبسه من غیر وجه.(۱۲)

جو شخص شب و روز میں بارہ رکعتیں (یعنی نفل، فرض نمازوں کے علاوہ) پڑھے اس کے لئے جنت میں ایک گھر تیار کیا جائے گا، چار رکعت ظہر سے پہلے اور دو ظہر کے بعد اور دو مغرب کے بعد اور عشاء کے بعد اور دو رکعتیں نماز فجر سے پہلے۔

امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے عنبسہ سے متعدد طریقوں سے مروی ہے۔

(۱۳) حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من ثابر علی ثنتی عشرة رکعة من السنة بنی الله له بیتا فی الجنه اربع رکعات قبل الظهر ورکعتین بعدها ورکعتین بعد المغرب ورکعتین بعد العشاء، ورکعتین قبل الفجر

(رواه الترمذی وابن ماجه، وقال الترمذی غریب من هذا الوجه، ومغیرة بن زیاد قد تکلم فیه بعض اهل العلم من قبل حفظه)

جو شخص بارہ رکعتیں سنت برابر پڑھا کرے اللہ اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنائے گا، چار رکعت ظہر سے پہلے، دو رکعت ظہر کے بعد، دو رکعت مغرب کے بعد، دو رکعت

---

(۱۲) ترمذی: (ج۱ص۳۱۹)، ابن ماجہ: باب ماجاء فی ثنتی عشرہ رکعہ من السنہ (ج۱ص۳۱۹)، نیز بیہقی (ج۲ص۴۷۲)، ابوداؤد طیالسی (۱۵۹۲)، مسلم (ج۱ص۲۵۱)، نسائی (ج۱ص۲۰۹)، ابن ابی شیبہ (ج۲ ص۲۰۳)، قیام اللیل مروزی (ص۵۱)

عشاء کے بعد اور دو رکعت نماز فجر سے پہلے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث اس طریق سے غریب ہے، نیز اس کی سند میں مغیرہ بن زیاد راوی ہیں جن پر بعض اہل علم نے ان کے حافظہ کے تعلق سے کلام کیا ہے۔ (۱۳)

امام ترمذی نے فرمایا کہ اس باب میں حضرت ام حبیبہ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے احادیث مروی ہیں (☆)

(۱۴) ابن ماجہ میں ''بطریق سہیل عن ابیہ ابی صالح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من صلى في يوم ثنتي عشرة ركعة بنى له بيت في الجنة ركعتين قبل الفجر و ركعتين قبل الظهر و ركعتين بعد الظهر وركعتين اظنه قبل العصر، وركعتين بعد المغرب، اظنه قال وركعتين بعد العشاء الآخرة (۱۴)

---

(۱۳) امام نسائی نے کہا: وہ قوی نہیں ہے، امام احمد نے کہا: وہ ضعیف ہے اس کی روایت کردہ تمام حدیث مرفوع منکر ہے، امام نسائی نے کہا: عن ''عائشہ'' خطا ہے، عطاء نے ''عنبسہ'' کہا ہوگا، مغیرہ بن زیاد پر وہ ''عائشہ'' سے بدل گیا، یہ تصحیف ہے یعنی محفوظ عنبسہ بن ابی سفیان عن اختہ ام حبیبہ ہے، یہ حدیث ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے نہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ سے (كذا في التلخيص لابن حجر) اس حدیث کو امام نسائی (۲۰۸) ابن ابی شیبہ (ج ۲ص ۲۰۳) اور ابو یعلی موصلی (ج ۲ص ۱۵۲اق) نے بھی روایت کیا ہے۔

(۱۴) ابن ماجہ (ص ۸۱)، نسائی (ج ۱ص ۲۰۹)، ابن ابی شیبہ (ج ۱ص ۲۰۴)، کامل ابن عدی۔ اس کی اسناد میں محمد بن سلیمان اصبہانی ہیں، جیسا کہ مولف رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر فرمایا ہے، امام نسائی فرماتے ہیں: ''ابو صالح عن ابي هريرة'' خطا ہے، اور صحیح ''ابو صالح عن ام حبیبہ'' ہے، واللہ اعلم، اس حدیث کو احمد (ج ۲ص ۴۹۸) اور ابن ابی شیبہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت کیا ہے، اور اس کی اسناد کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

جس نے روزانہ بارہ رکعتیں (سنت) پڑھی اس کے لئے جنت میں گھر بنایا جائیگا، دو رکعت فجر سے پہلے، دو رکعت ظہر سے پہلے، دو رکعت ظہر کے بعد، اور دو رکعت۔ میرا گمان ہے کہ آپ نے فرمایا: عصر پہلے، دو رکعت مغرب کے بعد، دو رکعت عشاء کے بعد۔

اس حدیث کو ابن عدی نے بھی ''الکامل'' میں (بطریق محمد بن سلیمان الاصبہانی عن سہیل بن ابی صالح عن ابیہ عن ابی ہریرۃ مرفوعاً روایت کیا ہے، مگر اس میں بارہ رکعتوں کے بجائے چودہ رکعت ہے جس کی تفصیل یہ ہے:

دو رکعت نماز فجر سے پہلے، چار رکعت ظہر سے پہلے، دو رکعت ظہر کے بعد، دو رکعت عصر سے پہلے، دو رکعت مغرب کے بعد اور دو رکعت عشاء کے بعد۔ مگر یہ حدیث ضعیف ہے، محمد بن سلیمان اصبہانی مذکور کو ابن عدی نے جیسا کہ حافظ جمال الدین زیلعی نے ''نصب الرایہ'' میں ذکر کیا ہے، ضعیف قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ وہ مضطرب الحدیث ہے۔

(☆) حضرت ام حبیبہ اور حضرت ابو ہریرہ کی حدیث گذر چکی ہے، حضرت ابن عمر کی حدیث آگے آرہی ہے، حضرت ابو موسیٰ اشعری کی حدیث مسند احمد (ج ۴ ص ۴۱۳) اور امام طبرانی کی معجم اوسط و معجم کبیر اور مسند بزار میں مروی ہے۔

علامہ ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' (ج ۲ ص ۲۳۱) میں لکھا ہے کہ: ''اس حدیث کی روایت میں ہارون بن اسحاق کی متابعت نہیں کی گئی ہے''۔ مسند احمد کے مطبوعہ نسخوں میں یہ حدیث بایں سند مروی ہے: عن حماد بن زید عن ھارون بن اسحٰق عن ھمدان عن ابی بردۃ۔ علامہ ساعاتی نے بھی ''الفتح الربانی'' میں ایسے ہی ذکر کیا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہاں نسخ و کتابت میں غلطی اور تصحیف ہوگئی ہے، صحیح ''حماد بن زید عن ھارون ابی اسحٰق عن ابی بردۃ'' ہے، جیسا کہ امام بخاری نے تاریخ (ج ۸ ص ۲۲۵ ق) میں اور ابن ابی حاتم نے ''الجرح والتعدیل'' میں ذکر کیا ہے، امام ابن حبان نے ''کتاب الثقات'' (ج ۳ ص ۲۰۹ ق) میں لکھا ہے ''ہارون ابو اسحٰق کوفی نے شعبی اور ابو بردہ سے روایت کیا ہے، اور ان سے حماد بن زید وغیرہ نے حدیث روایت کی ہے''۔ معلوم ہوا کہ ہارون بن اسحٰق صحیح نہیں ہے اس کے صحیح نہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ مذکورہ طبقہ میں ہارون بن اسحٰق نام کے کسی راوی کا ترجمہ کتاب میں مجھے نہیں ملا، رہا ''لفظ عن ھمدان'' سو یہ بھی خطا ہے، شاید وہ ''ہارون ابو اسحٰق بھمدان'' ہے، لفظ ''با'' ناسخ کی غلطی سے ساقط ہوگیا اور یہ اس کی جگہ ''عن'' لکھ گیا ہے، واللہ اعلم۔

نے رسول اللہ ﷺ سے کہا مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے کہ اللہ تعالیٰ اس سے مجھے نفع پہنچائے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

علیک برکعتی الفجر فان فیهما فضیلة(رواه الطبرانی فی الکبیر) وفی روایة له ایضاً قال: سمعت رسول الله ﷺ یقول: لاتدعوا الرکعتین قبل صلوة الفجر فان فیهما الرغائب. (۱۵)

سنت فجر کی پابندی کرو اس کی فضیلت ہے (معجم کبیر للطبرانی) طبرانی کی ایک دوسری روایت میں ہے عبداللہ بن عمر نے کہا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''نماز فجر سے پہلے دو رکعتیں سنت پڑھنا نہ چھوڑو کیونکہ اس کے اندر ''رغائب'' یعنی بڑی فضیلتیں ہیں۔

(۱۶) عبداللہ بن عمر سے یہ حدیث امام احمد نے مسند میں بایں الفاظ روایت کیا ہے:

ورکعتا الفجر حافظوا علیهما فان فیهما الرغائب، (کذا فی "الترغیب والترهیب" للحافظ الامام الرحله عبد العظیم المنذری) (۱۶)

---

(۱۵) ان دونوں حدیثوں کو امام ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' میں ذکر کیا ہے، پہلی (ج ۲ ص ۲۱۷) میں اور کہا کہ اس کی سند میں محمد بن البلیمانی ایک راوی ہے وہ ضعیف ہے، دوسری (ج ۲ ص ۲۱۷/۲۱۸) میں اور کہا کہ اس کی سند میں عبدالرحیم بن یحیٰی واقع ہے، (تقریب میں ہے) حدیث ابن عمر کو امام عبدالرزاق نے (مصنف ج ۳ ص ۵۷) میں، اور ابن ابی شیبہ نے (مصنف ج ۲ ص ۲۴۱) میں موقوفاً روایت کیا ہے، اس کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، یہ حدیث خطیب بغدادی نے (تاریخ ج ۱ ص ۲۴۱) میں مرفوعاً روایت کیا ہے، لیکن اس کی سند محل نظر ہے۔

(۱۶) یہ حدیث مسند احمد (ج ۱ ص ۲۴۱) میں بایں لفظ مروی ہے: ''**ورکعتا الفجر حافظوا علیهما فانهما من الفضائل**'' اس کی سند میں ایوب بن سلیمان صنعانی ہیں اور وہ مجہول ہیں (لسان المیزان ج ۱ ص ۴۸۱ وتعجیل المنفعة ص ۴۷)، امام ہیثمی نے بھی یہ حدیث ''مجمع الزوائد'' (ج ۲ ص ۲۱۸) میں بلفظ ''**فان فیهما الرغائب**'' ذکر کی ہے، اور یہ بھی کہا ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی مبہم ہے نام زد نہیں ہے۔ امام

سنت فجر کی دو رکعتوں کی محافظت کرو پابندی سے پڑھا کرو، اس میں ''رغائب'' یعنی بڑی فضیلتیں ہیں۔

(۱۷) شیخ امام نور الدین علی بن ابوبکر ہیثمی نے اپنی کتاب مجمع الزوائد و منبع الفوائد'' میں ذکر کیا ہے کہ ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"قل هوالله احد" تعدل ثلث القرآن، و"قل يا ايها الكافرون" تعدل ربع القرآن، وكان يقرأ بهما في ركعتي الفجر، وقال هاتان الركعتان فيهما رغائب الدهر (معجم للطبراني و مسند ابويعلى)(۱۷)

" **قل هو الله احد**" ثلث قرآن کے اور "**قل يا ايهاالكافرون**"ربع قرآن کے برابر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں سورتوں کو سنت فجر میں پڑھا کرتے تھے، اور فرماتے تھے: سنت فجر کی دو رکعتوں میں زمانہ بھر کی فضیلتیں ہیں۔

حافظ ہیثمی نے بیان کیا ہے کہ: ترمذی نے عبداللہ بن عمر سے جو حدیث روایت کی ہے اس میں صرف اتنا ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ سنت فجر کی پہلی رکعت میں "**قل يا ايهاالكافرون**" اور دوسری رکعت میں "**قل هو الله احد**" پڑھتے تھے۔ مذکورہ حدیث کو طبرانی نے ''معجم کبیر'' میں بطریق مجاہد عن ابن عمر اور ابو یعلی نے مسند میں

ہیثمی سے یہاں دو جگہ خطا ہوگئی ہے ایک تو یہ کہ وہ راوی مبہم نہیں ہے نامزد ہے، یعنی ایوب بن سلمان، البتہ وہ مجہول ہے، دوسری خطا یہ کہ یہ حدیث مسند احمد میں بایں لفظ ''**فانهما من الفضائل**'' وارد ہے نہ کہ بلفظ ''**فان فيهـ مائب**''، جیسا کہ امام ہیثمی اور امام منذری نے ذکر کیا ہے، بہر حال اس حدیث کی سند میں اگرچہ ایوب مجہول ہیں لیکن انھوں نے کوئی ایسی منکر بات نہیں روایت کی ہے یعنی اس کے روایت کرنے میں وہ متفرد نہیں ہیں، **كما لا يخفي على الماهر**.

(۱۷) جامع الترمذی مع التحفہ: باب ماجاء فی تخفیف رکعتی الفجر والقراءۃ (ج ۱ ص ۳۲۰) بطریق مجاہد عن ابن عمر، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

بطریق ابی محمد عن ابن عمر روایت کیا ہے، ابویعلی کے رواۃ ثقہ ہیں"۔

(۱۸) عن ابی الدرداء قال: اوصانی خلیلی ﷺ بثلاث بصوم ثلاثه ایام من کل شهر، والوتر قبل النوم و رکعتی الفجر، (رواه الطبرانی فی الکبیر، باسناد جید)(۱۸)

حضرت ابودرداء سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ مجھے میرے خلیل (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) نے تین چیزوں کی وصیت فرمائی ہے ایک یہ ہے کہ ہر ماہ تین روزہ رکھو، سونے سے پہلے وتر پڑھو اور دوگانہ سنت فجر کی پابندی کرو۔

یہ حدیث ابوداؤد وغیرہ میں بھی ہے لیکن "رکعتی الفجر" کے بجائے "رکعتی الضحی" ہے البتہ سنن نسائی کے بعض نسخوں میں بھی "رکعتی الضحی" کے بجائے "رکعتی الفجر" ہے۔(☆)

---

(۱۸) امام ہیثمی نے "مجمع الزوائد" (ج ۲ ص ۲۱۷) میں اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ اس کی سند کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

(☆) ابوداؤد: باب الوتر قبل النوم (ج ۱ ص ۵۳۹) مسند احمد (ج ٦ ص ۴۴۵، ۴۵۱) و مسند بزار، ان سب کی سند میں ابوادریس سکونی ایک راوی ہیں اور وہ مجہول ہیں، اس حدیث کی اصل صحیح مسلم (ج ۱ ص ۲۵۰) میں ہے، امام بزار نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن الاسناد ہے، شاید امام بزار نے مستور یعنی مجہول الحال راوی کی روایت کو مقبول قرار دینے کے اپنے اصول کی بنا پر اس حدیث کو حسن کہا ہے، جیسا کہ امام ابن القیم نے "تہذیب سنن ابی داؤد" (ج ۲ ص ۱۲۷) میں لکھا ہے۔

حدیث ابودرداء مجھے سنن النسائی (کے متداول) نسخوں میں تو نہیں ملی، ہاں یہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے "باب الحث علی الوتر قبل النوم" (ج ۱ ص ۱۹۹) میں مروی ہے، اسی طرح امام ابونعیم اصبہانی نے "اخبار اصبہان" (ج ۲ ص ۸۲) میں، خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" (ج ۵ ص ۳۴۳، ج ۳ ص ۵٦) میں اس حدیث کو "ورکعتی الفجر" کے لفظ کے ساتھ روایت کیا ہے، لیکن یہ حدیث عام روایات صحاح و مسانید میں بلفظ "ورکعتی الضحیٰ" ہی مروی ہے، حافظ ابن حجر نے (تلخیص ص ۱۱۸) میں ذکر کیا ہے کہ "مسند احمد" کی روایات میں حدیث ابو ہریرہ "رکعتی الضحیٰ" کے بجائے "الغسل یوم الجمعۃ" ہے، ایسا طبرانی کی ایک روایت میں حدیث ابودرداء میں بھی ہے۔ عرض ہے کہ حدیث ابو ہریرہ بطریق حسن عن ابی ھریرۃ مسند احمد (ص ۲۲۹، ۲۳۳، ۲٦، ۳۲۹، ۳۷۲) میں اور مسند ابوداؤد طیالسی (۲۴۷) میں مروی ہے اس

(۱۹) وعن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: "قل هوالله احد" تعدل ثلث القرآن، و "قل يا ايهاالكافرون" بعدل تعدل ربع قرآن، وكان يقرأ بهما فى ركعتى الفجر، وقال هاتان الركعتان فيهما و غائب الدهر.

(رواه ابويعلى باسناد حسن الطبرانى فى الكبير" واللفظ له كذا فى الترغيب والترهيب". (۱۹)

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے انھوں نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: **قل هو الله احد"** ثلث قرآن کے، اور "قل یا ایھاالکافرون" ربع قرآن پڑھنے کے برابر ہے، آنحضرت ﷺ ان دونوں سورتوں کو نماز فجر کی سنت میں پڑھا کرتے تھے۔ (طبرانی، و ابویعلی، ابویعلی کی سند حسن ہے)

یہ سب احادیث سنت فجر کی تاکید اور اس کی اہمیتِ شان کے بارے میں وارد ہوئیں ہیں اور اس میں بھی شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ سنت فجر کسی بھی حال میں ترک نہیں فرماتے تھے اس کی اتنی پابندی کرتے تھے کہ اس سے زیادہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا، کیا تم نے پڑھا نہیں کہ ایک بار نماز فجر کے لئے مسجد آنے میں کسی عذر کی بنا

حدیث میں "الغسل یوم الجمعۃ" کا ذکر حسن بصری کا وہم ہے، لیکن یہ گمان درست نہیں معلوم ہوتا، یہ درست قرار پاسکتا تھا اگر حسن بصری اس لفظ کے روایت کرنے میں متفرد ہوتے لیکن ایسا نہیں ہے، بلکہ یہ لفظ ابوہریرہ سے اسود بن ہلال نے بھی جیسا مسند احمد (ج ۲ ص ۳۳۱) اور نسائی (ج ۱ ص ۲۶۸) "باب صوم ثلاثۃ ایام من کل شھر" میں ہے، روایت کیا ہے، اور ایوب مولیٰ عثمان نے بھی بایں لفظ ابوہریرہ سے روایت کیا ہے جیسا کہ مسند احمد (ج ۲ ص ۴۸۴) میں ہے اور احمد ونسائی کی سند کے رجال ثقہ ہیں، پس ظاہر یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ سے یہ حدیث دونوں طرح مروی ہے، علامہ شاکر نے مسند احمد پر اپنی تعلیقات میں اس موضوع کو تفصیل سے لکھا ہے اور نہایت عمدہ کلام کیا ہے، جزاء اللہ خیرا۔ حضرت ابودرداء کی حدیث بلفظ "رکعتی الفجر" ہے جیسا کہ ہیثمی اور منذری نے ذکر کیا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

(۱۹) اسے ہیثمی نے "مجمع الزوائد" (ج ۲ ص ۲۱۸) میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ ابویعلی کے رجال ثقہ ہیں۔

پر آپ ﷺ کو بہت تاخیر ہوگئی اور فجر نہایت روشن ہوگئی بایں ہمہ آنحضرت ﷺ نے سنت فجر کو چھوڑا نہیں اس تنگیٔ وقت کے باوجود اسے پہلے ادا فرمایا پھر فرض کے لئے مسجد تشریف لائے اور نماز فجر ادا کی۔

سنتِ فجر کا حکم:

سنتِ فجر کی تاکید و اہمیت سے متعلق وارد انہی احادیث کی بنا پر اس کے حکم کے بارے میں ائمہ عظام - اللہ ان کو جنت میں بلند مقام عطا فرمائے - کی رائیں مختلف ہیں، چنانچہ بعض ائمہ جیسے امام حسن بصری کا مذہب یہ ہے کہ سنت فجر واجب ہے، امام محمد بن نصر مروزی نے اپنی کتاب ''قیام اللیل'' میں اپنی سند سے جو امام بصری تک منتہی ہے روایت کیا ہے کہ ''وہ دو رکعت سنتِ مغرب اور دو رکعت سنتِ فجر دونوں کو واجب قرار دیتے تھے۔'' (۲۰) اور امام حسن بن زیاد کی روایت کے مطابق امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی منقول ہے، چنانچہ امام صاحب کا قول یہ ہے کہ اگر کوئی بلا عذر بیٹھ کر سنتِ فجر پڑھے گا تو یہ اس کے لئے کافی نہیں ہے، نماز ادا نہیں ہوگی، حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''فتح الباری شرح صحیح البخاری'' میں حدیث عائشہ ''ولم یکن یدعھما'' کے تحت لکھا ہے کہ ''یہ حدیث ان لوگوں کا مستدل ہے جو وجوبِ سنتِ فجر کے قائل ہیں، امام حسن بصری سے یہی منقول ہے، ابن ابی شیبہ نے ان سے یہی روایت کیا ہے کہ وہ فجر سے پہلے دو رکعت سنتِ فجر کے واجب ہونے کی رائے رکھتے تھے۔'' (یہاں فجر سے مراد صلوٰۃ فجر ہے) ابوغسان نے امام ابوحنیفہ سے بھی یہی نقل کیا ہے ''الجامع المحبوبی'' (☆) میں حسن بن زیاد سے ان کا یہ قول منقول ہے کہ اگر کوئی بلا عذر سنتِ فجر

---

(۲۰) قیام اللیل (ص ۵۱)، مصنف ابن ابی شیبہ (ج ۲ ص ۲۴۱) بطریق معاذ عن اشعث قال : کان الحسن یری الرکعتین قبل الفجر واجبتین.

(☆) فقیہ محبوبی کا نام عبداللہ بن ابراہیم ہے، محبوبی ان کے بعض اجداد یعنی محبوب بن الولید بن عبادۃ بن

کی دو رکعت بیٹھ کر پڑھے گا تو یہ اس کے لئے کافی نہیں یعنی نماز ادا نہیں ہوگی۔ ‘‘

علامہ شوکانیؒ کا رجحان بھی وجوب ہی کی طرف ہے، چنانچہ انھوں نے ’’نیل الاوطار‘‘ میں حدیث ابو ہریرہ کے تحت لکھا ہے کہ ’’یہ وجوبِ سنتِ فجر کی مقتضی ہے، کیونکہ ترکِ سنتِ فجر کی نہی وارد ہے، اور نہی کی حقیقت تحریم ہے، اور جس کا ترک حرام ہو اس کا کرنا واجب ہوگا، خاص کر بایں صورت کہ سنتِ فجر کے بارے میں ’’**وان طردتکم الخیل**‘‘ جیسی سخت تاکید وارد ہے، ایسی سخت حالت میں تو بہت سے واجبات کا ترک مباح ہو جاتا ہے، مگر ایسے سخت حالات میں بھی سنتِ فجر کو چھوڑنے کی نہی و ممانعت ہے، جو امام حسن بصری کے مذہب وجوبِ سنتِ فجر کے دلائل میں سے ہے، اور یہ تسلیم کرنے کے بعد کہ حدیث نہی حجت بننے کے لائق ہے، جمہور کے لئے جو عدم وجوب کے قائل ہیں کوئی قرینہ صارفہ پیش کرنا ضروری ہے جو یہاں نہی سے اس کے حقیقی معنی تحریم مراد نہ ہونے پر دلالت کرے۔ ‘‘

علامہ شوکانی نے ایک دوسری جگہ لکھا ہے کہ ’’وجوبِ سنتِ فجر کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے، حسن بصری وجوب کی طرف گئے ہیں، جیسا کہ ان سے ابن ابی شیبہ نے نقل فرمایا ہے، صاحب ’’البیان‘‘ (علامہ ابوالخیر العمرانی) اور علامہ ابو القاسم الرافعی (☆) نے بعض شافعیہ کا بھی ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ وتر اور سنت فجر

الصامت کی طرف نسبت ہے، اور عبادہ بن صامت کی نسبت سے ان کو عبادی بھی کہا جاتا ہے، یہ ابوحنیفہ ثانی سے معروف تھے، ۶۳۰ھ میں ان کی وفات ہوئی ہے، ان کے تفصیلی تذکرہ کے لئے ملاحظہ ہو ’’**العبر فی خبر من غبر**‘‘ (ج۵ ص۱۲۰)، ’’الجواہر المضیۃ‘‘ (ج۱ ص۳۳۶)، ’’الفوائد البہیہ‘‘ (ص۴۵)،

فائدہ نفیسہ: اصل ’’جامع صغیر‘‘ امام محمد تلمیذ امام ابوحنیفہ کی تصنیف ہے، متعدد مشائخ حنفیہ نے اس کی شرح لکھی ہے، ہر ایک کی شرح اس کے نام کی نسبت سے معروف ہے جیسے جامع بزدودی، جامع سرخسی، اور جامع محبوبی وغیرہ، یہ سب درحقیقت جامع صغیر کی شرحیں ہیں، ملاحظہ ہو ’’ذیل الجواہر المضیۃ‘‘ (ج۲ ص۵۵۹)

(☆) صاحب ’’البیان‘‘ یہ یحییٰ بن سالم ابوالخیر العمرانی ہیں، یمن میں شیخ الشوافع تھے، آپ کی تصانیف میں ’’البیان اور ’’مختصر الاخبار‘‘ وغیرہ ہیں، ۵۵۸ھ میں ان کی وفات ہوئی ہے، (طبقات الشافعیہ الکبریٰ =

فضیلت میں برابر ہیں۔

امام حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے ''زاد المعاد فی ھدی خیر العباد'' میں تحریر فرمایا ہے کہ ''فقہاء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ سنتِ فجر اور وتر میں کون زیادہ موکد ہے، بعض فقہاء نے سنتِ فجر کو موکد تر قرار دیا ہے تو بعض نے وتر کو، اور محض اس بناء پر کہ وجوب وتر کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے اور بعض فقہاء اس کو واجب بھی کہتے ہیں، وتر کے موکد تر ہونے کو ترجیح نہیں دی جا سکتی کیوں کہ وتر کی طرح سنتِ فجر میں بھی اختلاف ہے اور بعض ائمہ و فقہاء اس کو بھی واجب کہتے ہیں۔''

علامہ مجد الدین فیروز آبادی نے اپنی کتاب ''سفر السعادۃ'' (فارسی) میں تحریر فرمایا ہے کہ ''علماء کا اس مسئلہ میں کہ سنتِ فجر اور وتر میں کون افضل ہے دو قول ہے، بعض علماء کی رائے ہے کہ سنتِ فجر موکد تر اور افضل ہے، اور جیسا کہ وتر بعض ائمہ کے نزدیک واجب ہے، سنتِ فجر بھی بعض اہل علم کے نزدیک واجب ہے۔''

امام محی الدین نوویؒ نے ''المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج'' میں فرمایا : کہ ''قاضی عیاض نے امام حسن بصری سے وجوب سنتِ فجر کا قول نقل کیا ہے۔'' ایسے ہی ''ارشاد الساری'' للقسطلانی میں بھی ہے کہ ''حسن بصری وجوب سنتِ فجر کے قائل ہیں جیسا کہ ان سے ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔''

قاضی فقیہ ابو بکر محمد بن احمد البخاری نے ''فتاویٰ ظہیریہ'' میں فرمایا کہ ''سنتِ فجر کو بلا عذر بیٹھ کر یا سواری پر پڑھنا جائز نہیں ہے، امام ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ سنتِ فجر واجب ہے۔'' ایسا ہی فقیہ محمد بن محمد کردری بزازی نے ''فتاویٰ بزازیہ'' میں لکھا

= ج۴ص۳۲۴)

اور الرافعی ؛ یہ عبد الکریم بن محمد القزوینی ابو القاسم الرافعی الشافعی ہیں، مذہب شافعی اور اس کے دقائق کی معرفت کے لئے مرجع تھے، آپ کی وفات ۶۲۳ھ میں ہوئی ہے (العبر ج۵ص۹۴، طبقات الشافعیہ الکبریٰ ج۵ص۱۱۹)

ہے۔"

علامہ بدرالدین عینی نے "بنایہ شرح ہدایہ" میں بیان کیا ہے کہ مولف ہدایہ مرغینانی نے ذکر کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے سنت فجر کو واجب کہا ہے، "جامع محبوبی" میں بروایت حسن بن زیاد مذکور ہے کہ امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ: سنت فجر بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں ہے۔"

فقیہ علاء الدین حصکفی نے "درمختار" میں بیان کیا ہے کہ "ایک قول سنتِ فجر کے وجوب کا بھی ہے بنا بریں بالاتفاق علی الاصح سنتِ فجر بلا عذر بیٹھ کر یا سواری پر پڑھنا جائز نہ ہوگا، اور نہ کسی عالم کے لئے جو فتاویٰ کے سلسلہ میں مرجع ہو یہ جائز ہوگا کہ وہ سنتِ فجر کبھی چھوڑ دے۔" اور فقیہ ابن عابدین شامی نے "درمختار" کے حاشیہ "رد المحتار" (معروف بہ شامی) میں فرمایا کہ "البحر الرائق" میں (مولف ابن نجیم مصری) کے کلام کا میلان بھی اسی طرف ہے، چنانچہ انھوں نے لکھا ہے کہ "اس مسئلہ میں فقہاء کا کلام سنتِ فجر کے وجوب پر دلالت کرتا ہے۔"

علامہ شیخ سلام اللہ "المحلی بحل اسرار الموطا" میں تحریر فرماتے ہیں: "وتر کے بعد سنتِ فجر بالاتفاق تمام سنن موکدہ میں سب سے زیادہ موکد ہے، اور "خلاصہ" میں جو یہ مذکور ہے کہ "اس پر (فقہائے احناف کا) اجماع ہے کہ سنت فجر بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں ہے" تو یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کے واجب ہونے پر دلالت کرتا ہے۔"

جمہور علماء کا مذہب:

فجر کے بارے میں جمہور اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ وہ واجب نہیں ہے بلکہ جملہ سنن موکدہ میں سب سے موکدترین سنت ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے اسے کبھی تو

تطوع کہا، کبھی سنت کہا جیسا کہ ام حبیبہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما کی حدیثوں میں وارد ہے، نیز حضرت عائشہ کی حدیث میں ''علیٰ شیٔ من النوافل'' وارد ہے، امام ابن دقیق العید (محمد بن علی القشیری) نے حدیث عائشہ ''لم یکن رسول للہ ﷺ علی شیٔ من النوافل'....الخ '' کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''اس کے اندر اس امر کی دلیل ہے کہ سنتِ فجر موکد اور فضیلت میں بلند درجہ ہے (یعنی واجب نہیں ہے)

امام نووی شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں: ''اس حدیث کے اند رہمارے لئے یہ دلیل ہے کہ دوگانۂ سنتِ فجر عظیم الفضیلت ہے اور یہ کہ وہ سنت ہے واجب نہیں ہے، اور یہی جمہور علماء کا قول ہے، قاضی عیاض نے امام حسن بصری سے وجوب کا قول نقل کیا ہے، لیکن صحیح عدم وجوب کا قول ہے، کیونکہ خود حضرت عائشہ نے اسے نوافل میں سے کہا ہے، ساتھ ہی نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان بھی عدم وجوب کی دلیل ہے، کہ ایک سائل سے آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے اوپر شب و روز میں پانچ وقت کی نمازیں ہیں تو اس نے دریافت کیا، کیا میرے اوپر اس پانچ کے علاوہ بھی کوئی نماز فرض ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لا إلا ان تطوع'' نہیں الا یہ کہ تم تطوع نفل پڑھو، معلوم ہوا کہ سنت فجر بھی فرض کے علاوہ ہے فرض نہیں تطوع ہے۔

حافظ ابن حجر ''فتح الباری'' میں حدیث عائشہ ''لم یکن یدعهما ابدا'' کے تحت فرماتے ہیں: ''بعض علماء شافعیہ نے اس سے امام شافعی کے اس قول قدیم کے لئے استدلال کیا ہے کہ سنتِ فجر افضل التطوعات ہے (نوافل میں سب سے افضل ہے) امام شافعی کا قول جدید ہے کہ افضل التطوعات وتر ہے،'' ارشاد الساری للقسطلانی میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

علامہ ابن القیم نے ’’زاد المعاد‘‘ میں فرمایا: ’’نبی ﷺ کی سنت فجر پر پابندی اور مداومت تمام نوافل سے زیادہ تھی، چنانچہ آپ ﷺ سنتِ فجر اور وتر کو حضر میں بھی پڑھتے تھے سفر میں بھی پڑھتے تھے چھوڑتے نہیں تھے، سفر میں سنتِ فجر اور وتر پر مواظبت تھی دیگر سنن رواتب پر نہیں تھی۔‘‘

علامہ شوکانی ’’نیل الاوطار‘‘ میں احادیث عائشہ ” **لم یکن علی شیٔ من النوافل** “ اور ” **رکعتی الفجر خیر من الدنیا** “ کے تحت لکھتے ہیں: ’’دونوں حدیثیں سنتِ فجر کی افضلیت اور ان پر پابندی کے مستحب ہونے اور اس میں کوتاہی کے مکروہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں، ان حدیثوں سے اس امر پر بھی استدلال کیا گیا ہے کہ سنت فجر کی دو رکعت وتر سے افضل ہے، امام شافعی کا ایک قول یہی ہے۔‘‘

شیخ عارف ربانی عبدالوہاب شعرانی کی ’’المیزان الکبری‘‘ میں ہے کہ ’’ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ نوافل راتبہ سنت ہیں، نوافل راتبہ کی تفصیل یہ ہے، دو رکعت نماز فجر سے پہلے، دو رکعت ظہر سے پہلے، دو رکعت ظہر کے بعد، دو رکعت مغرب کے بعد اور دو رکعت عشاء کے بعد، ایسے ہی ائمہ کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ فوت شدہ فرائض کی قضاء واجب ہے، ان مسئلوں پر اتفاق ہے، اس موضوع سے متعلق جن مسئلوں میں اختلاف ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک سنن رواتب میں سب سے موکد وتر ہے، اور امام احمد کے نزدیک سنتِ فجر سب سے موکد ہے، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک وتر واجب ہے۔

امام ابوعبداللہ محمد بن نصر مروزی نے اپنی کتاب ’’قیام اللیل‘‘ میں بسند عمر بن الخطاب سے روایت کیا ہے، حضرت عمر نے فرمایا: سورۃ ق میں ’’ادبار النجوم‘‘ سے مراد مغرب کے بعد کی دو رکعتیں ہیں اور سورہ طور میں ’’ادبار السجود‘‘ سے نماز فجر سے پہلے

کی دو رکعتیں ہیں اور حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت حسین بن علی اور حضرت ابو ہریرۃ سے روایت ہے کہ ''ادبار السجو د'' سے مراد مغرب کے بعد کی رکعتیں ہیں اور ''ادبار النجو م'' سے مراد نماز فجر سے پہلے کی دو رکعتیں ہیں اور حضرت ابو تمیم کی روایت ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ''نماز مغرب کے بعد کی دو رکعتیں ہی ''ادبار السجو د'' سے مراد ہیں اور نماز فجر کے پہلے کی دو رکعتیں ہی ''ادبار النجو م'' سے مراد ہیں۔

گذشتہ تقریر و تحریر سے واضح ہو گیا کہ سنت فجر کی دو رکعتوں کی شان اور اس کی تاکید میں بکثرت احادیث و آثار وارد ہیں، اور اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ سنن مؤکدہ میں فجر کی سب سے زیادہ تاکید ہے، اختلاف ہے تو اس کے وجوب و عدم وجوب میں ہے جو اہل علم وجوب کے قائل ہیں انھوں نے کہا کہ شارع نے اس کی بکثرت تاکید فرمائی ہے اور شارع نے جس عمل کی ایسی تاکید فرمائی ہو وہ واجب کے قریب تر ہے، پس اس کا درجہ مطلق نفل سے زیادہ اور فریضہ سے کم ہوگا اور سنت فجر کی شان ایسی ہی ہے، لہٰذا وہ گویا واجب ہے، اور جمہور اہل علم جو اسے واجب نہیں قرار دیتے ان کی نظر اس پہلو پر ہے کہ اگر یہ واجب ہوتی تو اسے تطوع اور سنت سے موسوم نہ کیا گیا ہوتا، جب کہ شارع علیہ السلام کے کلام کا حاصل یہی ہے کہ یہ تطوعات و نوافل اور مسنونات میں سے ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس پر مداومت فرمائی ہے، اسے کسی حال میں چھوڑتے نہیں تھے، اور اس کی جو تاکید و ترغیب فرمائی ہے اتنی اور ویسی تاکید و ترغیب دوسری سنتوں کی نہیں فرمائی ہے، ان وجوہ کی بنا پر سنت فجر کی فضیلت و تاکید جملہ سنن مؤکدہ پر مقدم ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کو چھوڑنا اور نہ پڑھنا بڑی بدنصیبی اور فضیلت و رفعت سے محرومی ہے۔

(الغرض راجح بلکہ صحیح یہی ہے کہ سنت فجر واجب نہیں بلکہ سنت مؤکدہ ہی ہے، لیکن یہ ایک نظری وفقہی بحث ہے اور عمل وسلوک کے اعتبار سے دیکھا جائے تو ان دونوں میں کوئی خاص فرق نہیں۔ کیونکہ بہردوصورت اس کی ادائیگی میں کوتاہی کرنا اور اسے قصداً چھوڑنا گناہ ہے۔ (مترجم)

فصل دوم

سنت فجر کا وقت، اسے ہلکی پڑھنا، اس میں قرأۃ اور قرأۃ جہری وسری کرنا

سنت فجر کا وقت:

سنت فجر کی ادائیگی کا وقت طلوع فجر صادق کے بعد اور نماز فجر سے پہلے ہے، (جیسا کہ فصل اول میں مذکور متعدد احادیث اور آئندہ فصلوں میں آنے والی بہت سی احادیث سے ظاہر ہے، ان احادیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی اکرم ﷺ دو رکعت سنت، طلوع فجر صادق اور اذان فجر کے بعد اور نماز فجر سے پہلے پڑھتے تھے)

صبح صادق اور صبح کاذب یا فجر صادق اور فجر کاذب کا بیان اور اس کی تفصیل

بکثرت احادیث میں جو صحیحین وسنن میں مروی ہیں وارد ہے☆ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مشرقی افق پر آخر شب میں جو ایک روشنی نمودار ہوتی ہے اور شمالاً وجنوباً عرض میں مستطیل ہوتی ہے اور کچھ ہی دیر باقی رہتی ہے پھر ختم ہوجاتی ہے اور تاریکی ہوجاتی ہے یہ صبح کاذب یا فجر کاذب ہے، یہ درحقیقت رات ہی کا آخری حصہ ہے، اس کے کچھ دیر بعد (کوئی گھنٹہ بعد) جو روشنی نمودار ہوتی ہے وہ صبح صادق ہے۔ یعنی صبح صادق یا فجر صادق وہ روشنی ہے جو مشرقی افق پر نیچے سے اوپر کی طرف لمبائی میں نمودار ہوتی ہے اور پھیلتی جاتی اور بڑھتی جاتی ہے۔ اذان نماز فجر، سنت فجر اور نماز فجر کا وقت اسی صبح صادق کے بعد ہوتا ہے، اس سے پہلے ان کی ادائیگی درست نہیں ہے۔

(☆) مولف رحمہ اللہ علیہ نے فجر کاذب وفجر صادق کے بیان وتفصیل سے متعلق یہاں دس حدیثیں ذکر فرمائی ہیں، جن سب کا معنی ومفہوم یکساں ہے، نیز میرے خیال میں یہاں فجر صادق وفجر کاذب کا تفصیلی بیان غیر ضروری سا ہے، اسی لئے میں نے خلاصہ ذکر کرنے پر اکتفاء کیا ہے۔

سنت فجر کو نماز فجر سے پہلے ہی پڑھنا مستحب ہے، موخر کرنا خلاف اولی ہے، (اگر کوئی پہلے نہ پڑھ سکا تو کب پڑھے، نماز فجر کے معاً بعد، یا طلوع آفتاب کے بعد، یہ مسئلہ آگے فصل نہم میں بسط وتفصیل کے ساتھ آرہا ہے۔)

تخفیف سنت فجر:

رسول اللہ ﷺ سنت فجر تخفیف کے ساتھ یعنی ہلکی پڑھتے تھے۔

(۱) عروہ بن الزبیر حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں، حضرت عائشہ بیان فرماتی ہیں:

كان رسول الله ﷺ يصلي بالليل ثلاث عشره ركعة ثم يصلي اذاسمع النداء بالصبح ركعتين خفيفتين. (رواه البخاري و مسلم و مالك و ابوداؤد)

رسول اللہ ﷺ شب میں تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے پھر نماز فجر کی اذان سنتے تو دو ہلکی رکعتیں پڑھتے تھے، (یعنی سنت فجر)

في رواية لابي داؤد: ويصلي بين اذان الفجر والاقامه ركعتين (۱)

ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ اذان فجر واقامت کے درمیان دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

(۲) عمرۃ بنت عبدالرحمٰن حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کرتی ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

كان رسول الله ﷺ يخفف الركعتين اللتين قبل صلوة الصبح، حتى اني لاقول هل قرأ بأم القرآن.

---

(۱) صحیح بخاری باب ما يقرأ في ركعتي الفجر (ج۱ص۱۵۶)، صحیح مسلم (ج۱ص۲۵۰) موطا: باب الوتر (ج۱ص ۱۲۱)، ابوداؤد: صلوة الليل ج۱ص۵۱۲، جامع ترمذی: باب ماجاء في الوتر بخمس (ج۱ص۳۳۱)

(رواہ البخاری و مسلم و مالک و ابوداؤد و النسائی) (۲)
رسول اللہ ﷺ نماز صبح سے پہلے کی دو رکعتیں ہلکی پڑھتے تھے حتی کہ میں کہتی کیا سورہ فاتحہ پڑھی ہے۔

یہ حدیث امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں جس کا پورا نام "**التقاسیم والانواع**" ہے اس عنوان کے تحت ذکر کیا ہے '**ذکرما یستحب للمرأ التخفیف فی رکعتی الفجر اذا رکعهما**"۔ امام طحاوی حضرت عائشہ کی اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ "اس حدیث میں در حقیقت اس بات کا اثبات ہے کہ نبی ﷺ سنتِ فجر میں سورہ فاتحہ پڑھتے تھے، سو یہ حدیث ان لوگوں کے خلاف حجت ہے جو سنتِ فجر میں قراءۃ فاتحہ کے منکر ہیں، بلکہ اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ کا معمول تھا کہ سنتِ فجر میں سورہ فاتحہ کے ساتھ ضم سورہ بھی کرتے تھے لیکن قراءت اتنی ہلکی اور مختصر کرتے تھے کہ حضرت عائشہ کہتی ہیں "میں کہتی یا سوچتی کہ آپ نے سورہ فاتحہ بھی پڑھی یا نہیں"، یعنی فاتحہ و سورہ پڑھتے تو تھے ہی کہ سنتِ فجر میں بھی یہی آپ کا معمول تھا لیکن نہایت ہلکی پڑھتے تھے۔ (مزید تفصیل آگے آ رہی ہے۔ مترجم)

(۳) عبداللہ بن عمر کا بیان ہے کہ مجھ سے میری ہمشیرہ حضرت حفصہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ:

ان النبی ﷺ کان یصلی سجدتین خفیفتین بعد ما یطلع الفجر،

---

(۲) صحیح بخاری باب **ما یقرأ فی رکعتی الفجر** (ج۱ص۱۵۶)، صحیح مسلم (ج۱ص۲۵۰)، موطا امام مالک باب ماجاء فی رکعتی الفجر (ج۱ص۱۲۷)، ابوداؤد: باب تخفیف الرکعتین قبل صلوۃ الفجر (ص۴۸۶)، نسائی: (ج۱ص۲۰۷) نیز ابن ابی شیبہ (ج۲ص۲۴۴) بیہقی: (ج۳ص۴۳)، طحاوی ج۱ص۲۰۴، مسند ابو یعلی (ج۱ص۱۶۰ق)، مسند احمد ج۴ص۴۹، ۱۰۰، ۱۶۴، ۱۷۲، ۲۱۷، ۲۳۵ وغیرہ، مصنف عبدالرزاق ج۳ ص۶۰۔

وکانت ساعة لا ادخل علی النبی ﷺ فیھا.(رواہ البخاری و مسلم) (۳)

وفی روایة للبخاری اذا اذن المؤذن و طلع الفجر صلی رکعتین

نبی ﷺ طلوعِ فجر کے بعد جب موذن اذان کہہ لیتا تو دو ہلکی رکعتیں (سنتِ فجر) پڑھتے تھے، اور یہ ایسا وقت تھا کہ میں اس میں نبی ﷺ کے پاس نہیں جاتی تھی۔

(۴) حضرت نافع عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ ان کو حضرت حفصہ نے خبر دی کہ:

ان رسول اللہ ﷺ کان اذا سکت المؤذن من الاذان لصلوة الصبح، وبدا الصبح رکع رکعتین خفیفتین قبل ان تقام الصلوة.

(رواہ مسلم و مالک فی الموطا، وابن ماجه) (۴)

جب صبح صادق طلوع ہوجاتی اور موذن اذان پکار کر خاموش ہوجاتا تب نبی اکرم ﷺ اقامت صلوۃ سے پہلے دو ہلکی رکعتیں (سنتِ فجر) پڑھتے تھے۔

(۵) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

کان رسول اللہ ﷺ یصلی رکعتی الفجر اذا سمع الاذان ویخففھما. (رواہ مسلم) (۵)

رسول اللہ ﷺ دو رکعت سنتِ فجر پڑھتے جب اذان سنتے اور ہلکی پڑھتے تھے۔

(۶) حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ایک طویل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رات میں دو دو رکعتیں کرکے بارہ رکعتیں پڑھیں پھر ایک رکعت وتر پڑھی، پھر

---

(۳) صحیح بخاری باب التطوع بعد الکمتوبة ج۱ص ، صحیح مسلم ج۱ص

(۴) صحیح مسلم (ج۱ص۲۵۰) موطا مالک باب ماجاء فی رکعتی الفجر (ج۱ص۱۲۷) ابن ماجہ باب ماجاء فی الرکعتین قبل الفجر (ص۸۱)

(۵) صحیح مسلم (ج۱ص۲۵۰) نیز مسند احمد میں متعدد مقامات پر۔

لیٹ گئے تا آنکہ موذن نے اذان کے بعد آپ ﷺ کو خبر دی تو

فقام فصلی رکعتین خفیفتین ثم خرج فصلی

(رواہ ابوداؤد والنسائی) (٦)

آپ نے اٹھ کر دو ہلکی رکعتیں (سنتِ فجر) پڑھی پھر مسجد میں تشریف لے گئے اور نماز صبح پڑھائی۔

(۷) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ:

كان رسول الله ﷺ يصلي الركعتين قبل الغداة كأن الاذان باذنيه.

رسول اللہ ﷺ نماز فجر سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے گویا کہ اقامت آپ کے کان میں ہے، (یعنی ہلکی پڑھتے تھے)، (مسلم، ابن ماجہ)

وفي رواية عن انس بن سيرين قال سألت ابن عمر فقلت اطيل في ركعتي الفجر، فقال كان النبي ﷺ يصلي من الليل مثنى مثنى، ويوتر بركعة، وكان يصلي ركعتين والاذان في اذنه. (۷)

(اخرجه البخاري ومسلم والترمذي وابن ماجه، وقال الترمذي: وفي الباب عن عائشه، وجابر والفضل بن عباس وابي ايوب وابن عباس (☆)

---

(٦) ابوداؤد باب صلوۃ اللیل (ج ۱ ص ۵۱۹) نسائی: ذکر ما یستفتح به القیام (ج ۱ ص ۱۹۴) نیز بخاری و مسلم (ص ۲٦۰، ومسند احمد ج ۱ ص ۲۴۲)

(۷) صحیح بخاری باب ساعات الوتر (ج ۱ ص ۱۳۵) صحیح مسلم (ج ۱ ص ۲۵۷)، ترمذی باب ماجاء فی الوتر (ج ۱ ص ۳۴۰) ابن ماجہ باب ماجاء فی الرکعتین قبل الفجر (ص ۸۱)، ابن خزیمہ (ج ۲ ص ۱٦۲)

(☆) حدیث عائشہ صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۵۵ باب المداومۃ علی رکعتی الفجر، صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۵۴، حدیث فضل بن عباس وحدیث جابر وحدیث ابن عباس: قیام اللیل للمروزی ص ۲۰۳

حدیث ابوایوب انصاری: ابوداؤد ونسائی۔

ترمذی کی روایت میں ہے کہ انس بن سیرین کہتے ہیں میں نے عبداللہ بن عمر سے پوچھا میں سنت لمبی پڑھوں؟ تو انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نماز شب دو، دو رکعت پڑھتے تھے اور وتر ایک پڑھتے تھے، اور سنت فجر (اتنی ہلکی) پڑھتے کہ گویا اقامت آپ کے کان میں ہے۔

امام ترمذی نے کہا اس باب میں حضرت عائشہ، حضرت جابر، فضل بن عباس، ابوایوب انصاری اور ابن عباس سے بھی حدیث مروی ہے۔

امام قاضی عیاض اور امام نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اذان سے مراد اقامت ہے، اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سنت فجر دیگر نمازوں کی بہ نسبت نہایت ہلکی پڑھتے تھے۔

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ نبی اکرم ﷺ سنت فجر، فجر خوب اچھی طلوع اور روشن ہو جانے اور موذن کے اذان فجر کہہ لینے کے بعد پڑھتے اور تخفیف کے ساتھ ہلکی پڑھتے تھے، علامہ قرطبی ''المفہم'' میں فرماتے ہیں کہ تخفیف کی حکمت و مصلحت یہ تھی کہ نماز فجر کو اول وقت میں پڑھ سکیں تاخیر نہ ہو، بعض دوسرے محققین نے لکھا ہے کہ اس میں ایک حکمت یہ بھی تھی کہ آپ جس طرح نماز شب اور تہجد کا آغاز دو ہلکی رکعتوں سے کرتے تھے اسی طرح دن کی نمازوں کا آغاز بھی دو ہلکی رکعتوں سے ہو۔

بہر حال معلوم ہوا کہ سنت فجر کو تخفیف کے ساتھ ہلکی پڑھنا ہی سنت نبوی کے مطابق ہے اور یہی صریحاً حق و صواب ہے، امام نووی شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں: حدیث سے معلوم ہوا کہ سنت فجر کا وقت طلوعِ فجرِ صادق کے بعد ہے، نیز معلوم ہوا کہ سنتِ فجر کو نماز فجر سے پہلے اولِ طلوعِ فجر میں پڑھنا اور تخفیف کے ساتھ پڑھنا مستحب ہے، یہی امام مالک، امام شافعی اور جمہور اہل علم کا مذہب ہے''۔

امام کرمانی شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں: ''حدیث میں مبالغہ فی التخفیف

(سنت فجر کو نہایت تخفیف کے ساتھ پڑھنے) کی دلیل ہے، اور مراد یہ ہے کہ نمازِ شب اور تہجد طول طویل پڑھنے کی رسول اللہ ﷺ کی جو عادت مبارکہ تھی اس کی بنسبت آپ سنت فجر ہلکی پڑھتے تھے"۔

امام محمد بن حسن شیبانی موطا میں فرماتے ہیں کہ: ہم اسی کو لیتے ہیں ہمارا مذہب یہی ہے کہ سنت فجر کی دو رکعتیں ہلکی پڑھی جائیں۔

لیکن اہل علم کی ایک جماعت اور امام ابوحنیفہ و اکثر فقہاء حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ سنت فجر میں طویل قراءت کرنا اور اسے لمبی پڑھنا مستحب ہے، امام طحاوی "معانی الآثار" میں حسن بن زیاد سے روایت کرتے ہیں: "انھوں نے کہا میں نے امام ابوحنیفہ سے سنا ہے فرماتے تھے: میں سنت فجر میں بسا اوقات دو جزء (ایک روایت میں — جیسا کہ کرمانی نے شرح صحیح بخاری میں نقل کیا ہے دو حزب ہے) قرآن پڑھتا ہوں"۔ امام حسن فرماتے ہیں: "ہم بھی اسی کو لیتے ہیں، سنت فجر میں قراءت لمبی کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اس میں تطویل قراءت ہمارے نزدیک ایجاز و اختصار قراءت سے افضل ہے، کیونکہ وہ طول قنوت سے ہے، جسے رسول اللہ ﷺ نے نوافل میں دوسرے ارکان پر فضیلت دی ہے (۸) چنانچہ فرمایا ہے: افضل الصلوۃ طول القنوت" اور قنوت سے مراد قیام ہے، جس میں قراءت کیجاتی ہے) اس مسئلہ میں ابراہیم نخعی سے بھی ایسا ہی منقول ہے، حماد سے روایت ہے، ابراہیم نخعی نے کہا: طلوعِ

---

(۸) طحاوی کی سند یہ ہے حدثنی ابن ابی عمران قال حدثنی محمد بن شجاع عن الحسن بن زیاد...، یہ محمد بن شجاع ثلجی بغدادی ہے، حافظ ابن حجر نے 'تہذیب ج۹ ص۲۲۰) میں اس کے ترجمہ میں بیان کیا ہے، یہ راوی متروک ہے، بدعت کے ساتھ متہم ہے، ساجی نے کہا: کذاب تھا، اپنے مذہب کی تائید میں حدیث رسول کو رد کرنے کے لئے حیلے کیا کرتا تھا، ابن عدی نے کہا: حدیث وضع کرکے اصحاب الحدیث کی طرف کر دیتا تھا، ازدی نے کہا: اس سے روایت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ بدمذہب اور دین سے منحرف ہے، حسن بن زیاد کا بھی "لسان المیزان" (ج۲ ص۲۰۸/۲۰۹) میں کچھ ایسا ہی حال لکھا ہے۔

فجر واذان کے بعد کوئی نماز نہیں ہے سوائے سنتِ فجر کے، حماد کہتے ہیں میں نے عرض کیا کہ کیا میں سنت فجر میں لمبی قراءت کرسکتاں؟ تو آپ نے جواب دیا ہاں، اگر چاہو، امام نخعی نے بعض تابعین سے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے۔

سنن بیہقی میں تطویل قراءت کے بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی مروی ہے، لیکن وہ مرسل بھی ہے اور اس کی سند میں ایک راوی نامعلوم ہے، لہٰذا یہ حدیث ضعیف ہے (۹) لہٰذا یہ حدیث تطویل قراءت کے لئے دلیل، حجت نہیں بن سکتی، پھر یہ حدیث ضعیف ہونے کے ساتھ احادیث صحیحہ کے معارض و مخالف ہے، اس لئے بالکل قابل التفات نہیں۔

بعض علماء نے کہا کہ سنتِ فجر میں تطویل قراءت کی اجازت خاص کر صرف اس شخص کے لئے ہے تہجد پڑھنا جس کا معمول ہو لیکن کبھی کل یا جزءِ تہجد فوت ہو جائے نہ پڑھ سکے تو وہ تلافی مافات کے لئے سنتِ فجر میں طویل قراءت کرسکتا ہے، یہ ہر شخص کے لئے نہیں ہے، امام ابوحنیفہ سے بھی یہ منقول ہے، اور ابن ابی شیبہ نے بسند صحیح امام حسن بصری سے بھی یہ نقل کیا ہے، (۱۰) یہ توجیہ وجیہ ہے، اس میں احادیثِ صحیحہ کی

---

(۹) سنن بیہقی (ج ۳ ص ۴۴) نیز مصنف ابی شیبہ (ج ۲ ص ۲۴۴)، امام بیہقی نے اسے بطریق مسعر عن رجل من الانصار عن سعید بن جبیر روایت کیا ہے، رجل من الانصار" مجہول و نامعلوم ہے، البتہ ابن ابی شیبہ نے کہا ہے "اراہ عثمان" میرا گمان ہے کہ وہ رجل عثمان ہے، اگر یہ محقق ہو جائے کہ وہ نامعلوم راوی عثمان ہے تو یہ عثمان بن حکیم بن عباد الانصاری المدنی ثم الکوفی ہے، اور یہ ثقہ ہے مسلم کے رجال میں سے ہے، واللہ تعالیٰ اعلم، (لیکن یہ حدیث مرسل ہونے کی وجہ سے بہر حال ضعیف ہے، مترجم)

(۱۰) مصنف ابن ابی شیبہ (ج ۲ ص ۲۴۴)، نیز مصنف عبد الرزاق (ج ۳ ص ۵۱) عن طریق ابی المشرفی و لفظه: ان یطیل رکعتی الفجر یقرأ فیهما من حزبه اذا فاته" — ابوالمشرفی کا نام لیث ہے، امام یحییٰ القطان نے کہا: وہ لاباس بہ ہے، "الکنی للدولابی ج ۲ ص ۱۱۵)، اسی کے مثل مصنف ابن ابی شیبہ میں امام مجاہد سے بھی مروی ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے، اس میں ایک راوی نامعلوم ہے۔

مخالفت بھی نہیں ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے ''فتح الباری'' میں تحریر فرمایا ہے۔

امام شوکانی ''نیل الاوطار'' میں فرماتے ہیں: ''احادیث صحیحہ تخفیف سنتِ فجر کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہیں، حنفیہ اس کے برخلاف سنتِ فجر میں تطویل قراءۃ کو مستحب کہتے ہیں، لیکن یہ دلائل صریحہ کے خلاف ہے، انھوں نے ان احادیث عامہ سے استدلال کیا ہے جو تطویل صلوٰۃ کی ترغیب کے بارے میں وارد ہیں، مثلاً حدیث رسول: ''افضل الصلوٰۃ طول القنوت'' لیکن یہ عام کو خاص پر ترجیح دینے کا معاملہ ہے (جو اصول کے خلاف ہے، یعنی سنتِ فجر کا بطور خاص حکم تخفیف ہے، وہ ''افضل الصلوٰۃ طول القنوت'' کا مصداق نہیں ہے، اس کے عموم میں داخل نہیں ہے، اس سے اول ہی سے مستثنیٰ ہے)

بہر حال یہ ایک جماعت کی اپنی رائے ہے جو جمہور اہل علم کے خلاف ہے، اور سنت وحدیث ہی ہر ایک کے قول پر مقدم ہے اور اس سے جو کچھ ثابت ہے وہ سنتِ فجر میں تطویل نہ کرنا اسے لمبی نہ پڑھنا بلکہ ہلکی پڑھنا اور اسی کا مشروع و مسنون ہونا متعین ہے۔

جن لوگوں نے تطویل قراءۃ کی اجازت دی ہے، ان کے قول کی جیسا کہ نووی نے لکھا ہے، یہ تاویل کی جاسکتی ہے کہ ان کی مراد یہ ہے کہ سنتِ فجر میں اگرچہ مستحب تخفیف ہی ہے لیکن تطویل قراءت بھی حرام نہیں ہے۔

سنتِ فجر میں قراءۃ فاتحہ و ضم سورہ:

(سنت فجر کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنے کی ایک دلیل تو عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ، حضرت ابوموسی اشعری وغیرہ صحابہ کرام سے مروی ''لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب'' وغیرہ وہ احادیث صحیحہ ہیں جن سے ثابت ہے کہ

ہر نماز میں فرض ہو خواہ نفل ہو سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے، اس کے بغیر نماز نہیں ہوگی۔

نیز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث "انی لأقول هل قرأ فيهما بأم القرآن" تو اس کے ثبوت کے لئے گویا نص صریح ہے، جیسا کہ گذشتہ فصل میں اس کی تشریح و تصریح گذر چکی ہے اور مزید تفصیل آگے بھی آئے گی ان شاء اللہ۔

اسی طرح ضم سورہ سے متعلق آئندہ حدیثیں بھی سنتِ فجر میں سورہ فاتحہ پڑھنے کی صریح دلیلیں ہیں، کیونکہ کسی نماز میں سورہ فاتحہ کے بغیر کوئی سورہ پڑھنے کی کوئی نظیر نہیں ہے، پس ان احادیث سے جس طرح سنتِ فجر میں کسی سورہ کا پڑھنا ثابت ہے اسی طرح سورہ فاتحہ کا پڑھنا بھی ثابت ہے۔ (مترجم)

سنتِ فجر کی دونوں رکعتوں میں ضم سورہ کے بارے میں صحابہ کی ایک جماعت سے حدیثیں مروی ہیں، ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نماز میں سورہ فاتحہ کے بعد ان سورتوں کا پڑھنا مستحب ہے۔

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

ان رسول الله ﷺ قرأ فى ركعتى الفجر قل يا ايها الكافرون وقل هو الله احد (اخرجه مسلم والنسائى وابن ماجه، ابوداؤد) (۱)

رسول اللہ ﷺ نے سنتِ فجر کی رکعتوں میں **قل يا ايها الكافرون** اور **قل هو الله احد** پڑھا۔ (مسلم، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

(۲) وفى رواية لابى داؤد وعن ابى الغيث عن ابى هريرة انه سمع النبى ﷺ يقرأ فى ركعتى الفجر "قل آمنا بالله ومانزل

---

(۱) مسلم (ج ۱ ص ۲۵۱)، ابوداؤد: ج ۱ ص ۴۸۷، نسائی: باب القراءۃ فی رکعتی الفجر.. (ج ۱ ص ۱۱۶)، ابن ماجہ: ص ۸۱

علینا " (آل عمران : ۸۴) فی الرکعة الأولیٰ وفی الرکعة الأخری بهذه الآية" ربنا آمنا بما انزلت واتبعنا الرسول فاكتبنا مع الشاهدین" (آل عمران :۵۳) او "انا ارسلناک بالحق بشيرا ونذيرا ولاتسأل عن اصحاب الجحیم (البقره - ۱۱۹) شک الدراوردی (۲)

رسول اللہ ﷺ نے سنتِ فجر کی رکعتوں میں "قل آمنا باللہ وما انزل علینا" (☆) اور "ربنا آمنا بما انزلت واتبعنا الرسول فاکتبنا مع الشاھدین" (آل عمران ۵۳) پڑھتے تھے۔ یا "انا ارسلناک بالحق بشیرا ونذیرا ولا تسأل عن اصحاب الجحیم" (البقرہ:۱۱۹) پڑھتے تھے، (ابوداؤد) یہ شک حدیث کے ایک راوی کو ہو گیا ہے۔

(۳) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا:

ما احصی ما سمعت رسول الله ﷺ یقرأ فی رکعتین بعد المغرب وفی الرکعتین قبل صلوة الفجر بقل یا ایها الکافرون....، و، قل هو الله احد....، (اخرجه الترمذی والطحاوی، وقال الترمذی غریب) (۳)

(☆) قل آمنا بالله وما انزل علینا وما انزل علی ابراهیم و اسماعیل و اسحق و یعقوب والاسباط وماأوتی موسی و عیسی والنبیون من ربهم لا نفرق بین احد منهم ونحن له مسلمون (آل عمران: ۸۴)

(۲) ابوداؤد (ج ا ص ۴۸۷، نیز بیہقی: ج ۳ ص ۴۳، طحاوی: ج ۲۰۵۔

(۳) جامع ترمذی: باب ماجاء فی الرکعتین بعد المغرب والقراء ة فیهما (ج ا ص ۳۲۹)، طحاوی (ج ا ص ۲۰۹)، بیہقی (ج ۳ ص ۴۳)، امام ترمذی کا پورا کلام یہ ہے: غریب من حدیث ابن مسعود لانعرفه الا من حدیث عبد الملک بن معدان عن عاصم.
محدث مبارکپوری فرماتے ہیں: یہ حدیث ضعیف ہے، کیونکہ عبدالملک معدان ضعیف راوی ہے لیکن اس

میں شمار نہیں کر سکا کہ میں نے کتنی بار سنا ہے رسول اللہ ﷺ مغرب کی سنت اور فجر کی سنت میں قل یا ایھا الکافرون......، اور قل ھو اللہ احد......، پڑھتے تھے، (ترمذی، طحاوی)

(۴) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

رمقت النبی ﷺ شھرا فکان یقرأ فی الرکعتین قبل الفجر قل یا ایھا الکافرون......، وقل ھو اللہ احد......، (اخرجه الترمذی والنسائی، وابن ماجه وابن ابی شیبه فی المصنف وابن عدی فی الکامل والطحاوی، الا فی روایة النسائی عشر ین مرة، وفی روایة ابن عدی خمسة وعشرین صباحا. (۴)

میں نے نبی ﷺ کو مہینہ بھر دیکھا، آپ سنتِ فجر میں قل یا ایھا الکافرون، اور قل ھو اللہ احد پڑھتے تھے، (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ ابن ابی شیبہ، ابن عدی) نسائی کی روایت میں بجائے ایک ماہ کے ''بیس دن'' ہے، ابن ابی شیبہ کی روایت میں ''بیس روز سے زیادہ'' ہے اور ابن عدی کی روایت میں ''پچیس روز'' ہے،

(۵) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قال رسول اللہ ﷺ قل ھو اللہ احد تعدل ثلث القرآن وقل یا ایھا

حدیث کے متعدد شواہد ہیں جن سے اس کی تائید ہوتی ہے''۔ مصنف ابن ابی شیبہ (ج ۲ ص ۲۴۲) میں عبد اللہ بن مسعود سے یہ حدیث موقوفاً مروی ہے۔ جسے ابن مسعود سے ابراہیم نخعی نے روایت کیا ہے، لیکن ابراہیم نخعی کی عبداللہ بن مسعود سے لقاء و سماع ثابت نہیں ہے، اس لئے یہ سند منقطع اور ضعیف ہے۔

(۴) جامع ترمذی: باب تخفیف رکعتی الفجر والقراء ة فیھما (ج۱ ص ۳۳۰)، طحاوی: ج۱ ص ۲۰۵، اس میں الفاظ یہ ہیں: رمقت النبی ﷺ اربعا و عشرین اوخمسا وعشرین مرة، نیز ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۴۲)، ابن حبان والطیالسی (۱۸۹۳)، بیہقی (۴۳/۳) مسند احمد (ج ۲ ص ۹۵، ج ۳ ص ۴۳) ، یہ حدیث نسائی صغری (یعنی متداول) میں نہیں ہے، امام مجد الدین ابن تیمیہ نے بھی ''المنتقی'' میں کہا ہے: رواہ الخمسة الا النسائی.

الکافرون تعدل ربع القرآن، وکان یقرأ بهما فی رکعتی الفجر وقال: هاتان الرکعتان فیهما الرغائب، (رواه الطبرانی فی "الکبیر" (ابو یعلیٰ الموصلی) (٥)

رسول اللہ نے فرمایا: قل یا ایها الکافرون، ثلث قرآن اور قل هو الله احد، ربع قرآن کے برابر ہے، رسول اللہ ﷺ ان دونوں کو سنتِ فجر میں پڑھا کرتے تھے، (طبرانی، ابویعلی)

مجمع الزوائد للہیثمی میں ہے کہ ابویعلی کے رجال ورواۃ ثقہ ہیں، منذری نے: "الترغیب والترھیب" میں کہا ہے، ابویعلی نے اسے باسناد حسن روایت کیا ہے۔

(٦) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ:

ان رسول الله ﷺ کان یقرأ فی رکعتی الفجر فی الأولی منهما "قولوا آمنا بالله وما انزل إلینا. الآیة التی فی البقرة وفی الاخره منهما "آمنا بالله واشهد بأنا مسلمون" (اخرجه مسلم وابوداؤد والنسائی)

وفی روایة لمسلم عن ابن عباس کان رسول الله ﷺ یقرء فی رکعتی الفجر "قولوا آمنا بالله وما انزل إلینا (البقرة: ١٣٦) والتی فی آل عمران (٦٤) تعالوا إلی کلمة سواء بیننا وبینکم...، (٦)

رسول اللہ ﷺ سنت فجر کی پہلی رکعت میں سورہ بقرہ کی آیت (١٣٦) "قولوا آمنا بالله وما انزل إلینا" (☆) اور دوسری رکعت میں سورہ آل عمران کی آیت ۵۲ "آمنا بالله واشهد

---

(٥) یہ حدیث فصل اول (حدیث نمبر ١٨) میں بھی گذر چکی ہے۔

(☆) قولوا آمنا بالله وما انزل إلی ابراهیم و اسماعیل واسحق و یعقوب والاسباط وماأوتی موسی وعیسی و ما اوتی النبیون من ربهم لا نفرق بین احد منهم ونحن له=

بأنا مسلمون" پڑھتے تھے۔(☆☆) (مسلم، ابوداؤد، نسائی)

صحیح مسلم میں عبداللہ بن عباس کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سنت فجر کی پہلی رکعت میں (سورہ بقرہ کی آیت/۱۳۶) پڑھتے تھے اور دوسری رکعت میں (آل عمران کی آیت/۶۴) تعالوا إلی کلمة سواء بیننا وبینکم...، (☆☆☆) پڑھتے تھے۔

(۷) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

ان النبی ﷺ کان یقرأ فی رکعتی الفجر قل یا ایھا الکافرون وقل ھو اللہ احد

(اخرجه البزار کذا فی مجمع الزوائد للھیثمی وقال رجال اسناده ثقات، وراه الطحاوی فی "شرح معانی الآثار) (۷)

نبی ﷺ سنت فجر میں قل یا ایھا الکافرون وقل ھو اللہ احد پڑھتے تھے۔

(مسند بزار، طحاوی)

امام ہیثمی نے کہا کہ بزار کی سند کے رجال سب ثقہ ہیں۔

(۸) حضرت عائشہ صدیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

=مسلمون (بقرہ :۱۳۶)

(☆☆) فلما أحس عیسی منھم الکفر قال من انصاری إلی اللہ قال الحواریون نحن انصار اللہ آمنا باللہ واشھد بأنا مسلمون (آل عمران :۵۲)

(☆☆☆) قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا وبینکم ألا نعبد الا اللہ ولا نشرک به شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بأنا مسلمون (آل عمران : ۶۴)

(۶) صحیح مسلم (ج۱ص۲۵۱)، ابوداود (ج۱ص۴۸۷)، نسائی (ج۱ص۱۶۶)، طحاوی (ج۱ص۲۰۵)، بیہقی ج۳ص۴۲)

(۷) مجمع الزوائد (ج۲ص۲۱۸)، طحاوی (ج۱ص۲۰۵)۔

كان رسول الله ﷺ يصلي الركعتين قبل الفجر وكان يقول "نعم السورتان هما يقرأ بهما في ركعتي الفجر "قل هو الله احد وقل يا ايها الكافرون، (اخرجه ابن ماجه والدارمي وابن ابي شيبه) (۸)

رسول اللہ ﷺ نماز فجر سے پہلے دو رکعت سنت پڑھتے تھے، فرماتے تھے یہ دونوں سورتیں کس قدر عمدہ ہیں انھیں سنتِ فجر میں پڑھا جائے "**قل هو الله احد وقل يا ايها الكافرون**.....، (ابن ماجہ، دارمی، ابن ابی شیبہ)

حافظ ابن حجر نے کہا اس حدیث کی اسناد قوی ہے۔ (فتح الباری)

(۹) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

ان رجلا قام فركع ركعتي الفجر فقرأ في الاولى قل يا ايها الكافرون حتى انقضت السورة، فقال النبي ﷺ : هذا عبد آمن بربه، ثم قام فقرأ في الآخرة قل هو الله احد حتى انقضت السورة قال النبي ﷺ: هذا عبد عرف ربه. (۹)

ایک صحابیؓ سنت فجر کی پہلی رکعت میں **قل يا ايها الكافرون** پڑھی وہ جب پوری سورہ پڑھ چکے تو نبی ﷺ نے فرمایا: یہ بندہ اپنے رب پر ایمان رکھتا ہے۔ پھر ان صحابی نے دوسری رکعت میں **قل هو الله احد** پڑھی جب وہ پوری سورہ پڑھ چکے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اس بندہ نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ (طحاوی، ابن حبان)

---

(۸) ابن ماجہ (ص ۸۱)، دارمی (ج ۱ ص ۳۳۶)، ابن ابی شیبہ (ج ۲ ص ۲۴۲)، طحاوی (ج ۱ ص ۲۰۵، ابن خزیمہ (ج ۱ ص ۳۶۱)، وابن حبان کمافی الموارد (ص ۱۶۱)، احمد (ج ۶ ص ۲۲۵، ۲۳۸ بلفظ: اسر النبی ﷺ القراءة في ركعتي الفجر وقرأ فيهما ... الحديث یعنی نبی ﷺ سنت فجر کی دو رکعتوں میں قل یا ایها الكافرون اور قل هو الله احد پڑھتے تھے اور قراءت سرا (آہستہ) کرتے تھے۔

(۹) طحاوی (ج ۱ ص ۲۰۵)، ابن حبان کمافی الموارد (ص ۱۶۱)

حضرت جابر سے اس حدیث کے راوی حضرت طلحہ بن خراش تابعی نے کہا بنا بریں میں ان دونوں سورتوں کو سنت فجر میں پڑھنا مستحب سمجھتا ہوں۔

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ نبی ﷺ سنت فجر میں اکثر پہلی رکعت میں قل یا ایھا الکافرون (سورہ کافرون) اور دوسری رکعت میں قل ھو اللہ احد (سورہ اخلاص) پڑھتے تھے۔

اور کبھی پہلی رکعت میں سورہ بقرہ کی آیت (۱۳۶) قولوا آمنا باللہ وما انزل الی ابراھیم و اسماعیل و اسحق و یعقوب و الاسباط و ما اوتی موسی و عیسی و ما اوتی النبیون من ربھم لانفرق بین احد منھم و نحن لہ مسلمون پڑھتے تھے۔ اور دوسری رکعت میں آل عمران کی آیت (۵۳،۵۲) "آمنا باللہ واشھد بانا مسلمون ربنا آمنا بما انزلت و اتبعنا الرسول فاکتبنا مع الشاھدین" پڑھتے تھے،

اور کبھی پہلی رکعت میں سورہ بقرہ کی مذکورہ آیت قولوا آمنا باللہ و اما انزل الینا...... الخ، اور دوسری رکعت میں سورہ آل عمران کی آیت (۶۴) قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمہ، سواء بیننا و بینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون"۔ پڑھتے تھے۔

اور کبھی پہلی رکعت میں آل عمران کی آیت (۸۴) پڑھتے تھے یعنی "قل آمنا باللہ وما انزل علینا وما انزل علی ابراھیم و اسماعیل واسحق و یعقوب والاسباط وماوتی موسی و عیسی وما اوتی النبیون من ربھم لانفرق بین احد منھم ونحن لہ مسلمون" اور دوسری رکعت میں سورہ بقرہ کی آیت(۱۱۹) پڑھتے تھے یعنی "انا ارسلناک بالحق بشیرا و نذیرا ولا

تسئل عن اصحاب الجحیم"۔

امام ابوداؤد فرماتے ہیں راوی حدیث عبدالعزیز دراوردی کو شک ہوگیا ہے کہ دوسری رکعت میں بقرہ کی آیت (۱۱۹) پڑھتے تھے یا سورہ آل عمران کی آیت (۸۴) پڑھتے تھے یعنی "ربنا آمنا بما انزلت و اتبعنا الرسول فاکتبنا مع الشاھدین"۔ غرض یہ کہ ان دونوں آیتوں میں سے کوئی ایک پڑھتے تھے۔

جمہور کا مذہب: اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ سنت فجر کی دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد (کہ وہ تو ضروری ہے) ضم سورہ بھی مستحب ہے۔ امام کرمانی شرح بخاری میں فرماتے ہیں: "یہی جمہور اہل علم کا مذہب ہے۔" حافظ ابن حجر فتح الباری شرح بخاری میں کہتے ہیں کہ: "سنت فجر میں سورہ فاتحہ کے ساتھ سورہ کافرون اور سورہ اخلاص کا پڑھنا مستحب ہے یہ جمہور کا مذہب ہے۔ حافظ زین الدین عراقی شرح جامع الترمذی" میں فرماتے ہیں: صحابہ میں عبداللہ بن مسعود اور تابعین میں سعید بن جبیر محمد بن سیرین، عبدالرحمٰن بن یزید نخعی، سوید بن غفلہ، غنیم ابن قیس اور ائمہ میں امام شافعی سے بھی یہی منقول ہے۔ (نیل الاوطار)

امام الائمہ امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ سنت فجر کی دونوں رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھی جائے اس کے بعد کوئی سورہ یا آیت نہ پڑھی جائے۔ انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث مذکور " ھل قرا ء بام القرآن" سے استدلال کیا ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے۔

اسی طرح عبداللہ بن عمرو کے بارے میں امام طحاوی نے شرح معانی لآثار میں روایت کیا ہے کہ وہ سنت فجر میں صرف سورہ فاتحہ پڑھتے تھے اس سے زیادہ کوئی اور سورہ یا آیت نہ پڑھتے تھے۔

ھل قرا بام القرآن کا معنی ومفہوم: مگر یہ موقف صحیح نہیں ہے اور اس پر حدیث عائشہ

سے استدلال درست نہیں ہے، اس حدیث سے سورہ فاتحہ پر اکتفاء کرنا اور ضم سورہ نہ کرنا ثابت نہیں ہوتا۔ علامہ قاضی شوکانی رحمہ اللہ ”نیل الاوطار“ میں لکھتے ہیں: اس حدیث میں اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ کے سنت فجر میں غایت تخفیف کی بنا پر بلکہ غایت تخفیف کو بیان کرنے کے لئے اس شک کا اظہار کیا کہ آنحضرت ﷺ نے سورہ فاتحہ بھی پڑھی یا نہیں، اس سے ضم سورہ نہ کرنے پر تمسک نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ضم سورہ کرنے کی صراحت بکثرت احادیث صحیحہ میں وارد ہے، جیسا کہ بیان ہوا اور ابن ماجہ کی روایت میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ صراحت کی ہے نبی ﷺ فرماتے تھے: **قل یا ایھا الکافرون** اور **قل ھو اللہ احد** کتنی اچھی سورتیں ہیں، انھیں سنت فجر میں پڑھا جائے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول ”**ھل قرأ فیھما بأم القرآن**“ کا معنی یہ ہے کہ یعنی صرف سورہ فاتحہ پڑھی اسی پر اکتفا فرمایا، یا اس کے ساتھ کچھ اور بھی پڑھا ضم سورہ بھی کیا۔ ایسا انھوں نے آنحضرت ﷺ کے غایت تخفیف کی بنا پر کہا، آنحضرت ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ سورہ ترتیل کے ساتھ پڑھتے تھے جس کی وجہ سے وہ اپنے سے طویل تر سورہ سے بھی طویل ہوجاتی تھی لیکن سنت فجر میں تخفیف کے ساتھ پڑھتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقصود اسی شدت تخفیف کو بیان کرنا ہے یہ نہیں ہے کہ سورہ فاتحہ نہیں پڑھی یا اس کے ساتھ ضم سورہ نہیں کیا۔

شیخ ابوالحسن سندھی ”فتح الودود حاشیہ سنن ابوداؤد“ میں فرماتے ہیں: ”**ھل قرأ فیھما بأم القرآن**“ سے مقصود بس تخفیف میں مبالغہ کو بیان کرنا ہے، یہ اسلوب نہ قراءت فاتحہ میں شک پر دلالت کرتا ہے، نہ اس طرح کے کلام سے اظہار شک مقصود ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں علامہ قرطبی کا قول نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں: اس حدیث کا معنی یہ نہیں ہے کہ حضرت عائشہ ام المومنین کو نبی کریم ﷺ کے قراءۃ فاتحہ میں واقعی شک تھا بلکہ مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ سنت فجر کے علاوہ نوافل کو خصوصا نوافل شب کو لمبی پڑھتے تھے لیکن سنت فجر میں قراءۃ و دیگر افعال و ارکان میں نسبتاً زیادہ تخفیف سے کام لیتے تھے، حتی کہ دوسری نوافل کے قراءۃ کی نسبت سے اگر اسے دیکھا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ گویا قراءۃ فاتحہ کیا ہی نہیں پڑھی ہی نہیں' علامہ قسطلانی نے بھی ارشاد الساری شرح بخاری، میں ایسا ہی لکھا ہے۔

امام طحاوی ''شرح معانی الآثار'' میں فرماتے ہیں: سنت فجر میں قراءۃ فاتحہ وغیرہ کا ثبوت صحابہ و تابعین سے بھی ہے، ان آثار کے ذکر سے میرا مقصود ان لوگوں پر حجت قائم کرنا ہے جو سنت فجر میں قرأۃ فاتحہ وغیرہ کے قائل نہیں ہیں (مصنف رحمہ اللہ نے امام طحاوی کی سند کے ساتھ ان آثار کو ذکر فرمایا ہے۔ ہم نے از راہِ اختصار سند ذکر نہیں کی ہے۔ مترجم)

حضرت ابراھیم نخعی بیان فرماتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نماز مغرب کے بعد کی دو رکعتوں اور نماز فجر سے پہلے کی دو رکعتوں میں قل یا ایھا الکافرون اور قل ھو اللہ احد پڑھتے تھے۔

نیز حضرت نخعی بیان فرماتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب و تلامذہ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

علاء بن مسیب بیان فرماتے ہیں کہ حضرت ابو وائل نے سنت فجر میں سورہ فاتحہ اور کوئی آیت بھی پڑھی۔

ان نصوص اور احادیث صحیحہ کی موجودگی میں اس بات کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ کوئی صاحب علم اس کا بھی قائل ہو کہ سنت فجر میں قراءۃ ہے ہی نہیں، نہ سورہ فاتحہ

پڑھنا ہے نہ کوئی اور سورہ پڑھنا ہے۔ نہ اس کی گنجائش ہے کہ کوئی اس کا قائل ہو کہ سنت فجر میں صرف سورہ کافرون وسورہ اخلاص پڑھنا ہے سورہ فاتحہ نہیں پڑھنا ہے، مگر بعض اہل علم سے مثلاً اصم اور ابن علیہ سے اول الذکر قول اور بعض اہل علم سے ثانی الذکر قول منقول ہے۔

امام نووی ''شرح صحیح مسلم'' میں ان لوگوں کی تردید فرماتے ہیں: بعض اہل علم نے بڑی زیادتی کی ہے اور اس بات کے قائل ہیں جیسا کہ امام طحاوی اور قاضی عیاض نے نقل کیا ہے کہ سنت فجر میں سرے سے قراءۃ ہی نہیں ہے، لیکن یہ موقف بالکل ہی غلط ہے، کیونکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سنت فجر میں سورہ فاتحہ اور اس کے بعد **قل یا ایھا الکافرون** اور **قل ھو اللہ احد** اور ایک روایت کے مطابق: ''**قول آمنا باللہ**...... **الآیۃ** اور **قل یا اھل الکتاب**...... **الآیۃ** پڑھتے تھے۔ نیز احادیث صحیحہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ قراءۃ قرآن کے بغیر نماز نہیں اور سورہ فاتحہ کے بغیر کوئی نماز نہیں ہوگی......''۔

اسی بحث میں دوسرے مقام پر حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا ''**یصلی الفجر فیخفف الخ**'' کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یہ حدیث مبالغہ فی التخفیف کی دلیل ہے، اور مراد یہ ہے کہ نماز شب اور تہجد وغیرہ۔ نوافل طول طویل پڑھنے کی جو آپ کی عادت مبارکہ تھی اس کی بہ نسبت آپ سنت فجر ہلکی پڑھتے تھے۔ تخفیف کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ سرے سے قراءۃ ہی نہیں کرتے تھے، نہ سورہ فاتحہ پڑھتے تھے نہ ضم سورہ کرتے تھے صرف سورہ فاتحہ پڑھتے تھے یا صرف سورہ کافرون وسورہ اخلاص پڑھتے تھے، ہرگز یہ مطلب نہیں ہے۔

ثانی الذکر قول کے قائلین کا استدلال یہ ہے کہ متعدد احادیث صحیحہ میں سورہ اخلاص وسورہ کافرون پڑھنے کا ذکر تو ہے لیکن اس کے ساتھ سورہ فاتحہ پڑھنے کا ذکر نہیں ہے، جواب یہ کہ سورہ فاتحہ کا ذکر صحابہ کرام نے اس لئے نہیں کیا کہ اس کے

پڑھنے کا مسئلہ تو واضح ہے وہ تو سب کو معلوم ہے کہ سورہ فاتحہ پڑھنا ہی ہے، آنحضرت ﷺ ہر نماز میں پڑھتے ہی تھے اور فرماتے تھے کہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوگی، اس لئے صحابہ نے اسے ضروری بلکہ اس کی ضرورت نہیں سمجھی کہ قراءۃ فاتحہ کا بھی صراحت کے ساتھ ذکر کریں۔

الغرض اس مسئلہ میں چار مذاہب ہیں، پہلا مذہب یہ ہے کہ سنت فجر کی دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ مذکورہ سورتیں یا آیت بھی پڑھنا ہے، یہی جمہور اہل علم کا مذہب ہے، یہی حق صریح ہے، اور احادیث صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے، اس کے علاوہ مندرجہ ذیل مذاہب باطل ہیں، دوسرا مذہب یہ ہے کہ صرف سورہ فاتحہ پڑھی جائے ضم سورہ نہ کیا جائے، تیسرا مذہب یہ ہے کہ سرے سے قراءۃ ہی نہیں ہے، اور چوتھا مذہب یہ ہے کہ سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے صرف مذکورہ سورتیں یا آیات پڑھنے پر اکتفا کیا جائے، یہ تینوں قول بے دلیل اور باطل ہیں۔

سنت فجر میں قراءۃ جہری یا سری: سنت فجر میں قراءۃ جہری ہے یا سری؟ متعدد احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ سنت فجر میں قراءۃ جہری کرتے تھے، جیسے ترمذی وغیرہ میں مروی حدیث ابن عمر رمقت النبی ﷺ ......(☆) الخ، میں نے کوئی مہینہ بھر دیکھا کہ نبی کریم ﷺ سنت فجر میں قل یا ایھا الکافرون اور قل ھو اللہ احد پڑھتے تھے، یا ترمذی وطحاوی وغیرہ میں مروی حدیث ابن مسعود ما احصی ما سمعت من رسول اللہ ﷺ ...... الخ، میں شمار کر کے بتا نہیں سکتا کہ کتنی بار میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنت فجر میں قل یا ایھا الکافرون اور قل ھو اللہ احد پڑھتے سنا ہے، اسی طرح صحیح ابن حبان اور طحاوی میں مروی حدیث جابر بھی سنت فجر میں قراءۃ جہری ہونے کی دلیل ہے "ان رجلا قام فرکع رکعتی الفجر ...... الخ، یعنی ایک صحابی نے سنت فجر

(☆) یہ حدیثیں اسی فصل دوم میں گذر چکی ہیں۔

کی پہلی رکعت میں **قل یا ایها الکافرون** پڑھی وہ جب قراءۃ پوری کر چکے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ بندہ اپنے رب پر ایمان رکھتا ہے، اس نے دوسری رکعت میں **قل هو الله احد** پڑھی جب سورہ پوری پڑھ چکے تو نبی ﷺ نے فرمایا: اس بندہ نے اپنے رب کو پہچان لیا"، ان صحابی نے آنحضرت ﷺ کے سامنے قراءۃ جہری کی اور آپ نے اس پر انکار نہیں کیا، یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ صحابی کا جہری قراءۃ کرنا تعلیم کے لئے تھا۔

(لیکن امام مالک، امام شافعی اور اکثر ائمہ کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ سنت فجر میں قراءۃ سری کی جائے، جیسا بخاری و مسلم وغیرہ میں مروی حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا: **انی لا قول هل قرأ فيها بام القرآن**، سے معلوم ہوتا ہے۔

اسی طرح مسند احمد، دارمی، وغیرہ میں مروی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں صراحت ہے کہ نبی ﷺ سنت فجر میں قراءۃ سری کرتے تھے، **كان يسر القرأة فيهما** (احمد) **كان يخفي ما كان يقرأ فيهما** (دارمی) نیز دیگر احادیث،

جمہور نے قائلین بالجہر کے استدلال کا یہ جواب دیا ہے کہ سنت فجر میں آپ کا قراءۃ جہری کرنا تعلیم کے لئے تھا، جیسے نماز ظہر کے بارے میں حضرت قتادہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کبھی کبھی ہمیں ایک دو آیت سنا دیتے تھے، کہ ہم جان لیں کہ ظہر میں بھی قراۃ قرآن ہے، اسی طرح سنت فجر میں آپ ﷺ نے کبھی جہری قراءۃ کیا لوگوں کو محض یہ بتانے اور تعلیم دینے کے لئے کہ اس میں بھی قراءۃ ہے۔

لیکن یہ جواب محل نظر ہے، صحابہ نے نبی کریم ﷺ سے اپنے سماع کے مطابق قراۃ نبوی کی حکایت و روایت فرمائی ہے، کسی صحابی نے کہا میں نے مہینہ بھر دیکھا، کسی نے کہا میں شمار نہیں کر سکتا کہ میں نے کتنی بار سنا، کسی، کسی نے کہا نبی ﷺ نے فلاں فلاں سورہ پڑھی، صحابہ کا یہ انداز بیان اسی وقت ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قراءۃ جہری فرمائی ہو، کیونکہ اگر بطور تعلیم کے کبھی کبھی آپ ﷺ نے جہر کیا ہوتا جیسا کہ نماز

ظہر میں تھا تو سنت فجر میں آپ ﷺ کے اس کثرت سے جہر کرنے کو صحابہ نہ بیان کرتے کہ مہینہ دن دیکھا کہ آپ ﷺ نے سنت فجر میں فلاں فلاں سورہ پڑھی، اس لئے اسے نماز ظہر میں جہر کرنے پر قیاس کرنا ناقابل تسلیم ہے۔

حاصل یہ کہ رسول اللہ ﷺ سے سنت فجر میں جہری قراءۃ بھی ثابت ہے اور سری بھی (اسی لئے بہت سے اہل علم اس کے قائل ہیں کہ مصلی کو اختیار ہے چاہے جہری قرأۃ کرے چاہے سری کرے (☆) کسی کو ایک دوسرے پر ترجیح نہیں دونوں سنت کے مطابق ہے۔ یہی قول ان شاء اللہ حق سے قریب تر ہے کیونکہ اس طرح اس باب کی سب حدیثوں پر عمل ہو جائے گا۔ مترجم) لیکن ہمارے نزدیک از روئے دلیل جہری قراءۃ کرنے کا مسئلہ زیادہ قوی ہے۔ میں نے اپنے شیخ مسند الوقت علامہ مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا: قائلین جہر کے پاس قوی دلائل ہیں"۔ گویا آپ بھی جہری قراءۃ کی رائے رکھتے ہیں، میرا میلان خاطر بھی اسی طرف ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سنت فجر گھر میں افضل ہے یا مسجد میں: سنت فجر گھر میں پڑھنا افضل ہے کیونکہ وہ نفل نماز ہے اور نوافل کو مسجد کے بجائے گھر کے اندر پڑھنا افضل اور اکمل اور زیادہ ثواب کا باعث ہے۔ یہ نبی ﷺ کے فعل و عمل سے بھی ثابت ہے اور قول سے بھی، آپ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ سنت فجر گھر میں پڑھا کرتے تھے، جیسا کہ گذشتہ صفحات میں مذکور عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، حضرت عائشہ صدیقہ وغیرہ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایات سے ثابت ہے، بلکہ آنحضرت ﷺ سے سنت فجر مسجد میں پڑھنا ثابت ہی نہیں ہے۔

رہیں قولی احادیث جن میں سنن و نوافل کو گھر میں پڑھنے کی ہدایت و ترغیب

(☆) بدایۃ المجتہد (ج ۱ ص ۹۹ الباب الثانی فی رکعتی الفجر من کتاب الصلوۃ الثانی (مترجم)

ہے تو وہ بکثرت صحابہ کرام سے مروی ہیں۔ جیسے عمر بن الخطاب، ابن عمر، جابر بن عبد اللہ، زید بن ثابت، ابوموسی اشعری، عبداللہ بن سعد، انس بن مالک، ابوسعید خدری، زید بن خالد جہنی، صہیب بن نعمان، حبیب ابوضمرہ، ابوہریرہ، عائشہ صدیقہ، حسن بن علی، کعب بن عجرہ وغیرہ رضی اللہ عنہم۔

(۱) حدیث عمر: ابن ماجہ صحیح ابن خزیمہ، اور قیام اللیل للمروزی میں ہے، عاصم بن عمرو البجلی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اہل عراق کا ایک وفد آیا، حضرت عمر نے پوچھا تم کون ہو؟ انھوں نے بتایا اہل عراق سے ہیں، آپ نے کہا اجازت لے کر آئے ہو؟ انھوں نے کہا ہاں، عاصم بن عمرو کہتے ہیں وفد والوں نے حضرت عمر سے گھر میں نماز (سنن ونوافل) کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تھا آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

اما صلوۃ الرجل فی بیتہ فنور فنوروا بیوتکم (۱)

نماز نفل گھر میں پڑھنا نور ہے تو تم اپنے گھروں کو منور کرو،

(۲) حدیث عبداللہ بن عمر: بخاری، مسلم، ابوداود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

اجعلوا من صلاتکم فی بیوتکم و لاتتخذھا قبورا، وفی روایۃ المروزی "اجعلوا فی بیوتکم من صلوتکم ولا تجعلوھا علیکم قبورا". (۲)

---

(۱) ابن ماجہ: باب ماجاء فی التطوع فی البیت (ص۹۹)، بیہقی (ج۱ص۳۱۲)، ابن ابی شیبہ (ج۲ص۲۵۶)، قیام اللیل للمروزی باب اختیار رکوع الرکعتین بعد المغرب فی البیت، یہ حدیث تعدد طرق کی بنا پر حسن ہے،

(۲) بخاری: باب التطوع فی البیت (ج۱ص۱۵۸)، مسلم: (ج۱ص۲۶۵)، ابو داوٗد (ج۱ ص۵۴۲)، ترمذی:
باب ماجاء فی فضل صلوۃ التطوع فی البیت (ج۱ص۳۳۵)، نسائی: باب الحث علی=

اپنے گھروں میں بھی کچھ نمازیں (سنن ونوافل) پڑھا کرو، گھروں کو بالکل قبریں نہ بنالو (کہ جہاں نمازیں نہیں پڑھی جاتی ہیں)

فائدہ: امام زینی ''شرح المصابیح'' میں فرماتے ہیں کہ ''گھروں کو قبر نہ بنالو'' کا دو معنی ہے ایک تو یہ کہ جس طرح قبروں میں مردے نماز نہیں پڑھتے نہ پڑھ سکتے کہ وہ نہ مکلّف ہیں نہ پڑھنے پر قادر ہیں ان کے فعل وعمل کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے، اسی طرح ایسا نہ ہو کہ تم گھروں میں کوئی نماز نہ پڑھو گویا وہ قبر ہے، نہیں ضرور گھروں میں بھی پڑھو، تم زندہ ہو مکلّف ہو عمل کی قدرت رکھتے ہو۔

دوسرا معنی یہ ہے کہ تمہیں قبرستان میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے، اب گھروں میں بھی نماز نہ پڑھی جائے تو وہ بھی قبرستان کی طرح مقام ممنوع للصلوٰۃ ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے اس لئے گھروں میں بھی کچھ نمازیں سنن ونوافل پڑھا کرو، گھروں میں یہ نمازیں پڑھنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ اس گھر میں رحمت وبرکت کا نزول ہوگا جیسا کہ حدیث میں آگے آرہا ہے، اور بچوں کی نماز کے لئے ترغیب اور تعلیم وتربیت بھی ہوگی۔

(۳) حدیث جابر: صحیح مسلم اور قیام اللیل للمروزی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اذا قضی احدکم الصلوة فی مسجده فلیجعل لبیته نصیبا من صلوته، فان الله جاعل فی بیته من صلوته خیرا(۳)

=الصلوة فی البیت والفضل ذلک (ج ا ص ۱۹۰)، ابن ماجہ (ص ۹۹)، نیز مسند احمد (ج ۲ ص ۶، ۱۶)، ابن ابی شیبہ (ج ۲ ص ۲۵۵)، بیہقی (ج ۲ ص ۴۳۵، ۱۸۹)، موطا امام مالک عن عروہ مرسلا، قیام اللیل للمروزی (ص ۵۳)۔

(۳) مسلم (ج ا ص ۲۶۵)، قیام اللیل (ص ۵۳) نیز ابن ابی شیبہ (ج ۲ ص ۲۵۵)، ابو یعلی (ج ا ص ۲۱۵)، بیہقی (ج ۲ ص ۱۸۹)، احمد (ج ا ص ۳۱۶)

جب تم میں سے کوئی اپنی مسجد میں فرض نماز ادا کر چکے تو اپنی نماز کا کچھ حصہ یعنی (سنتیں) گھر کے لئے بنائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کی نماز سے جو وہ گھر میں پڑھے گا گھر کے لئے خیر بنادے گا۔

(۴) حدیث زید بن ثابت: بخاری، مسلم، نسائی، ابوداوٗد وترمذی وغیرہ میں حضرت زید بن ثابت کی (قیام رمضان وتراویح سے متعلق طویل) حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

فعليكم بالصلوة في بيوتكم فان خير صلوة المرأ في بيته الا المكتوبة. (۴)

نوافل گھروں میں پڑھا کرو، کیونکہ افضل نماز وہ ہے جو گھر میں پڑھی جائے مگر فرض نماز کہ اسے مسجد میں باجماعت پڑھنا افضل ہے۔

نسائی اور صحیح ابن خزیمہ میں ہے: "**صلوا ايها الناس في بيوتكم فان افضل الصلوٰة المرأ في بيته الا الصلوٰة المكتوبة**"، ترمذی میں ہے: **افضل صلوتكم في بيوتكم الا المكتوبة** ۔ دارمی میں بایں لفظ ہے: **عليكم بالصلوة في بيوتكم فان خير صلوة المرأ في بيته الا الجماعة**، ان سب روایتوں کا مفہوم وہی جو اوپر مذکور ہے۔

(۵) حدیث ابوموسیٰ اشعری: بخاری ومسلم میں روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

مثل البيت الذي يذكر الله فيه والبيت الذي لايذكر الله فيه مثل الحي

---

(۴) صحیح بخاری: باب صلاة الليل (ص۱۰۱، ۹۰۳)، مسلم (ص۲۶۶)، نسائی: باب الحث على الصلوة في البيت (ج۱ص۱۹۰)، ابوداوٗد: باب فضل التطوع في البيت (ج۱ص۵۴۲)، ترمذی: باب جاء فضل صلوة التطوع في الليل (ج۱ ص۳۳۴)، مسند احمد (ج۵ ص۱۸۲، ۱۸۴) طحاوی: باب القيام في شهر رمضان (ص۲۴۲)، دارمی: باب صلوة التطوع في أيّ موضع افضل (ج۱ص۳۱۷)، ابن ابی شیبہ (ج۱ص۲۵۵، ۲۵۶)، بیہقی (ج۲ص۴۹۴)

والمیت. (۵)

اس گھر کی مثال جس میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس گھر کی مثال جس میں اللہ کا ذکر نہیں کیا جاتا زندہ ومردہ کی طرح ہے

(یعنی پہلی قسم کے گھر کے لوگ زندہ ہیں اور دوسری قسم کے لوگ مردہ ہیں، ذکر سے نماز بدرجہ اولی مراد ہے، اس کے علاوہ تلاوت قرآن کریم، دعاء واذکار وغیرہ بھی اس کے عموم میں شامل ومراد ہیں)

(۶) **حدیث عبداللہ بن سعد:** امام احمد نے مسند میں امام ابن ماجہ نے سنن میں اور ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ عبداللہ بن سعد کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا افضل نماز کون ہے، میرے اپنے گھر میں یا مسجد میں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الا ترى الى بيتى ما اقربه من المسجد، فلأن اصلى فى بيتى احب الىّ من أن اصلى فى المسجد، الا أن تكون صلوة مكتوبة (كذا فى الترغيب للمنذرى) (٦)

کیا دیکھتے نہیں کہ میرا گھر مسجد سے کتنا قریب ہے (بالکل متصل ہے) اس کے باوجود میں گھر میں نماز پڑھوں مجھے زیادہ محبوب ہے اس سے کہ میں مسجد میں جا کر پڑھوں الا یہ کہ فرض نماز ہو۔

(۷) **حدیث انس بن مالک:** ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے حضرت انس بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

(۵) بخاری: باب فضل ذکر اللہ (ص ۹۴۸)، مسلم (ج ۱ ص ۲۵۶)

(۶) مسند احمد (ج ۱ ص ۳۴۲)، ابن ماجہ (ص ۹۹)، طحاوی: باب التطوع فی المساجد (ج ۱ ص ۲۳۴)

اکرموا بیوتکم ببعض صلوتکم (۷)

اپنے گھروں کو اپنی بعض نمازوں (نوافل و سنن) سے مشرف و مکرم بناؤ۔

(۸) حدیث ابو سعید خدری: اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے، امام زین الدین عراقی نے کہا اس کی اسناد صحیح ہے، اس کا مضمون حدیث جابر کے مثل ہے، (ملاحظہ ہو حدیث نمبر ۳) نیز اس حدیث کو امام ابن خزیمہ نے بھی روایت کیا ہے جیسا کہ الترغیب والترہیب للمنذری میں ہے۔

(۹) حدیث زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ: اس حدیث کو امام محمد بن نصر مروزی اور امام احمد، امام بزار اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے (۹) امام عراقی نے فرمایا اس کی اسناد صحیح ہے، اس کے الفاظ اور اس کا مفہوم و معنی وہی ہے جو حدیث ابن عمر کا ہے (ملاحظہ ہو حدیث نمبر ۲)

(۱۰) حدیث صہیب بن نعمان رضی اللہ عنہ: امام ابن الاثیر الجزری نے اپنی کتاب "**اسد الغابة فی معرفة الصحابه**" کے اندر صہیب بن نعمان رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ان سے یہ حدیث روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

فضل صلوة الرجل فی بیته علی صلوته حیث یراه الناس کفضل صلوة المکتوبة علی النافلة.

کسی کی اپنے گھر میں نماز نفل کی فضیلت اس نماز نفل پر جہاں لوگ اسے دیکھ رہے ہوں ایسی ہے جیسے فرض نماز کی فضیلت نفل نماز پر۔

---

(۷)

(۸) ابن ماجہ (ص ۹۹)، مسند احمد (ج ۳ ص ۱۵، ۹۵)، قیام اللیل للمروزی (ص ۵۳)، مصنف عبدالرزاق (ج ۳ ص ۷۰)، ابن ابی شیبہ (ج ۲ ص ۲۵۵)

(۹) مسند احمد (ج ۴ ص ۱۱۴، ۱۱۶ و ج ۵ ص ۱۹۲)، قیام اللیل للمروزی (ص ۵۳)

اس حدیث کی اسناد میں ایک راوی محمد بن مصعب ہیں، امام ابو حاتم نے کہا: وہ قوی نہیں ہیں، امام نسائی نے کہا: وہ ضعیف ہیں، امام خطیب بغدادی نے کہا: وہ کثیر الغلط ہیں، اپنے حفظ سے بیان کرتے ہیں، ورنہ وہ بجائے خود صاحب خیر وصلاح ہیں، امام ابن عدی نے کہا: میرے نزدیک اس کی روایات لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، (میزان الاعتدال فی نقد الرجال) حدیث ابی ضمرہ: یہ حدیث بھی امام ابن الاثیر الجزری نے "اسد الغابة" کے اندر ابو ضمرہ رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں روایت کیا ہے انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تفضل صلوة الجماعة علی صلاة الرجل وحده خمسا و عشرين درجة، وتفضل صلوة التطوع في البيت، كفضل صلوة الجماعة على صلوة الرجل وحده (۱۱)

باجماعت نماز تنہا پڑھی گئی فرض نماز پر پچیس درجہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے اور نفل نماز جو گھر میں پڑھی گئی ہو وہ مسجد میں پڑھی گئی نفل پر ایسے فضیلت رکھتی ہے جیسے باجماعت فرض نماز تنہا پڑھی گئی فرض نماز پر فضیلت رکھتی ہے یعنی پچیس گنا،

حافظ زین الدین عراقی "تخریج احادیث احیاء العلوم" میں فرماتے ہیں کہ "اس حدیث کو امام ابن ابی ایاس نے "کتاب الثواب" میں ضمرہ بن حبیب سے مرسلا روایت کیا ہے، اور ابن ابی شیبہ نے "مصنف" (ج۲ص ۲۶۵) میں ضمرہ بن حبیب عن رجل من اصحاب رسول اللہ ﷺ مرفوعا روایت کیا ہے"۔

(۱۲) امام بیہقی نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ (عن رجل من اصحاب رسول

---

(۱۱) اسد الغابة (ج۱ص۳۷۱، اسے امام ابن السکن نے بھی روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ مجھے حبیب ابو ضمرہ کا ذکر اس ایک روایت کے علاوہ نہ ملا، حافظ ابن حجر نے فرمایا: ابو علی جبائی اور ابن فتحون نے ابن السکن پر استدراک کیا ہے، (الاصابة ج۱ص۳۲۴)

ﷺ) سے یہ حدیث روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

فضل صلوة الرجل فی بیته علی صلاته حیث یراه الناس کفضل الفریضة علی التطوع

کسی کی اپنے گھر میں پڑھی گئی نفل نماز کی فضیلت اس نفل نماز پر جہاں لوگ اسے دیکھ رہے ہوں ایسی ہے جیسے فرض نماز کی فضیلت نفل نماز پر،

امام منذری کی ''الترغیب والترھیب'' میں ہے کہ اس کی اسناد جید ہے،

(۱۳) حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ: امام مسلم، امام نسائی اور امام مروزی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا تجعلوا بیوتکم مقابر، ان الشیطان ینفر من البیت الذی تقرأ فیه سورة البقرہ. (۱۳)

اپنے گھروں کو قبرستان مت بناؤ، بیشک شیطان اس گھر سے دور رہتا ہے جس میں سورہ بقرہ پڑھی جاتی ہو۔

(۱۴) حدیث عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا: امام احمد نے مسند میں روایت کیا ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

صلوا فی بیوتکم ولا تجعلوها علیکم قبورا. (۱۴)

اپنے گھروں میں نمازیں (نفل وسنن) پڑھا کرو، گھروں کو اپنے لئے قبروں جیسا نہ بنالو کہ جیسے قبروں یا قبرستانوں میں نمازیں نہیں پڑھی جاتی گھروں میں بھی تم نماز نہ پڑھو۔

---

(۱۳) صحیح مسلم (ج۱ص۲۵۶)، قیام اللیل للمروزی (ص۵۳، ۱۱۶)، ابن ابی شیبہ (ج۲ص ۲۵۶)، ابن حبان کما فی الموارد (ص۱۶۶)

(۱۴) مسند احمد (ج۶ص۶۵)

(۱۵) حدیث حسن بن علی رضی اللہ عنہما: یہ حدیث امام ابو یعلی موصلی نے اپنی مسند میں روایت کی ہے، اس کا مضمون حضرت خالد جہنی رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مثل ہے، ابو یعلی کی سند میں ایک راوی عبد اللہ بن نافع ہے اور وہ ضعیف ہے، (نیل الاوطار) (۱۵)

(۱۶) حدیث کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ: اسے ابو داؤد و نسائی نے (بطریق سعد بن اسحاق بن کعب بن عجرہ عن ابیہ عن جدہ) روایت کیا ہے، حضرت کعب بن عجرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد بنی عبد الاشھل میں نماز مغرب پڑھی، آپ جب نماز پڑھ چکے تو لوگ مسجد میں سنت مغرب پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

عليكم بهذه الصلوة في البيوت (١٦)

یہ نماز تم گھر جا کر گھروں میں پڑھا کرو۔

مذکورہ احادیث میں جن نمازوں کو گھروں میں پڑھنے کی ہدایت و ترغیب دی گئی ہے اور انھیں گھر میں پڑھنے کو افضل قرار دیا گیا ہے، جمہور اہل علم کے نزدیک ان سے فقط سنن و نوافل مراد ہیں، باقی فرض نمازیں تو انھیں با جماعت مسجد میں پڑھنا افضل ہے اور اس کی سخت تاکید ہے، بلا عذر ترک جماعت موجب اثم ہے گناہ ہے،

---

(۱۵) **مجمع الزوائد للهيثمي** (ج۲ص۲۴۷)، اور فرمایا کہ عبد اللہ بن نافع ضعیف ہے۔

(۱۶) ابو داؤد: **باب ركعتي المغرب ابن تصليان** (ج۱ص۵۰۲)، نسائی: **باب الحث على الصلوة في البيت** (ج۱ص۱۹۰)، طحاوی (ج۱ص۲۳۴)، اس روایت کی سند کے ایک راوی اسحاق بن کعب ہیں حافظ ابن حجر نے فرمایا: وہ مجہول الحال ہیں (التقریب) امام ذہبی نے فرمایا: **تابعي مستور تفرد بحديث سنة المغرب و هو غريب جدا،** امام ترمذی نے فرمایا: **هذا حديث غريب لا نعرفه الا من هذا الوجه، والصحيح ماروى عن ابن عمر....**" مگر اس حدیث کو امام احمد نے مسند (ج۵ص۴۲۷، ۴۲۸) میں محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور اس کی اسناد حسن ہے، اس طرح یہ حدیث کعب بن عجرہ کی حدیث کے لئے قوی شاہد ہے۔

مذکورہ بالا متعدد احادیث میں صلوۃ مکتوبہ فرض نماز مراد نہ ہونے کی تصریح موجود ہے، اس لئے جن بعض لوگوں نے فرض نمازیں بھی مراد لیا ہے بالکل غلط ہے۔

سنن ونوافل کو گھر میں پڑھنے کی حکمت ومصلحت یہ ہے کہ اس میں ریاء و نمائش سے بھی اجتناب ہے، اور یہ گھر میں برکت ورحمت الٰہی اور ملائکہ کے نزول کا بھی سبب ہے اور شیطان بھی ایسے گھر سے دور رہتا ہے، اس میں داخل نہیں ہو پاتا، علماء و شارحین حدیث قاضی عیاض، امام نووی، حافظ عراقی، حافظ ابن حجر اور علامہ قسطلانی وغیرہ نے یہی بیان فرمایا ہے۔

علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ ''نیل الاوطار'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''یہ حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ سنن ونوافل کو گھر میں پڑھنا مستحب ہے، اور انھیں مسجد میں پڑھنے کی بہ نسبت گھر میں پڑھنا افضل ہے، خواہ وہ مساجد فاضلہ مسجد حرام مسجد نبوی اور مسجد بیت المقدس ہی کیوں نہ ہوں، زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ابوداؤد کی ایک روایت میں تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(۱۷) صلوۃ المرأ فی بیتہ افضل من صلاتہ من مسجدی الا المکتوبۃ

کسی کا فرض نمازوں کے علاوہ نمازیں (سنن ونوافل) اپنے گھر میں پڑھنا انھیں میری مسجد میں بھی پڑھنے سے افضل ہے۔

اور معلوم ہے مسجد نبوی میں نماز کا ثواب فرض ہو یا نفل مسجد حرام کے علاوہ دوسری مساجد کی بہ نسبت ایک ہزار گنا زیادہ ہوتا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ گھر میں پڑھی گئی سنت ونفل کی بہ نسبت ہزار گنا زیادہ ہے، یہی حکم مسجد حرام اور مسجد بیت المقدس کا بھی ہے۔

---

(۱۷) ابوداؤد: باب صلوۃ الرجل التطوع فی بیتہ (ج۱ ص۴۰۳)، شرح السنۃ للبغوی (ج۴ ص۱۳۰)، اخبار اصبہان (ج۲ ص۸)

امام غزالی نے "احیاء العلوم" میں لکھا ہے کہ "سنت فجر کو گھر میں پڑھنا اور ہلکی پڑھنا مستحب ہے، گھر میں پڑھ کر مسجد جائے"۔ ؛؛

؛؛ کیا موجودہ زمانے میں سنتیں مسجد میں پڑھنا اولیٰ ہے؟: (شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کے بارے میں "مرعاۃ شرح مشکوٰۃ" میں جو تحریر فرمایا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کا خلاصہ یہاں درج کر دیا جائے۔ مترجم)

شیخ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"امام ابن عبدالبر نے ذکر کیا ہے کہ جمہور علمائے سلف اس پر متفق ہیں کہ نمازِ نفل سنن رواتب ہوں یا دیگر نوافل کا مسجد میں پڑھنے کی بہ نسبت گھر میں پڑھنا افضل ہے، ساتھ ہی مسجد میں پڑھنا بھی بلا کراہت درست ہے، یہی علمائے حنفیہ و شافعیہ و حنبلیہ کا بھی مذہب ہے، البتہ علمائے مالکیہ نے سنن رواتب اور دیگر نوافل میں فرق کیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ سنن رواتب فرائض کی طرح مسجد میں افضل ہیں اور دیگر نوافل گھر میں افضل ہیں۔ نیز ایک فرق اور تفصیل یہ ہے کہ مکہ و مدینہ حج و عمرہ یا زیارت کے واسطے آنے والی آفاقی واردین کے لئے سنن رواتب بھی اور دیگر نوافل بھی مسجد حرام اور مسجد نبوی ہی میں پڑھنا افضل ہے البتہ مقیمینِ (مکہ و مدینہ) کے لئے سننِ رواتب مسجد حرام اور مسجد نبوی میں پڑھنا افضل ہے اور دیگر نوافل گھروں میں پڑھنا افضل ہے"۔

☆ "سنن رواتب کے مسجد میں بلا کراہت درست ہونے کی دلیل یہ ہے کہ خود نبی اکرم ﷺ سے آپ کے قول سے اور فعل سے اور تقریر سے بھی سنتیں مسجد میں پڑھنا ثابت ہے، چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم نماز جمعہ پڑھ لو تو اس کے بعد سنت چار رکعت پڑھو، اگر جلدی ہو تو دو رکعت مسجد میں اور دو رکعت گھر جا کر گھر میں پڑھ لو۔ صحیح مسلم ہی میں حضرت

انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم مدینہ میں تھے مسجد نبوی میں جب موذن اذان مغرب دے لیتا تو صحابہ مسجدوں میں ستونوں کی طرف جلدی سے پہونچتے اور اسے سترہ بنا کر مغرب سے پہلے دو رکعت سنت پڑھتے اور بکثرت صحابہ پڑھتے حتی کہ اگر کوئی اس وقت مسجد میں داخل ہوتا تو اسے گمان ہوتا کہ نماز مغرب ہوگئی کیا، گویا وہ سمجھتا کہ یہ لوگ مغرب کے بعد کی سنت پڑھ رہے ہیں، اور ابو داؤد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (کبھی کبھار) نماز مغرب کے بعد سنت اتنی لمبی پڑھتے کہ مصلیان مسجد سے چلے جاتے، یہ حدیث صریح تو نہیں لیکن ظاہر یہی ہے کہ یہ سنت مغرب آپ ﷺ نے مسجد میں پڑھی، اسی طرح نسائی نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ''میں نے نبی ﷺ کے ساتھ نماز مغرب پڑھی آپ ﷺ نماز مغرب کے بعد نماز عشاء تک نفل نماز میں مشغول رہے'' تو ظاہر یہی ہے کہ آپ نے سنت اور نفل مسجد ہی میں پڑھی، اس حدیث کی اسناد جیسا کہ امام منذری نے کہا ہے جید ہے، اس کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں جن سے آنحضرت ﷺ کا مسجد میں سنت پڑھنا معلوم ہوتا ہے''۔

''ملا علی قاری نے ابن الملک کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ہمارے اس زمانہ میں سنن رواتب کا اظہار یعنی اسے مسجد میں پڑھنا اولیٰ ہے کہ لوگ اسے دیکھیں اور جانیں، ملا علی قاری کہتے ہیں مطلب یہ کہ اس پر عمل اور اس کی مشروعیت کا لوگوں کو علم رہے ایسا نہ ہو کہ اس پر عمل نہ دیکھ پانے کی بنا پر عوام اسے غیر مشروع سمجھنے لگیں اور اسے بدعت قرار دے بیٹھیں، آگے ملا صاحب لکھتے ہیں لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ سنت کی متابعت ہی اولیٰ ہے، یعنی سنن رواتب کو گھر میں پڑھنا ہی اولیٰ ہے''۔

☆ شیخ الحدیث رحمہ اللہ اس پر یک گونہ تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''لیکن یہ بھی

معلوم ہے کہ ”دفع مضرت جلب منفعت پر مقدم ہے“، کے اصول پر بعض حالات میں اولیٰ وافضل پر عمل ترک کر دیا جاتا ہے جبکہ یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ اس افضل واولیٰ پر عمل نہ کرنے کی صورت میں جو مضرت ہے جو خرابی ہے موجودہ حالات میں اس سے کہیں زیادہ مضرت اور خرابی اس اولیٰ پر عمل کرنے کی صورت میں پیدا ہو رہی یا ہو سکتی ہے، (اسی قسم کی مصلحت کی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے خانہ کعبہ کو قریش کی قدیم تعمیر پر باقی و برقرار رکھا حالانکہ آپ کی دلی خواہش تھی کہ آپ اس کی جدید تعمیر فرمائیں، اور حطیم کو بھی اس میں شامل فرمادیں کہ وہ بھی کعبہ ہی کا حصہ ہے، اور بجائے ایک کے دو دروازہ بنائیں ایک داخل ہونے کے لئے دوسرا مقابل جہت میں نکلنے کے لئے، اور دروازہ قد آدم اونچا رکھنے کے بجائے نیچا رکھیں تاکہ دخول وخروج میں آسانی ہو، لیکن آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا، اس کے اولیٰ ہونے کے باوجود اسے ترک کر دیا کیونکہ اندیشہ یہ تھا کہ تعمیر جدید کے لئے خانہ کعبہ کے انہدام سے اہل مکہ جو نئے نئے مسلمان ہیں کہیں بد دل نہ ہو جائیں کہیں بدک نہ جائیں جو ایک بڑی خرابی اور شدید مضرت ہوتی اس لئے آپ ﷺ نے خانہ کعبہ کی مذکورہ پسندیدہ نقشہ کے مطابق تعمیر جو اولیٰ تھی چاہتے ہوئے بھی اس کا ارادہ ترک فرمادیا، یہ واقعہ اور یہ مسئلہ مشہور ہے) اس لئے میرے نزدیک مسلمانوں کے موجودہ مذہبی حالات، دینی امور خصوصاً تطوعات ونوافل میں سستی اور غفلت کے پیش نظر اولیٰ یہ ہے کہ سنن رواتب کو مسجد میں پڑھنے کا اہتمام کیا جائے، خواص علماء ومشائخ کے لئے بدرجہ اولیٰ یہی اولیٰ ہے، کیونکہ عوام ان ہی کے تابع ہوتے ہیں، انہی کو دیکھ کر عمل کرتے ہیں، عوام علماء ومشائخ کو مسجد میں سنن رواتب پڑھتے اگر نہیں دیکھیں گے تو وہ بھی نہیں پڑھیں گے، سنت پڑھے بغیر مسجد سے چلے جائیں گے کہ گھر میں پڑھیں گے، اور گھر میں بھی کیا پڑھیں گے سستی وغفلت کا جو حال ہے معلوم ہے، بالکل ترک کر بیٹھیں گے، یہ موہوم اندیشہ نہیں ہے، واقعہ ہے تراویح کے بارے

میں اس کا مشاہدہ وتجربہ ہے، تراویح اور صلوٰۃ اللیل آخر شب میں اور گھر میں اولیٰ و افضل ہے، بعض جاہل عوام نے جو یہ سن رکھا تھا اور پھر دیکھا کہ بعض علماء ومشائخ اسے اول شب میں مسجد میں جماعت کے ساتھ نہیں پڑھتے تو ان کی دیکھا دیکھی ان جہلاء نے بھی تراویح مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھنا ترک کردیا کہ گھر آخر شب میں پڑھیں گے، جو عوام تراویح عشاء کے بعد اول شب میں جماعت کے ساتھ نہ پڑھ سکے وہ گھر آخر شب میں تنہا کیا پڑھتے، نتیجہ یہ ہوا کہ نہ مسجد میں پڑھتے نہ گھر پڑھتے، بالکلیہ ترک کر بیٹھے"، الا ما شاء اللہ (مرعاۃ المصابیح شرح مشکوٰۃ المصابیح (ج ۲ ص ۱۴۳، ۱۴۴) باب السنن و فضائلها)

فصل سوم

سنت فجر پڑھنے کے بعد دائیں پہلو پر لیٹنا مستحب ہے

نماز فجر سے پہلے سنت فجر پڑھنے کے بعد دائیں پہلو پر لیٹنا مستحب ہے، خواہ شب میں تہجد پڑھی ہو یا نہ پڑھی ہو، یہ عام محدثین کا مسلک ہے، اور یہی حق ہے، یہ نبی ﷺ کے فعل سے بھی ثابت ہے اور قول سے بھی، آپ خود لیٹتے بھی تھے اور اس کی ہدایت بھی فرمائی ہے، اس باب میں چار صحابہ کرام حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عمرو سے احادیث مروی ہیں:

(١) حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا: بخاری، مسلم، نسائی، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، ترمذی اور دارمی نے بہ طریق زہری عن عروہ بن الزبیر حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتی ہیں:

كان النبي ﷺ يصلي من الليل احدى عشره ركعة (يسلم بين ركعتين و يوتر بواحدة) فاذا طلع الفجر (وسكت الموذن من صلوٰة الفجر) صلى ركعتين خفيفتين ثم اضطجع على شقه الأيمن حتى يجئ الموذن فيوذنه (للاقامة)۔ (١)

رسول اللہ ﷺ رات میں گیارہ رکعتیں پڑھتے، ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے، وتر ایک

---

(١) بخاری: باب الضجع على الشق الايمن (ص ١٥٥، ٩٣٣)، مسلم: باب صلوة الليل وعدد ركعات النبی ﷺ (ج ١ ص ٢٥٤)، نیز مسند احمد (ج ٦ ص ٥٨، ٤٢، ٨٣ وغیرہ)، بیہقی (ج ٣ ص ٤٤)، مسند دارمی: باب الاضطجاع بعد ركعتي الفجر (ج ١ ص ٣٣٧)، ابوداؤد: باب صلوة الليل (ج ١ ص ٥١١)، نسائی: باب الاضطجاع بعد ركعتي الفجر ... (ج ١ ص ٢٠٦)، ابن ماجہ: باب الضجعة بعد الوتر و ركعتي الفجر (ص ٨٥)

رکعت پڑھتے ، پھر طلوع فجر کے بعد جب موذن اذان دے لیتا تو آپ ﷺ دو ہلکی رکعتیں سنت فجر پڑھتے اور اس کے بعد آپ اپنے دائیں پہلو پر لیٹتے ، تا آنکہ موذن آکر اقامت کے لئے خبر دیتا ،

(۲) بخاری ومسلم وغیرہ میں مروی ایک دوسری حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كان النبي ﷺ اذا صلى ركعتي الفجر فان كنت مستيقظة حدثني و الا اضطجع (واللفظ لمسلم) (۲)

نبی ﷺ سنت فجر پڑھتے ، اگر میں جاگ رہی ہوتی تو مجھ سے گفتگو فرماتے اور اگر میں سو رہی ہوتی تو آپ لیٹ جاتے ،

اگر کوئی کہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پہلی حدیث میں امام مالک نے امام زہری سے یہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ”وتر کے بعد داہنے پہلو پر لیٹتے“ اور امام زہری سے دیگر اصحاب وتلامذہ نے یہ روایت کیا ہے کہ ”سنت فجر کے بعد لیٹے“ ، امام مالک امام مالک ہیں ، جلیل القدر ، صاحب حفظ و اتقان ، اور اصحاب زہری میں سب سے اثبت ، چنانچہ ابن معین سے علامہ ابن عبد البر نے نقل کیا ہے کہ ”امام زہری کے اصحاب کی روایت میں اختلاف ہو تو امام مالک کی روایت راجح ہوگی کیونکہ وہ اصحاب زہری میں سب سے اثبت اور ان کی حدیث کے لئے سب سے احفظ ہیں“ نیز یہ کہ جیسا کہ زرقانی نے ابن عبد البر سے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے لئے حضرت ابن عباس کی حدیث شاہد بھی ہے جس میں آنحضرت ﷺ کے وتر کے بعد سنت فجر سے پہلے لیٹنے کا ذکر ہے ، لہٰذا حضرت عائشہ کی حدیث مذکور میں ”سنت فجر کے بعد لیٹنے“ کی روایت مرجوح ہے ، اور وتر کے بعد لیٹنے کی مشروعیت

---

(۲) تخریج آگے آرہی ہے۔

واستحباب کا کوئی قائل نہیں ہے حالانکہ وہ ثابت ہے، تو اسی طرح سنت فجر کے بعد لیٹنا بھی مشروع و مستحب نہیں ہے، حضرت عائشہ کی ثانی الذکر حدیث میں ہے کہ اگر میں بیدار رہتی تو آپ ﷺ مجھ سے بات چیت کرتے اور اگر میں سو رہی ہوتی تو لیٹ جاتے، معلوم ہوا کہ کبھی آپ ﷺ سنت فجر سے پہلے، کبھی اس کے بعد میں لیٹتے تھے اور کبھی نہیں لیٹتے تھے یہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ سنت فجر کے بعد بھی لیٹنا کوئی بطور عبادت نہیں تھا بلکہ بطور عادت واستراحت تھا،

جواب یہ ہے کہ امام زہری کے اکثر اصحاب معمر، عمرو بن حارث، یونس، ابن ابی ذئب، شعیب، ابن ابی حمزہ، عبدالرحمٰن بن اسحاق اوزاعی اور عقیل نے امام زہری سے حدیث عائشہ میں ’’آنحضرت ﷺ کا سنت فجر کے بعد لیٹنا‘‘ روایت کیا ہے، اور امام مالک نے تنہا امام زہری سے ’’وتر کے بعد لیٹنا‘‘ روایت کیا ہے، پس امام مالک تنہا ایک طرف اور جمہور اصحاب زہری ایک طرف اور یہ سب بھی ثقات ہیں، پس ایسی صورت میں امام مالک کی روایت کو کیسے ترجیح دی جا سکتی ہے، چنانچہ امام محمد بن یحییٰ ذہلی صاحب الزہریات نے فرمایا ہے کہ جمہور اصحاب زہری کی روایت ہی صحیح ہے نہ کہ امام مالک کی روایت، اور ابوبکر بن الخطیب نے فرمایا: محدثین کا فیصلہ ہے کہ امام مالک کی روایت خطأ ہے جمہور کی روایت ہی صحیح ہے، یہ امام ابن القیم نے ’’زاد المعاد‘‘ میں ذکر فرمایا ہے- امام بیہقی نے فرمایا: **العدد اولیٰ بالحفظ من الواحد**‘‘ یعنی تنہا ایک کی روایت کے مقابلہ میں متعدد ثقات کی روایت اولیٰ بالحفظ زیادہ محفوظ قرار پائے گی، حافظ ابن حجر نے ’’فتح الباری‘‘ میں فرمایا: جمہور اصحاب زہری نے امام مالک کے خلاف روایت کیا ہے اور سنت فجر کے بعد لیٹنے کا ذکر کیا ہے، اور یہی محفوظ ہے، اس لئے امام مالک کی روایت کی بنا پر جن لوگوں نے حدیث عائشہ سے سنت فجر کے بعد لیٹنے کے مستحب نہ ہونے پر استدلال کیا ہے وہ درست نہیں ہے،

رہا امام یحییٰ بن معین کا قول تو اس کا معنی و مقصود یہ نہیں ہے کہ امام مالک تنہا

ایک طرف ہوں اور جمہور اصحاب زہری دوسری طرف تو بھی امام مالک کی روایت کو ترجیح ہوگی، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ امام مالک کی روایت میں اصحاب زہری کے درمیان اختلاف ہو، کچھ ایک طرف ہوں، کچھ دوسری طرف، تو امام مالک جس طرف ہوں گے اسے ترجیح ہوگی، یا اصحاب زہری میں سے کوئی ایک کسی طرح روایت کرے اور امام مالک اس کے برخلاف روایت کریں تو امام مالک کی روایت کو ترجیح ہوگی، کیونکہ وہ اصحاب زہری میں سب سے اثبت اور احفظ لحدیث الزہری ہیں، اور ظاہر ہے کہ زیر بحث روایت میں یہ صورت حال نہیں ہے، بلکہ جمہور اصحاب زہری ایک طرف ہیں اور دوسری طرف امام مالک تنہا ہیں اس لئے امام مالک کی روایت مرجوح ہے، یہ صورت امام ابن معین کے قول کے مصداق نہیں ہے، پھر جو جمہور اصحاب زہری نے ازعروہ روایت کیا ہے اس کے مثل ابوالاسود نے بھی عروہ بن زبیر سے روایت کیا ہے، جس سے جمہور اصحاب زہری کے روایت کی متابعت وتائید ہوتی ہے، لہٰذا زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ کہا جائے دونوں روایتیں محفوظ ہیں، ان میں سے ایک امام مالک نے روایت کیا ہے، دوسری دیگر اصحاب زہری نے روایت کیا ہے،

امام نووی ”شرح صحیح مسلم“ میں فرماتے ہیں: ”سنت فجر کے بعد لیٹنا سنت ہے، جیسا کہ اس کا حکم حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں وارد ہے، جسے امام ابوداؤد وامام ترمذی نے روایت کیا ہے جو شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے، وہ حدیث عائشہ جسے امام مالک نے زہری سے روایت کیا ہے جس میں وتر کے بعد لیٹنے کا ذکر ہے، اور ایسے ہی حدیث ابن عباس جو موطا، بخاری، ابوداود، ابن ماجہ (☆) میں ہے تو یہ اضطجاع بعد سنت الفجر کے معارض نہیں ہے، کیونکہ سنت فجر سے پہلے لیٹنے کے ذکر سے سنت فجر

(☆) موطا: صلاۃ النبی ﷺ فی الوتر (ج ا ص ۱۲۱)، بخاری: باب قراء ۃ القرآن بعد الحدیث (ج ا ص ۳۰)، ابوداؤد: باب صلوۃ اللیل (ج ا ص ۵۱۹)، مسلم (ج ا ص ۲۶۰)، ابن ماجہ باب کم یصلی باللیل (ص ۹۸)، بیہقی (ج ۳ ص ۷)، مسند احمد (ج ا ص ۲۴۲، ۲۴۵، ۲۸۳ وغیرہ)

کے بعد لیٹنے کی نفی لازم نہیں آتی، نیز یہ بھی ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بسا اوقات سنت فجر کے بعد اضطجاع کو ترک بھی کر دیتے تھے، بیان جواز کے لئے کہ یہ بھی جائز ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ سنت فجر کے پہلے بھی لیٹتے تھے اور سنت فجر کے بعد بھی، لیکن سنت فجر کے بعد لیٹنے کا رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا ہے اور فعل بھی اس کے موافق ہے اس لئے اس کا سنت ہونا متعین ہے، مختلف احادیث کے درمیان جب جمع وتطبیق ممکن ہو تو کسی ایک کو رد نہیں کرنا چاہئے، اور یہاں تطبیق دو طریقہ پر ممکن ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا''۔

حافظ ابن حجر ''فتح الباری'' میں فرماتے ہیں: ''حدیث ابن عباس اور (مذکور الصدر) حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں کوئی تعارض نہیں ہے، کیونکہ حدیث ابن عباس میں درحقیقت آنحضرت ﷺ کے تہجد اور سنت کے درمیان لیٹنے کا ذکر ہے (اس سے سنت فجر کے بعد لیٹنے کی نفی نہیں ہوتی)، نیز غایت الامر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ اس روز سنت فجر کے درمیان لیٹے نہیں، تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ یہ واجب نہیں ہے''۔

(۳) حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ: ابو داؤد، ترمذی، ابن حبان اور ابن حزم نے بطریق عبد الواحد حدثنا الاعمش عن ابی صالح عن ابی ھریرہ روایت کیا ہے، حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اذا صلی احدکم الرکعتین قبل الصبح فلیضطجع علی یمینہ۔ (۳)

جب تم میں سے کوئی سنت فجر پڑھ لے تو دائیں پہلو پر لیٹ جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ حدیثِ رسول اللہ ﷺ بیان فرمائی

---

(۳) ابوداؤد: باب الاضطجاع بعد رکعتی الفجر (ج۱ص۴۸۸)، ترمذی: باب الاضطجاع بعد رکعتی الفجر (ج۱ص۳۲۱) محلی ابن حزم (ج۳ص۱۹۶)، نیز ابن خزیمہ (ج۲ص۱۶۷)، ابن حبان کما فی الموارد (ص۱۶۶)۔

تو مروان بن الحکم نے کہا: گھر سنت فجر پڑھ کر پھر مسجد میں آنا کیا یہ (فصل کیلئے) کافی نہیں ہے کہ داہنے پہلو پر لیٹے بھی، حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا: نہیں، حضرت عبداللہ بن عمر کو یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں نے کہا: ''اکثر ابو ہریرہ علی نفسہ''، ابو ہریرہ نے اپنے اوپر بڑا بار ڈال لیا ہے، حضرت ابن عمر سے کہا گیا، حضرت ابو ہریرہ جو کچھ بیان کرتے ہیں کیا آپ کو ان میں سے کسی کا انکار ہے، تو ابن عمر نے کہا نہیں، بات یہ ہے کہ ابو ہریرہ نے ہمت سے کام لیا اور ہم نے سستی کی، پھر حضرت ابو ہریرہ کو اس کی خبر ہوئی تو کہا تو اس میں میرا کیا قصور ہے اگر میں نے یاد رکھا اور ان لوگوں نے بھلا دیا، (ابوداؤد)

یہ حدیث صحیح ہے: امام ترمذی نے فرمایا: حدیث ابو ہریرہ حسن صحیح غریب ہے، امام نووی نے شرح مسلم میں کہا: اس کی اسناد بخاری و مسلم کی شرط پر ہے، ''ریاض الصالحین'' میں فرمایا: اس کی سندیں صحیح ہیں، شیخ ابو یحییٰ زکریا انصاری نے ''فتح العلام'' میں کہا: اس کی اسناد بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق ہے، امام شوکانی نے ''نیل الاوطار'' میں فرمایا: اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں)(☆)

یہ حدیث سنت فجر کے بعد اضطجاع (لیٹنے) کی مشروعیت پر نص صریح ہے، یہ عام اور مطلق ہے اس میں نہ گھر کی قید ہے نہ مسجد کی، نہ تہجد گذار اور قیام اللیل کی تخصیص وتقیید ہے، یہ ہر ایک کے لئے عام ہے کہ سنت فجر کے بعد لیٹ لے، گھر میں ہو یا مسجد میں تہجد پڑھی ہو یا نہ پڑھی ہو، یا گھر سنت پڑھی ہو تو گھر میں، مسجد میں سنت پڑھی ہو تو مسجد میں)

اعتراضات اور ان کا رد: اگر کوئی کہے کہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی عبدالواحد بن زیاد ہیں اور وہ متکلم فیہ ہیں، اس لئے امر بالاضطجاع ثابت نہیں، تو جواب یہ ہے کہ

(☆) علامہ البانی نے فرمایا: اس کی اسناد صحیح ہے، اسے معلول قرار دینا درست نہیں ہے، میں نے ''التعلیقات الجیاد'' میں اسے تفصیل سے بیان کیا ہے (التعلیقات علی المشکوۃ ج ا ص ۳۷۸)

عبدالواحد بن زیاد عبدی یکے از مشاہیر ہیں، بخاری ومسلم نے ان سے صحیحین کے اندر اصول میں بطور حجت احادیث لی ہیں، انھوں نے بکثرت اصحاب الحدیث ابو اسحاق شیبانی، عاصم الاحول، سلیمان الاعمش، ابو مالک اشجعی، یزید بن ابی بردہ، ایوب بن عائذ، اسماعیل بن سمیع، حسن بن عبید اللہ، حبیب بن ابی عمرۃ، جریری، صالح بن بن صالح بن یحییٰ، طلحہ بن یحییٰ بن طلحہ، عبد اللہ بن عبد الاصم، ابو العمبس، عثمان بن حکیم الانصاری، عمارہ بن القعقاع، عمرو بن میمون بن مہران، علاء بن المسیب، کلیب بن وائل، محمد بن ابی اسماعیل، ابوفروہ مسلم بن سالم الجہنی، یزید بن کیسان، معمر وغیرہ وغیرہ سے احادیث روایت کی ہیں۔ اسی طرح ان سے اصحاب الحدیث کی ایک جماعت کثیرہ عبدالرحمٰن بن مہدی، عفان، عارم، محلی بن اسعد، یونس بن محمد، ابو ہمام، یحییٰ بن حسان، ابو ہشام مخزومی، موسیٰ بن اسماعیل، قیس بن حفص، حرمی بن حفص، ابو بکر بن الاسود، یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوری، حسن بن الربیع، ابو کامل فضیل بن حسین، قتیبہ بن سعید، ابن ابی الشوارب، اسحاق بن ابی اسرائیل، وغیرہ وغیرہ نے حدیثیں روایت کی ہیں، او رائمہ حدیث نے ان کی توثیق فرمائی ہے، معاویہ بن صالح نے کہا کہ میں نے ابن معین سے دریافت کیا کہ اصحاب اعمش میں اثبت کون ہے؟ انھوں نے فرمایا: شعبہ، سفیان، ابومعاویہ اور ان کے بعد عبدالواحد، امام دارمی کہتے ہیں میں نے یحییٰ ابن معین سے پوچھا عبدالواحد آپ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہیں یا ابوعوانہ تو فرمایا: ابوعوانہ عبدالواحد بھی ثقہ ہیں، امام ابن سعد نے کہا: عبدالواحد ثقہ تھے کثیر الحدیث تھے، امام ابوزرعہ رازی اور امام ابو حاتم رازی نے کہا: ثقہ ہیں، امام نسائی نے کہا: لا بأس به ہیں، امام عجلی نے کہا: ثقہ حسن الحدیث ہیں، امام دارقطنی نے کہا: ثقہ ہیں مامون ہیں، امام ابن حبان نے عبدالواحد کو ''ثقات'' میں ذکر کیا ہے، امام ابن عبدالبر نے فرمایا: اس پر اصحاب الحدیث کا اجماع ہے ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کہ عبدالواحد ثقہ

ہیں، ثبت ہیں، امام ابن القطان نے کہا: عبدالواحد ثقہ ہیں ان پر کوئی جرح نہیں جو قادح ہو، حافظ ابن حجر نے ’’تہذیب التہذیب‘‘ اور مقدمہ فتح الباری میں اور امام ذہبی نے ’’میزان الاعتدال‘‘ میں عبدالواحد کے ترجمہ میں جو ذکر کیا ہے یہ اس کا خلاصہ ہے،

☆ اگر کوئی کہے کہ امام ذہبی نے ’’میزان الاعتدال‘‘ میں اور حافظ ابن حجر نے ’’تہذیب التہذیب‘‘ اور ’’مقدمہ فتح الباری‘‘ میں عبدالواحد بن زیاد کے متعلق یحییٰ بن سعید القطان سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے تھے: ’’میں نے عبدالواحد کو بصرہ وکوفہ طلب حدیث کرتے کبھی نہیں دیکھا، میں جمعہ کے روز نماز جمعہ کے بعد ان کے دروازہ پر بیٹھتا کی ان سے حدیث اعمش کا مذاکرہ کروں تو وہ حدیث اعمش سے ایک حرف نہیں پہچانتے تھے‘‘۔ اسی طرح امام فلاس سے امام ابوداؤد طیالسی کا قول نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا: ’’عبدالواحد اعمش کی مرسل روایت کو دانستہ موصول کر دیتے تھے اور یوں روایت کرتے **ثنا الاعمش ثنا مجاهد كذا و كذا**، امام دارمی نے کہا کہ میں نے ابن معین سے عبدالواحد کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا کہ: لیس بشئ۔ علامہ شوکانی نے ’’نیل الاوطار‘‘ میں لکھا ہے کہ: مذکورہ سبب سے یحییٰ القطان اور ابوداؤد طیالسی نے عبدالواحد بن زیاد پر کلام کیا ہے، اور یہ حدیث عبدالواحد نے اعمش ہی سے روایت کیا ہے، نیز اعمش نے یہ حدیث بطریق ”عن“ روایت کیا ہے اور اعمش مدلس ہیں‘‘۔ اور مدلس کا عنعنہ معتبر نہیں ہوتا۔

جواب یہ ہے کہ یحییٰ القطان نے جو بیان کیا ہے وہ قادح نہیں ہے، کیونکہ عبدالواحد بن زیاد صاحب کتاب تھے (کتاب میں لکھ کر وہ احادیث کو محفوظ رکھتے تھے اور اسی سے احادیث روایت کرتے تھے، احادیث کی صیانت وحفاظت اور ضبط کی دو صورتوں ضبط صدر اور ضبط کتاب میں سے وہ ضبط کتاب کے حامل تھے، اس لئے اگر

یحییٰ القطان کے زبانی مذاکرہ کے وقت وہ حدیث اعمش کو نہ بیان کر سکے تو یہ کوئی علت قادحہ نہیں ہے کہ اس کی بنا پر راوی کو ضعیف قرار دیا جائے) اسی واسطے جیسا کہ اوپر بیان ہوا ائمہ ستہ (امام بخاری، امام مسلم، امام نسائی، امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ) نے اپنی کتابوں میں ان سے بطور حجت احادیث روایت کی ہیں، امام احمد، امام ابوزرعہ، امام ابو حاتم، امام ابوداؤد، امام ابن سعد، امام نسائی، امام ابن حبان، دارقطنی وغیرہ کبار محدثین وائمہ جرح وتعدیل نے عبدالواحد کی توثیق فرمائی ہے اور ان کو ثقہ کہا ہے۔

امام دارمی نے یحییٰ ابن معین کا جو قول نقل کیا ہے تو انہی امام دارمی نے ابن معین سے اس کے معارض قول بھی نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا عبدالواحد ثقہ ہیں اور جیسا کہ گذرا معاویہ بن صالح نے ابن معین سے ان کا یہ صریح قول نقل کیا ہے کہ عبدالواحد یکے از ثبت اصحاب اعمش تھے، حافظ عراقی نے فرمایا۔ جیسا کہ علامہ شوکانی نے ان سے نقل کیا ہے۔ ابن معین کا قول نقل کرنے میں ناقل کو اشتباہ ہوگیا ہے، عبدالواحد نام کے ایک اور راوی ہیں عبدالواحد بن زید اور دونوں بصری ہیں، ابن معین نے عبدالواحد بن زید کے بارے میں لیس بثقة کہا ہے"۔

☆ (رہا امام اعمش کا مدلس ہونا تو بیشک وہ مدلس ہیں، لیکن امام ذہبی نے "میزان الاعتدال" میں بیان کیا ہے کہ وہ جب معنعن روایت کریں تو اس میں تدلیس کا احتمال ہوتا ہے لیکن امام اعمش کے وہ شیوخ جن سے انھوں نے بکثرت روایت کیا ہے، جیسے ابراہیم، ابن وائل اور ابوصالح السمان تو ان شیوخ سے اعمش کی معنعن روایتیں بھی اتصال پر محمول ہیں، اور مذکورہ زیر بحث روایت انھوں نے ابوصالح السمان سے روایت کی ہے، اس لئے یہاں تدلیس کا احتمال نہیں ہے، یہ روایت متصل ہے، ملاحظہ ہو "تحفۃ الاحوذی" ج ۱ص ۳۲۲،

☆ اور امام فلاس نے جو کہا ہے وہ زیر گفتگو اسناد پر منطبق نہیں ہے، کیونکہ اعمش نے یہاں ابو صالح سے روایت کیا ہے نہ کہ مجاہد سے، اسی طرح امام احمد نے جو فرمایا ہے کہ ''بعض رواۃ نے اسے مرسلا روایت کیا ہے'' تو اس کا جواب یہ ہے کہ عبدالواحد نے اسے موصولا روایت کیا ہے، اور عبدالواحد بالاتفاق ثقہ ہیں، لہٰذا ان کا موصولا روایت کرنا مقبول ہے کیونکہ وصل ایک زیادتی ہے اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے، بعض رواۃ کا مرسل روایت کرنا اس کے لئے مضر نہیں ہے، بلکہ یک گونہ موید ہے، اور بعض لوگوں کا یہ دعویٰ کہ ''ابو صالح نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو سنا نہیں ہے اس لئے سند معلول ہے''، مردود ہے یہ ادعاء محض ہے اس کی تردید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ترمذی نے اس سند کو صحیح کہا ہے، امام ابو داؤد اور امام منذری نے بھی اس پر سکوت فرمایا ہے، امام نووی نے بھی اس کو صحیح کہا ہے، ملاحظہ ہو ''مرعاۃ شرح مشکوٰۃ'' ج ۲ ص ۱۷۱ مترجم)

امر بالاضطجاع ثابت ہے: اگر کوئی کہے کہ زیر بحث حدیث ابو ہریرہ میں رواۃ کا اختلاف ہے کہ اس میں اضطجاع کے متعلق امر نبوی ہے یا اس کے فعل نبوی ہونے کا ذکر ہے، ابو داؤد اور امام ترمذی وغیرہ نے امر نبوی روایت کیا ہے، اور ابن ماجہ میں فعل نبوی مروی ہے، امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں- جیسا کہ ابن القیم نے ''زاد المعاد'' میں ذکر کیا ہے-: ''حدیث ابو ہریرہ بذکر امر نبوی باطل ہے، صحیح نہیں ہے، بلکہ صحیح فعل نبوی ہے، امر بالاضطجاع کی روایت میں عبدالواحد بن زیاد متفرد ہے، اور اس سے غلطی ہوگئی ہے''، اسی طرح امام بیہقی نے فرمایا ہے کہ: ''اس حدیث میں اضطجاع کے متعلق فعل نبوی سے ہونے کا ذکر امر بالاضطجاع کی روایت سے اولیٰ ہے''،

جواب یہ ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا قول صحیح نہیں ہے یہ ان کی اجتہادی خطا ہے، حق یہ ہے کہ یہ حدیث سند کے اعتبار سے بھی صحیح ہے، عبدالواحد بالاتفاق ثقہ ہیں،

حفاظ وناقدین محدثین کی ایک جماعت نے ان کے ثقہ ہونے کی صراحت کی ہے، پس یہ اضطجاع (سنت فجر کے بعد لیٹنا) فعل نبوی سے بھی ثابت ہے اور امر نبوی سے بھی، دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، کسی روایت میں اس کے فعل نبوی ہونے کا ذکر اس کے بارے میں امر نبوی وارد ہونے کے معارض نہیں ہے، کہ اس کی بنا پر امر نبوی سے متعلق روایت کو باطل کہا جائے، درحقیقت کہنا یہ چاہئے کہ حضرت ابو ہریرہ سے اضطجاع کے متعلق دونوں طرح کی روایت ہے، انھوں نے فعل نبوی بھی روایت کیا ہے جیسا کہ ابن ماجہ میں ہے، اور امر نبوی بھی جسے انھوں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے، روایت کیا ہے، جیسا کہ ابوداؤد، ترمذی وغیرہ کی روایت میں ہے، بہرصورت اضطجاع کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے،

امام ابن القیم نے ''زاد المعاد'' میں امام احمد بن حنبل کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ ان سے حدیث ابو ہریرہ بروایت عبدالواحد کا تذکرہ کیا گیا تو انھوں نے فرمایا: حدیث ابو ہریرہ کچھ ایسی صحیح نہیں، مروزی کہتے ہیں، میں نے عرض کیا یہ اعمش نے ابو صالح سے انھوں نے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے، تو امام احمد نے کہا: عبدالواحد اسے روایت کرنے میں متفرد ہیں''، ابراہیم بن الحارث کا بیان ہے کہ امام احمد سے اضطجاع بعد سنت الفجر کا مسئلہ دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا: میں نہیں کرتا، لیکن اگر کوئی کرے تو اچھا ہے، ابن الیقم فرماتے ہیں اس سب سے معلوم ہوا کہ حدیث ابو ہریرہ بروایت عبدالواحد از اعمش از ابی صالح امام احمد کے نزدیک صحیح نہیں کیونکہ اگر صحیح ہوتی تو ان کے نزدیک اضطجاع (سنت فجر کے بعد داہنے پہلو پر لیٹنا) کم از کم مستحب ہوتا ''۔ (☆)

(☆) امام ابن قدامہ حنبلی اپنی کتاب "المغنی" (ج۱ ص۷۶۳، ۷۶۴) میں لکھتے ہیں: سنت فجر پڑھنے کے بعد دائیں پہلو پر لیٹنا مستحب ہے، صحابہ میں حضرت ابوموسی اشعری، رافع بن خدیج اور انس بن مالک =

عرض ہے کہ عبدالواحد بن زیاد کا بالاتفاق ثقہ ہونا ثابت ہے، پھر ان کی روایت کو قبول نہ کرنے اور اس پر عمل نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، تفصیل اوپر گذر چکی ہے،

(۳) حدیث عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ: امام احمد نے ''مسند'' میں امام طبرانی نے ''معجم کبیر'' میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ:

ان رسول الله ﷺ كان اذا صلى ركعتي الفجر اضطجع على شقه الأيمن. (۳) رسول اللہ ﷺ سنت فجر پڑھنے کے بعد داہنے پہلو پر لیٹتے تھے،

یہ حدیث امام ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' میں معجم کبیر طبرانی اور مسند احمد کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعد کہا کہ طبرانی کی سند میں ابن لہیعہ نہیں ہیں وہ امام احمد کی سند میں ہیں بقیہ رجال کی توثیق کی گئی ہے، البتہ ایک راوی حیی بن عبداللہ بن شریح المعافری مختلف فیہ ہیں ان کی توثیق بھی کی گئی ہے،

(۴) حدیث عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما: اس کا مضمون حدیث عبداللہ بن عمرو بن العاص کے مثل ہے، اسے امام بیہقی نے روایت کیا ہے، اس کی سند میں انقطاع ہے، (كذا في نيل الاوطار للشوكاني)(۴)

= کے متعلق روایات میں تصریح ہے وہ اس پر عمل کرتے تھے، اور عبداللہ بن مسعود اس پر نکیر کرتے تھے، عبداللہ بن عمر سے دونوں قسم کی روایت ہے اضطجاع کرنے کی بھی اور نہ کرنے کی بھی، امام احمد سے مروی ہے کہ اضطجاع سنت نہیں ہے کیونکہ ابن مسعود اس کا انکار کرتے تھے، ابن قدامہ فرماتے ہیں: ہمارے لئے دلیل حضرت عائشہ اور حضرت ابو ہریرہ کی حدیثیں ہیں.....، اور نبی ﷺ کی اتباع آپ کے قول میں بھی فعل میں بھی آپ کے بالمقابل کسی دوسرے کی اتباع سے اولیٰ ہے خواہ وہ کوئی ہو۔

(۳) مسند احمد (ج ۲ ص ۱۷۳) بضم اولہ و یائین الاولیٰ مفتوحہ۔ ابن عبداللہ بن شریح المعافری المصری صدوق یہم (تقریب التہذیب ص ۱۳۲)

(۴) السنن الکبریٰ (ج ۳ ص ۴۵) از طریق وراق از شعبہ از موسیٰ بن ابی عائشہ از شخصے از سعید بن جبیر عن ابن عباس، امام بیہقی نے کہا غیر شعبہ نے از موسیٰ از سعید اور وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں یہ سند منقطع یعنی مرسل ہے، اور پہلی سند میں ایک راوی مجہول ہے،

(امام ابن خزیمہ نے از طریق ابی نضرہ از ابن عباس جو حدیث روایت کی ہے جس میں حضرت ابن عباس نے اپنی خالہ حضرت میمونہ ام المومنین کے یہاں جانے اور نبی ﷺ کے ساتھ نماز تہجد میں شریک ہونے کا واقعہ بیان کیا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ

ثم صلی رکعتین ثم اضطجع حتی سمعت ضفیزہ ...الحدیث ، (۵)

پھر رسول اللہ ﷺ نے دو رکعتیں پڑھیں پھر لیٹ گئے حتی کہ میں نے آپ ﷺ کے نیند کی آواز سنی۔

آثار صحابہ: حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو موسی اشعری، حضرت انس بن مالک اور حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہم کے متعلق ثابت ہے کہ وہ نماز فجر کی سنت پڑھنے کے بعد داہنے پہلو لیٹتے تھے، امام ابو محمد علی بن احمد معرف بہ ابن حزم الظاہری اپنی معروف و مبسوط کتاب ''المحلی شرح المجلی'' میں اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ ثابت بنانی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب سنت فجر پڑھنے کے بعد داہنے پہلو پر لیٹتے تھے، اسی طرح محمد بن سیرین سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو رافع، انس بن مالک اور ابو موسیٰ اشعری سنت فجر پڑھنے کے بعد دائیں پہلو پر لیٹتے تھے، امام ابن القیم نے بھی ''زاد المعاد'' میں بیان کیا ہے کہ امام عبد الرزاق نے ''مصنف'' میں بطریق ایوب از ابن سیرین روایت کیا ہے کہ ابو موسی اشعری، رافع بن خدیج اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم سنت فجر کے بعد داہنے پہلو پر لیٹتے تھے اور لوگوں کو اس کا حکم بھی دیتے تھے، (۶) اور حافظ عراقی نے مذکورہ تین صحابہ کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا نام بھی ذکر کیا ہے۔

---

(۵) صحیح ابن خزیمہ (ج ۲ ص ۱۶۸) اس کی اسناد صحیح ہے،

(۶) مصنف عبد الرزاق (ج ۳ ص ۴۲) نیز مصنف ابن ابی شیبہ (ج ۲ ص ۲۴۷) اور اس کی سند کے رجال ثقہ ہیں،

حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت عبداللہ بن مسعود اور ایک روایت میں عبداللہ بن عمر سے اس کے خلاف مروی ہے، چنانچہ مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ

عن ابن جریج اخبرنی من اصدق ان عائشة رضی الله عنها کانت تقول ان النبی ﷺ لم یکن یضطجع لسنة ولکنه کان لیلته فیستریح (۷)

ابن جریج سے روایت ہے انھوں نے کہا مجھے خبر دی اس شخص نے جس کی میں تصدیق کرتا ہوں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی تھیں نبی ﷺ سنت و مشروعیت (یا بلفظ دیگر بطور عبادت) نہیں لیٹتے تھے بلکہ رات کی تکان سے استراحت کے طور پر لیٹتے تھے۔

امام طبرانی نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ اثر روایت کیا ہے۔

امام ابن ابی شیبہ نے مصنف میں زید العمی سے انھوں نے ابو صدیق ناجی سے روایت کیا ہے انھوں نے بیان کیا کہ عبداللہ بن عمر نے کچھ لوگوں کو سنت فجر کے بعد لیٹے دیکھا تو ان کے پاس آدمی بھیج کر ان کو اس سے منع کیا، ان لوگوں نے کہا ہم سنت پر عمل کے ارادہ سے یہ کر رہے ہیں، تو حضرت ابن عمر نے آدمی کو ان لوگوں کے پاس واپس بھیجا کہ ان سے کہدو یہ بدعت ہے، اور حضرت مجاہد سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں حضر و سفر میں عبداللہ بن عمر کی صحبت میں رہا ہوں میں نے نہیں دیکھا کہ وہ سنت فجر کے بعد لیٹتے ہوں، اور حضرت سعید بن المسیب سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا حضرت ابن عمر نے ایک شخص کو سنت فجر کے بعد لیٹتے دیکھا تو کہا اسے کنکری مارو، اور ابو المجلز سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمر سے سنت فجر کے بعد لیٹنے کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا "**یلعب بکم الشیطان**" شیطان تمہارے ساتھ کھلواڑ کر رہا ہے۔ (۸)

---

(۷) المصنف (ج ۲ ص ۴۳)

(۸) المصنف لابن ابی شیبہ (ج ۲ ص ۲۴۹)، بیہقی ج ۲ ص ۴۶)، اس حدیث کی سند میں زید العمی بن الحواری البصری ایک راوی ہے اور وہ ضعیف ہے (تقریب ص ۱۷۳) لیکن دوسری سند بھی ہے،

امام ابی شیبہ اور طبرانی نے روایت کیا ہے کہ ابراہیم نخعی نے بیان کیا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنت فجر کے بعد لیٹنے کا مسئلہ دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا: ''سنت فجر کے بعد کیوں کوئی چوپائے یا گدھے کی طرح لوٹتا ہے، سلام پھیر دیا تو یہ (سنت اور فرض کے درمیان) فصل کے لئے کافی ہے''۔ یہ سب آثار میں نے مجمع الزوائد للہیثمی، زادالمعاد لابن القیم اور فتح الباری لابن حجر اور نیل الاوطار للشوکانی سے نقل کیا ہے،

امام محمد نے موطا امام مالک سے انھوں نے نافع سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن عمر نے ایک شخص کو دیکھا کہ دو رکعت سنت فجر پڑھی پھر لیٹ گیا، تو کہا یہ کیا کیا؟ تو نافع نے کہا سنت اور فرض کے درمیان فصل کر رہا ہے، تو عبداللہ بن عمر نے فرمایا: سلام سے بہتر فصل کیا ہے؟ امام رزین نے ''تجرید الصحاح'' میں یہ نقل کیا ہے کہ اس شخص نے کہا سنت ہے، تو ابن عمر نے کہا بلکہ بدعت ہے، امام محمد کہتے ہیں ہم ابن عمر کے قول کو لیتے ہیں، یہی امام ابوحنیفہ کا بھی قول ہے،

ان آثار کا جواب: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مذکورہ اثر ثابت نہیں ہے، اس کی اسناد میں ایک راوی نامعلوم ہے، اس لئے یہ ضعیف ہے، لائق دلیل و حجت نہیں،۔ نیز یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنا گمان ہے جو بمقابلہ حدیث نبوی حجت نہیں، خود حضرت عائشہ نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ اضطجاع فرماتے تھے، اور آنحضرت ﷺ سے اس کا امر اور حکم دینا بھی ثابت ہے، اس طرح اس کی مشروعیت موکد ہوگئی، اور حجت آنحضرت ﷺ کا فعل وقول ہے نہ کہ اس کے خلاف کسی کا ظن و تخمین،

حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے آثار سے استدلال کا متعدد جواب ہے:

پہلا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عمر کے اثر کی سند ابن ابی شیبہ میں ایک راوی زید بن الحواری العمی البصری قاضی ھراۃ ہیں اور وہ مختلف فیہ ہیں چنانچہ یحییٰ بن معین نے کہا: صالح ہیں، نیز کہا ضعیف ہیں ان کی حدیث کی لکھی جائے گی، امام ابوحاتم نے بھی ضعیف یکتب حدیثہ کہا ہے، دارقطنی نے کہا: صالح ہیں امام نسائی نے انھیں ضعیف کہا ہے، ابن عدی نے کہا: شعبہ نے جن سے روایت کیا ہے ان میں زید العمی سے ضعیف تر کوئی نہیں ہے، (میزان الاعتدال) اور ''تقریب التھذیب'' میں ہے: **ضعیف من الخامسہ**. اور عبداللہ بن مسعود کا اثر ابن ابی شیبہ اور طبرانی نے ابراہیم نخعی سے روایت کیا ہے، ابراہیم نخعی کو عبداللہ بن مسعود سے سماع نہیں ہے، یہ اثر بھی منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے، حافظ ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' میں لکھا ہے:

ابراهيم لم يسمع من ابن مسعود،

گویا حضرت عائشہ وابن مسعود وابن عمر رضی اللہ عنہم سے اضطجاع زیر بحث پر نکیر وانکار ثابت نہیں ہے،

دوسرا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ:

ہوسکتا ہے کہ ابن مسعود وابن عمر کو اضطجاع سے متعلق آنحضرت ﷺ کے فعل وقول اور امر کا علم نہ ہوسکا ہو، علم ہوتا تو یہ نکیر ہرگز نہ کرتے، میرے نزدیک بھی یہی حق اور اولیٰ بالقبول ہے، اگرچہ ملا علی قاری نے ''شرح موطا امام محمد'' میں- جیسا کہ ان سے ابن عابد بن شامی نے ''ردالمحتار'' میں نقل کیا ہے- لکھا ہے: یہ مخفی نہیں ہے کہ ان اکابر صحابہ کو جو کہ بلند درجہ رکھتے ہیں یہ معلوم نہ ہونا بعید ہے، خاص کر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہ جن کو نبی ﷺ کے حضر وسفر میں برابر ساتھ رہنے کا شرف حاصل ہے، اور ابن عمر رضی اللہ عنہ جو نبی ﷺ کے احوال کے کمال تتبع واتباع کے لئے معروف ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ عبداللہ بن مسعود وعبداللہ بن عمر کو اضطجاع نبوی کا علم نہ ہونا

کچھ مستبعد نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ گھر میں سنت فجر پڑھنے کے بعد گھر کے اندر ہی اضطجاع فرماتے تھے۔ ابن مسعود و ابن عمر وہاں اس وقت حاضر و موجود نہیں ہوتے تھے کہ ان کو بھی ضرور ہی اس کا علم ہو، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت بھی آپ کے پاس موجود ہوتی تھیں انھوں نے دیکھا اور بیان کیا کہ آپ ﷺ سنت فجر کے بعد دائیں پہلو پر لیٹتے تھے، اور اصول ہے کہ مثبِت نافی پر مقدم ہے، بلفظ دیگر علم عدمِ علم پر مقدم ہے، یہ ایک ظاہر و بدیہی امر ہے،

تیسرا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عمر کو بھی آنحضرت ﷺ کے اضطجاع بعد سنت فجر کا علم تھا لیکن انھوں نے یہ سمجھا کہ یہ کوئی امر تشریعی نہیں ہے یعنی یہ بطور یکے از امور دین مشروع و مطلوب نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ یہ محض بطور عادت استراحت کے لئے کرتے تھے، یا پھر انھوں نے یہ سمجھا ہو کہ یہ امر مشروع تو ہے لیکن گھر کے ساتھ خاص ہے مسجد میں نہیں ہونا چاہئے اس لئے انھوں نے جب کسی کو مسجد میں اضطجاع کرتے دیکھا تو منع کیا اور اسے بدعت وغیرہ کہا، ملا علی قاری نے کہا ہے کہ "ابن مسعود و ابن عمر کے قول کی یہی دو توجیہیں درست ہیں، اضطجاع سے متعلق امر نبوی میں بھی- برتقدیر صحت- مسجد میں اضطجاع کی نہ تصریح ہے نہ تلویح و اشارہ ہے، حدیث ابو ہریرہ "اذا صلی احدکم رکعتی الفجر فلیضطجع علی شقه الایمن" اور اس میں وارد امر مطلق ہے اسے مقید پر محمول کیا جائے گا یعنی فعل نبوی گھر کے ساتھ مقید سمجھا جائے گا، مطلب یہ کہ حدیث مذکور میں بھی اضطجاع گھر میں کرنے کا حکم ہے نہ کہ مسجد میں جیسا کہ آپ ﷺ کے فعل سے یہی ثابت ہے،- اگر نبی ﷺ کے زمانہ میں مسجد میں بھی سنت فجر کے بعد اضطجاع پر عمل عام ہوتا تو ان اعیان و اکابر صحابہ پر یہ مخفی نہ ہوتا اور وہ بعد میں اس پر نکیر نہ کرتے"۔ ابن عابدین شامی نے "رد المحتار" میں ملا علی قاری کی توجیہ کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے

کہ: ’’اگر امر بالا ضطجاع کی حدیث جو اضطجاع کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہے، صحیح ہو تو اسے اضطجاع فی البیت پر محمول کیا جائے گا کہ اس طرح احادیث کے درمیان تطبیق ہو جائے گی‘‘۔

میں کہتا ہوں کہ یہ توجیہ بعید ہے آنحضرت ﷺ کے فعل وقول میں تعارض ہی نہیں ہے کہ اس تاویل کی ضرورت ہو مزید توضیح و تفصیل آگے آئے گی،

چوتھا جواب یہ ہے کہ عبداللہ بن عمر سے ایک طرف اگر بالفرض اضطجاع پر انکار مروی ہے تو دوسری طرف ’’مصنف ابن شیبہ‘‘ میں خود عبداللہ بن عمر کا سنت فجر کے بعد لیٹنا مروی ہے۔ (☆)

مسئلہ ہذا میں اہل علم کے اقوال: سنت فجر پڑھنے کے بعد اضطجاع (دائیں پہلو پر لیٹنے) کے بارے میں ائمہ واہل علم کے آٹھ طرح کے اقوال پائے جاتے ہیں، تفصیل درج ذیل ہے:

پہلا قول: پہلا قول یہ ہے کہ یہ اضطجاع مشروع و مستحب ہے چنانچہ امام ترمذی نے (جامع ترمذی) میں فرمایا: ’’بعض اہل علم اس کو مستحب کہتے ہیں‘‘، گذر چکا ہے کہ صحابہ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری، رافع بن خدیج، انس بن مالک اور حضرت ابو ہریرہ اس کے قائل و فاعل تھے، اور اس کا فتوی دیتے اور لوگوں کو اس کا حکم دیتے تھے، تابعین میں محمد بن سیرین، عروہ بن الزبیر، سعید بن المسیب، قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق، ابو بکر بن عبدالرحمٰن، خارجہ بن زید بن ثابت، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، سلیمان بن یسار سنت فجر کے بعد اضطجاع کرتے تھے، جیسا کہ امام ابن تیمیہ (شیخ الاسلام ابن تیمیہ

(☆) مصنف ابن ابی شیبہ (ج ۲ ص ۲۴۷) از طریق ہشیم قال اخبرنا غیلان بن عبد اللہ رأیت ابن عمر صلی رکعتی الفجر ثم اضطجع، غیلان بن عبداللہ مولیٰ قریش ان کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔

کے دادا) نے ’’منتقی الاخبار‘‘ میں اور امام ابن حزم نے ’’محلی‘‘ میں امام عبدالرحمٰن بن زید کی ’’کتاب السبعۃ‘‘ سے نقل فرمایا ہے،

ائمہ اربعہ میں امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے، علامہ عینی ’’عمدۃ القاری شرح بخاری‘‘ میں لکھتے ہیں: امام شافعی اور ان کے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ اضطجاع (سنت فجر کے بعد لیٹنا) سنت ہے، امام ابن القیم ’’زاد المعاد‘‘ میں لکھتے ہیں: ایک جماعت نے اضطجاع کو علی الاطلاق سنت کہا ہے، یعنی خواہ تہجد پڑھی ہو یا نہ پڑھی ہو، (سنت فجر پڑھی تو اس کے بعد لیٹنا مشروع ہے، خواہ گھر میں خواہ مسجد میں کوئی قید نہیں، اور جیسا کہ اس فصل کے شروع میں بیان کیا گیا، ہمارے نزدیک حق یہی قول ہے)

علامہ زکریا انصاری نے ’’فتح العلام‘‘ میں اس کی مشروعیت کو بیان کرنے کے بعد اس کی حکمت و مصلحت یہ بیان کی ہے کہ سنت و فرض کے درمیان فصل ہو جائے کسی کو نماز فجر کے رباعی ہونے کا وہم نہ ہو، فرماتے ہیں کہ اگر فصل بالاضطجاع نہ کرے تو سنت و فرض کے درمیان کلام کر کے یا جگہ بدل کر فصل کرے، امام بغوی ’’شرح السنۃ‘‘ میں فرماتے ہیں بطور خاص فصل بالاضطجاع مستحب ہے، (اس کی حکمت سنت و فرض کے درمیان فصل ہے، یا استراحت ہے، یا نماز فجر جو نسبتاً طویل ہوتی ہے، کے لئے انبساط و نشاط حاصل کرنا ہے یا اور کچھ ہے اللہ بہتر جانتا ہے کیا ہے، کسی حدیث میں بہت سے احکام کی طرح اس کی بھی حکمت نہیں بیان کی گئی ہے، ہمارے لئے یہی کافی ہے کہ ہمارے پیارے رسول ﷺ ایسا کرتے تھے اور اس کے کرنے کا ہم امتیوں کو حکم بھی دیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ، اللہ کے رسول میں تمہارے لئے عمدہ نمونہ ہے، ہمیں اس کی پیروی کرنی ہے،

مولانا انور شاہ کشمیری ’’العرف الشذی تقریر ترمذی‘‘ میں فرماتے ہیں: ’’ہمارے نزدیک صبح کی سنتوں کے بعد لیٹنا جائز ہے، نبی ﷺ علیہ وسلم کا لیٹنا

بطریق عبادت نہ تھا بلکہ بطریق عادت تھا، میں جس چیز کا قائل ہوں وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حضور ﷺ کی عادت کی بھی پیروی کرتا ہے تو ثواب سے بہر حال محروم نہیں رہ سکتا''، اور جیسا کہ آگے آرہا ہے امام احمد فرماتے ہیں: ''میں خود تو ایسا نہیں کرتا لیکن اگر کوئی شخص ایسا کرتا ہے تو وہ اچھا کرتا ہے''۔ مولانا عبدالحئی لکھنوی نے (التعلیق الممجد ص ۴۲) میں لکھا ہے: احادیث قولیہ و فعلیہ کا ظاہر اضطجاع بعد سنت فجر کی مشروعت کا متقاضی ہے، وہ سنت نہیں تو کم از کم مستحب ضرور ہے۔ مترجم)

دوسرا قول: دوسرا قول یہ ہے کہ سنت فجر کے بعد اضطجاع (دائیں پہلو پر لیٹنا واجب و فرض ہے، اس پر عمل ضروری ہے یہ امام ابن حزم ظاہری کا مذہب ہے، چنانچہ انھوں نے ''محلی'' میں فرمایا ہے: ''جس نے سنت فجر پڑھ لی اس کے لئے اس کے بعد سنت و نماز فجر کے درمیان اضطجاع کئے بغیر نماز فجر پڑھنی درست نہیں ہے، اگر سنت نہ پڑھی (مثلاً مسبوق جو جماعت یا اقامت شروع ہونے کے بعد آیا اور گھر بھی سنت نہیں پڑھ سکا ہے) اس کے لئے اضطجاع لازم نہیں، اور اگر کوئی کسی عذر خوف یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے اضطجاع نہ کر سکے تو حسب طاقت اشارہ سے اضطجاع کر لے''، آگے فرماتے ہیں: ''ہم نے پہلے یہ واضح کر دیا ہے کہ امر نبوی فرض کا مقتضی ہوتا ہے الا یہ کہ کوئی دوسری نص یا اجماع متیقن اس کے ندب کے لئے ہونے پر دلالت کرے تو ہمارا بھی یہی موقف ہوگا، ہم وہاں امر کو ندب کے لئے لیں گے، اور کسی مسئلہ میں جب صحابہ کے درمیان اختلاف ہو تو کلام اللہ اور حدیث رسول کی طرف رجوع ضروری ہے''،

علامہ شوکانی کا رجحان بھی وجوب کی طرف ہے، چنانچہ انھوں نے اس مسئلہ پر بحث کے آخر میں لکھا ہے: ''ہماری گذشتہ بحث و تفصیل سے وجوب اضطجاع کے قول کا قوی ہونا تم پر ظاہر ہو گیا''۔ (تاہم علامہ شوکانی، ابن حزم کی طرح اسے صحت صلاۃ فجر کے لئے کسی صورت میں شرط قرار نہیں دیتے)

جمہور اہل علم کے نزدیک یہ قول باطل ہے، حدیث ابو ہریرہ میں امر بالاضطجاع وجوب کے لئے نہیں ہے، استحباب کے لئے ہے، اس کا قرینہ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اس پر مداومت نہیں فرمائی ہے، کبھی لیٹے کبھی نہیں بھی لیٹے جیسا کہ حضرت عائشہ کی حدیث سے ثابت ہے، معلوم ہوا کہ یہ واجب نہیں چہ جائیکہ صحت صلاۃ کے لئے شرط ہو، امام ابن القیم فرماتے ہیں: ”اضطجاع کے بارے میں دو جماعت نے غلو سے کام لیا ہے، اہل ظاہر کی ایک جماعت نے اسے واجب کہا اور ابن حزم ظاہری نے اس کو فرض و شرط اور اس کے ترک سے نماز کو باطل قرار دیا“۔

امام بخاری نے جامع صحیح میں حدیث عائشہ صدیقہ پر یوں باب منعقد فرمایا ہے ”باب من یحدث بعد الرکعتین ولم یضطجع“ حافظ ابن حجر ”فتح الباری“ میں اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سنت فجر کے بعد اضطجاع پر مداومت نہیں فرمائی ہے، ائمہ نے اس سے اس کے عدم وجوب پر استدلال کیا ہے، اور حدیث ابو ہریرہ میں وارد امر کو استحباب پر محمول کیا ہے، ابن حزم نے غلو و افراط سے کام لیا ہے کہ اسے ہر ایک کے لئے واجب اور صحت صلاۃ صبح کے لئے شرط قرار دیا ہے، علماء نے اس کی تردید فرمائی ہے“۔

تیسرا قول: اس مسئلہ میں تیسرا قول یہ ہے کہ سنت فجر کے بعد اضطجاع بدعت ہے، مکروہ ہے، صحابہ میں عبد اللہ بن مسعود اور عبد اللہ بن عمر سے یہ قول نقل کیا گیا ہے، ان کی طرف منسوب روایات اور ان میں جو خلل ہے پہلے بیان کیا جا چکا ہے، تابعین میں اسود بن یزید، سعید بن جبیر اور ابراہیم نخعی اسی کے قائل ہیں، ائمہ اربعہ میں امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا یہی مذہب ہے، قاضی عیاض اسی کو جمہور اہل علم کا مذہب بتاتے ہیں، ابراہیم نخعی اسے ”ضجعة الشيطان“ کہتے تھے، (عمدۃ القاری) علامہ ابن القیم

''زاد المعاد'' میں فرماتے ہیں: ''فقہاء کی ایک جماعت نے اضطجاع بعد سنت فجر کو مکروہ قرار دیا ہے اور اسے بدعت کہتے ہیں، امام مالک وغیرہ نے توسط سے کام لیا ہے ان کا مذہب یہ ہے کہ اگر کوئی سنت فجر کے بعد استراحت کے ارادہ سے لیٹے تو کوئی حرج نہیں، لیکن اسے مشروع اور سنت سمجھے تو یہ مکروہ ہے، مکروہ قرار دینے والوں کا استدلال ابن عمر وغیرہ کے آثار سے ہے''۔

میں کہتا ہوں کہ یہ قول بالکل غلط ہے، نجم الائمہ امام مالک کا قول مذکور بھی متوسط نہیں ہے، بلکہ اس میں درجہ علیا سے درجہ سفلی کی طرف انحطاط ہے، ابن عمر وابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول (برتقدیر صحت روایت) بھی حجت نہیں کیونکہ دوسرے کئی صحابہ ابو موسی اشعری، ابو ہریرہ، انس بن مالک اور رافع بن خدیج سے اس کے بر خلاف مروی ہے اور ان کے قول و فعل کی تائید رسول اللہ ﷺ کی سنت آپ ﷺ کے قول و فعل سے ہوتی ہے، جو واجب الاتباع ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ، (سورہ احزاب/۲۱) یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ (ﷺ) میں عمدہ نمونہ ہے۔

چوتھا قول: چوتھا قول یہ ہے کہ سنت فجر کے بعد اضطجاع (دائیں پہلو پر لیٹنا) خلاف اولیٰ ہے، حافظ ابن حجر نے ''فتح الباری'' میں ذکر کیا ہے کہ ابن ابی شیبہ نے حضرت حسن بصری سے روایت کیا ہے کہ وہ اس اضطجاع کو پسند نہیں کرتے تھے، میں کہتا ہوں یہ قول بھی ظاہر کے خلاف ہے، ظاہر یہ ہے کہ یہ از روئے دلائل (از روئے احادیث نبوی و آثار صحابہ) سنت یا مستحب ہے،

پانچواں قول: پانچواں قول یہ ہے کہ گھر میں سنت فجر پڑھنے کے بعد گھر میں اضطجاع مستحب ہے نہ کہ مسجد میں، حافظ ابن حجر ''فتح الباری'' میں فرماتے ہیں: بعض سلف اس طرف گئے ہیں کہ گھر میں مستحب ہے مسجد میں نہیں، عبد اللہ بن عمر کا بھی ایک قول یہی

ہے، اور ہمارے بعض شیوخ نے بھی اسی کو قوی قرار دیا ہے، اور دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے مسجد میں اضطجاع منقول نہیں ہے، آپ گھر میں سنت فجر پڑھتے تھے اور اس کے بعد گھر میں ہی دائیں پہلو پر لیٹتے تھے، عبداللہ بن عمر مسجد میں لیٹنے والے کو کنکری چلا کر مارتے تھے،

میں کہتا ہوں کہ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ سنت فجر گھر میں پڑھنا اور اس کے بعد گھر میں دائیں پہلو پر لیٹنا یہی اولیٰ اور افضل ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مسجد میں اضطجاع مستحب نہیں ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ سنت فجر کے تابع ہے، سنت فجر گھر میں پڑھے تو گھر میں لیٹ لے، اور اگر مسجد میں سنت فجر پڑھے تو مسجد میں لیٹ لے، اور اگر اس کے برعکس کرے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اس کے لئے مقام کی کوئی تحدید نہیں، گھر میں اضطجاع کرے یا مسجد میں سنت ادا ہو جائے گی، البتہ افضل واکمل یہی ہے کہ سنت فجر گھر میں پڑھے اور وہیں اضطجاع کرے،

چھٹواں قول: اس مسئلہ میں چھٹواں قول یہ ہے کہ جس نے قیام لیل کیا ہو، تہجد پڑھی ہو اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ سنت فجر کے بعد استراحت کے لئے دائیں پہلو پر لیٹ لے، لیکن جس نے قیام لیل نہ کیا ہو، تہجد نہ پڑھی ہو اس کے لئے یہ مستحب نہیں ہے، حافظ ابوبکر ابن العربی مالکی نے بالجزم اسی کو اختیار کیا ہے، اس کا فائدہ وہی استراحت اور نماز فجر کے لئے انبساط ونشاط ہے (فتح الباری) اس کی تائید حضرت عائشہ کے قول سے ہوتی ہے جو پہلے گذر چکا ہے، لیکن جیسا کہ یہ بیان ہو چکا ہے حضرت عائشہ سے وہ قول ثابت نہیں ہے اس لئے وہ حجت بھی نہیں بن سکتا۔

ساتواں قول: ساتواں قول یہ ہے کہ اضطجاع بجائے خود مقصود نہیں ہے بلکہ اصل مقصود سنت فجر اور فرض نماز فجر کے درمیان فصل کرنا ہے، نبی ﷺ اسی فصل کے لئے سنت فجر اور نماز فجر کے درمیان اضطجاع فرماتے تھے، امام بیہقی نے امام شافعی کا بھی ایک قول

یہی نقل کیا ہے، اس قول کی رو سے اضطجاع کی کوئی خصوصیت نہیں ہے بلکہ یہ فصل جس طرح حاصل ہو جائے سنت وفرض کے درمیان کلام وگفتگو سے یا جگہ بدلنے سے یا گھر سنت پڑھ کر پھر مسجد آ جانے سے امام شافعی کے نزدیک مقصود ادا ہو جائے گا‘‘۔ (فتح الباری) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: مختار اور راجح یہ کے اضطجاع بطور خاص سنت ہے حدیث ابو ہریرہ کا ظاہر معنی ومفہوم یہی ہے، خود راوی حدیث حضرت ابو ہریرہ نے بھی یہی سمجھا ہے، اس لئے اس کی اہمیت ہے، چنانچہ مروان بن الحکم نے جب ان سے کہا کہ کیا سنت گھر پڑھ کر گھر سے مسجد جانا سنت وفرض کے درمیان فصل کے لئے کافی نہیں ہے؟ تو حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا نہیں، کافی نہیں ہے، یعنی نبی ﷺ نے اضطجاع کا حکم فرمایا ہے تو امتثال امر نبوی اضطجاع سے ہی حاصل ہوگا نہ کہ کسی اور عمل سے،

پہلے قول کے ضمن میں درحقیقت دو قول مذکور ہیں ایک اضطجاع کے مستحب ہونے کا دوسرا اس کے سنت ہونے کا، اس طرح اس مسئلہ میں کل آٹھ اقوال ہوئے۔

مشروعیت اضطجاع کے مانعین نے ایک تاویل یہ بھی کی ہے کہ اس باب کی احادیث میں امر بالاضطجاع وارد نہیں ہے بلکہ اضطجاع صرف فعل نبوی سے ثابت ہے، اور فعل فقط اباحت پر دلالت کرتا ہے، مشروعت پر دلالت نہیں کرتا، حضرت عائشہ صدیقہ نے آنحضرت ﷺ کے اضطجاع کرنے کو بھی روایت کیا ہے اور نہ کرنے کو بھی، اس میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ یہ مباح ہے، حافظ ابن القیم نے یہ قول ’’زاد المعاذ‘‘ میں نقل کیا ہے،

اس تاویل کا دو جواب ہے اولاً تو یہ کہ یہ کہنا صحیح نہیں کہ اس باب کی کسی حدیث میں امر بالاضطجاع وارد نہیں، یقیناً وارد ہے، حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں جسے ابوداؤد، ترمذی وغیرہ نے بسند صحیح روایت کیا ہے، تفصیل گذر چکی ہے،

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ تسلیم نہیں کہ فعل نبوی صرف اباحت پر دلالت کرتا

ہے یعنی آنحضرت ﷺ کوئی کام کریں تو اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ کام جائز ومباح ہے، فعل نبوی اس کام کی مندوبیت ومطلوبیت پر دلالت نہیں کرتا، یہ بات اس لئے مردود ہے کہ اکابر اہل علم بلکہ جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ فعل نبوی ﷺ استحباب و ندب پر بھی دلالت کرتا ہے، اور دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم صریح ہے: **ما آتاکم الرسول فخذوہ** (سورہ حشر-۷) یعنی رسول اللہ ﷺ تمہیں جو کچھ بھی دیں اسے لے لو، نیز فرمایا: **قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی** (آل عمران-۳۱) یعنی آپ ﷺ لوگوں سے کہدیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔ یہ اخذ واتباع رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال دونوں کو متناول ہے، دونوں کی اخذ و اتباع ماموراور مطلوب ہے، صرف قول کی نہیں، اس لئے رسول کے فعل سے جو ثابت ہو وہ بھی مشروع ہے اصل یہی ہے، الا یہ کہ کوئی قرینہ ایسا ہو جو اس پر دلالت کرے کہ یہاں آنحضرت ﷺ کا فعل محض بیان اباحت وجواز کے لئے ہے،

فائدہ: علامہ شوکانی ”نیل الاوطار“ میں بیان کرتے ہیں:

”آنحضرت ﷺ کا دائیں پہلو پر ہی سونا اور دائیں پہلو پر ہی سونے کا حکم دینا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ امتثال واتباع اور اضطجاع مشروع کی ادائیگی داہنے پہلو پر لیٹنے ہی سے حاصل ہوگی نہ کہ بائیں پہلو پر لیٹنے سے، یہ اس وقت ہے کہ دائیں پہلو پر لیٹنے کی قدرت ہو اور اگر معذوری ہو تو کیا کرے؟ کیا بائیں پہلو پر لیٹنے سے مشروعیت ادا ہو جائے گی؟ یا دائیں پہلو پر ہی لیٹنے کا اشارہ کرے؟ امام ابن حزم نے تو اسی اشارہ کرنے کو بالجزم بیان کیا ہے، اور یہی ظاہر ہے“۔

علامہ ابن القیم ”زادالمعاد“ میں لکھتے ہیں:

”سینہ میں دل بائیں جانب معلق ہے، اسی لئے انسان جب بائیں پہلو پر سوتا ہے تو نیند گہری آتی ہے کیونکہ اس حالت میں دل دبا ہوا سکون وراحت میں ہوتا

ہے اور جب دائیں پہلو پر سوتا ہے تو اتنی گہری نیند نہیں آتی ہے، کیونکہ اس حالت میں دل اتنا پر سکون نہیں ہوتا، یک گونہ قلق اور اپنے مستقر کی طلب میں ہوتا ہے، یہی حکمت ہے کہ اسلام نے دائیں پہلو پر لیٹنے اور سونے کی تعلیم دی ہے نہ بہت گہری نیند آئے نہ بالکل غفلت طاری ہو۔

فصل چہارم

سنت فجر اور نماز فجر کے درمیان بات چیت کرنا

سنت فجر اور نماز فجر کے درمیان سنت فجر پڑھنے کے بعد کسی مناسب ضروری یا مباح قسم کی گفتگو کرنا بلا کراہت جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ یہ رسول ﷺ سے ثابت ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ بیان کرتی ہیں:

كان النبى ﷺ اذا صلى ركعتى الفجر فان كنت مستيقظة حدثنى والا اضطجع، رواه البخارى، ومسلم و ابوداؤد واللفظ لمسلم (۱)

نبی ﷺ جب سنت فجر پڑھ لیتے تو میں اگر جاگ رہی ہوتی تو مجھ سے بات چیت کرتے ورنہ لیٹ جاتے، (بخاری، مسلم، ابوداؤد)

دارمی اور ترمذی کے الفاظ یہ ہیں:

كان النبى ﷺ اذا صلى ركعتى الفجر فان كان له حاجة كلمنى والا خرج الى الصلوٰة. قال الترمذى هذا حديث حسن صحيح (۲)

نبی ﷺ جب سنت فجر پڑھ لیتے اور آپ کو مجھ سے کوئی ضرورت ہوتی تو مجھ سے گفتگو فرماتے، ورنہ نماز کیلئے مسجد چلے جاتے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے

امام ترمذی مزید بیان کرتے ہیں۔ بعض صحابہ و تابعین اس کی کراہت کے

---

(۱) صحیح بخاری باب من تحدث بعد ركعتى الفجر (ج۱ص۲۵۵)، ابو داؤد باب الاضطجاع بعد ركعتى الفجر (ج۱ص۴۸۸) نیز بیہقی ج۳ص۴۵، ابن خزيمه ج۲ص۱۶۸

(۲) دارمی باب الكلام بعد ركعتى الفجر، ج۱ص۳۷۷، ترمذی باب ماجاء فى الكلام بعد ركعتى الفجر ج۱ص۳۲۱،

قائل ہیں کہ طلوع فجر کے بعد نماز فجر سے پہلے باتیں کی جائیں۔ البتہ ذکر وتلاوت یا بہت ضروری قسم کی بات چیت کی جاسکتی ہے۔ امام احمد وامام اسحٰق بن راہویہ اسی کے قائل ہیں،

امام نووی ''شرح مسلم'' میں حدیث عائشہ صدیقہ کے تحت لکھتے ہیں: ''اس میں سنت فجر کے بعد کلام کرنے کی اباحت و جواز کی دلیل ہے، یہی ہمارا (یعنی امام شافعی وان کے اصحاب) نیز امام مالک اور جمہور کا مذہب ہے،- قاضی عیاض نے کہا کہ بعض اہل کوفہ اسے مکروہ کہتے ہیں، (۳) عبداللہ بن مسعود اور بعض سلف سے مروی ہے کہ یہ دعا واستغفار کا وقت ہے،- لیکن حق یہی ہے کہ سنت فجر کے بعد کلام و گفتگو بلا کراہت جائز ہے، کیونکہ نبی ﷺ کے فعل سے (اور امر سے بھی) ثابت ہے، اس وقت کا وقتِ دعا واستغفار ہونا کلام سے مانع نہیں ہے''۔

امام قسطلانی کہتے ہیں سنت فجر کے بعد کلام و گفتگو کرنا مباح ہے، حدیث عائشہ صدیقہ اس کی دلیل ہے، قاضی ابن العربی نے کہا: اس وقت سکوت و خاموشی کی کوئی فضیلت ماثور نہیں ہے، البتہ نماز فجر کے بعد سے طلوع آفتاب تک مسجد میں بیٹھے رہنے اور دعا وذکر میں مشغول رہنے کی فضیلت ماثور ہے حدیث شریف میں وارد ہے۔

امام طبرانی نے ''معجم کبیر'' میں حضرت عطاء اور ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے انھوں نے کہا عبداللہ بن مسعود مسجد آئے دیکھا کہ سنت فجر کے بعد کچھ لوگ باتیں کر رہے ہیں، آپ نے انھیں منع کیا اور فرمایا تم لوگ نماز کے لئے آئے ہوئے ہو، یا تو نماز پڑھو یا خاموش رہو،-

---

(۳) حتی کہ بعض فقہاء حنفیہ کا قول ہے کہ سنت فجر کے بعد بات چیت کرنے سے سنت فجر باطل ہو جاتی ہے، شامی میں ہے: لو تکلم بین السنة والفرض لا یسقطھا ولکن ینقص ثوابھا، یعنی اگر سنت فجر اور نماز فجر کے بعد گفتگو کی تو سنت فجر باطل نہیں ہوگی لیکن اس کے ثواب میں کمی واقع ہو جائے گی، (در مختار مع شامی ج۲ص ۱۹)

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ اور عبداللہ بن مسعود کا ایسا فرمانا ثابت نہیں ہے کیونکہ نہ حضرت عطاء کو عبداللہ بن مسعود سے سماع حاصل ہے نہ ابو عبیدہ کو، یہ اثر منقطع السند ہے اگرچہ سند کے بقیہ رجال ثقہ ہیں، (مجمع الزوائد)

بر تقدیر صحتِ نقل جواب یہ ہیکہ عبداللہ بن مسعود نے جن لوگوں کو گفتگو کرنے سے منع کیا وہ نامناسب وغیر مفید قسم کی باتیں کرتے رہے ہوں گے، اس لئے منع کیا، اور اس میں کیا شبہ ہے کہ اس قسم کی باتیں کرنے سے ذکر و دعا میں رطب اللسان رہنا بہر حال بہتر ہے، لیکن یہ کچھ اسی وقت کے ساتھ خاص نہیں ہے، تمام اوقات کا یہی حکم ہے، پھر اس وقت میں جب شارع علیہ السلام سے کلام کرنا ثابت ہے تو صحابہ و تابعین میں سے کسی کے منع کرنے سے وہ ممنوع نہیں قرار پائے گا، (☆)

امام شوکانی ''نیل الاوطار'' میں لکھتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کا حضرت عائشہ سے سنت فجر کے بعد باتیں کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ جائز ہے، جمہور اہل علم کا یہی مذہب ہے، البتہ عبداللہ بن مسعود اسی طرح تابعین میں سعید بن جبیر، عطاء بن ابی رباح، سعید بن میتب اور ابراہیم نخعی سے اس کی کراہت کا قول منقول ہے، ابراہیم نخعی نے بیان کیا ہے کہ لوگ سنت فجر کے بعد باتیں کرنے کو ناپسند کرتے تھے''، عثمان بن ابی سلیمان نے کہا: طلوع فجر کے بعد خاموش رہو، اگرچہ سفر میں ہو اور اگرچہ سنت فجر نہ پڑھی ہو (☆)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ابو داؤد میں ایک روایت ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ آخر شب جب نماز تہجد سے فارغ ہوتے تو دیکھتے کہ میں جگ رہی ہوں تو مجھ سے باتیں کرتے، اور اگر میں سوئی ہوئی تو مجھے بیدار کرتے، اور

(☆) علامہ عینی نے ''عمدۃ القاری'' (ج ۷ ص ۲۲۰) میں لکھا ہے کہ ''لاقول لأحد مع السنة'' سنت رسول کی موجودگی میں اس کے بالمقابل کسی کا قول معتبر نہیں ہے،

آپ آخر میں دو رکعت پڑھ کر لیٹ جاتے، تا آنکہ موذن آتا اور نماز فجر کا وقت ہونے کی خبر دیتا تو آپ دو رکعتیں ہلکی (یعنی سنت فجر) پڑھ کر پھر نماز کے لئے مسجد چلے جاتے (☆☆)

تنبیہ: اس حدیث میں سنت فجر سے پہلے قیام اللیل کے بعد آخر شب میں آنحضرت ﷺ کے حضرت عائشہؓ سے کلام فرمانے کا ذکر ہے، اس طرح یہ حدیث بخاری و مسلم وغیرہ کے معارض ہے جس میں سنت فجر کے بعد آپ ﷺ کے کلام کرنے کا ذکر ہے، لیکن حقیقت میں ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، آنحضرت ﷺ کبھی آخر شب میں قیام لیل کے بعد بھی حضرت عائشہ سے اگر وہ جاگ رہی ہوتیں تھیں تو باتیں کرتے تھے اور کبھی سنت فجر کے بعد بھی باتیں کرتے تھے، ایک سے دوسرے کی نفی نہیں ہوتی، اس لئے ان دونوں حدیثوں میں باہم کوئی تعارض نہیں ہے،

فائدہ: نماز فجر کے بعد سے طلوع آفتاب تک کے وقت اور اس پورے وقت میں نماز کی جگہ پر بیٹھے ذکر و دعا میں مشغول رہنے کی فضیلت کے بارے میں قاضی ابو بکر ابن العربی نے جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے وہ متعدد صحابہ کرام حضرت عمر، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت جابر بن سمرہ حضرت ابو ہریرہ، حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن عمر، معاذ بن انس اور ابو امامہ رضی اللہ عنہم سے مسلم، مسند احمد، ابو داؤد، نسائی، ترمذی، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، مسند ابو یعلی، معاجم طبرانی، بیہقی وغیرہ کتب حدیث میں فی الجملہ مروی ہے، ہم اس میں سے دو حدیثوں کے ذکر پر اکتفاء کرتے ہیں:

۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

قال رسول الله ﷺ: من صلى الصبح فى جماعة ثم قعد يذكر الله

(☆☆) باب الاضطجاع بعدها (ج ۱ ص ۴۸۸)

حتى تطلع الشمس ثم صلى ركعتين كانت له كأجر حجة وعمرة قال، قال رسول ﷺ: تامة تامة تامة، (ترمذی، ابو داؤد، ابو یعلی ابن ابی الدنیا) (۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص جماعت کے ساتھ نماز فجر پڑھ کر وہیں بیٹھا اللہ کا ذکر کرتا رہے، تا آنکہ آفتاب طلوع ہو جائے، پھر دو رکعت پڑھے تو یہ عمل اس کے لئے پورے پورے حج و عمرہ کے ثواب کے مثل ہوگا، (ترمذی، ابوداؤد، ابو یعلی، ابن ابی الدنیا)

۲۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں:

كان النبي ﷺ اذا صلى الفجر جلس في مجلسه حتى تطلع الشمس حسنا، (مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن خزیمه، طبرانی) (۲)

نبی ﷺ نماز فجر پڑھنے کے بعد اپنے مصلی پر بیٹھے رہتے حتی کہ آفتاب خوب اچھی طرح طلوع ہو جائے، (مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن خزیمہ، احمد، طبرانی وغیرہ)

---

(۱) جامع ترمذی مع تحفۃ الاحوذی (ج ۱ ص ۴۰۵)، باب ماذکر مما یستحب فی المسجد بعد صلاۃ الصبح حتی تطلع الشمس، امام ترمذی نے تعدد طرق کی بنا پر اس کو حسن کہا ہے۔ ابوداؤد مع عون المعبود (ج ۳ ص ۳۶۳) باب القصص، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں بیٹھا رہوں ان لوگوں کے ساتھ جو نماز فجر کے بعد سے طلوع آفتاب تک اللہ کا ذکر کر رہے ہوتے ہیں یہ مجھے اولاد اسماعیل میں سے چار غلام آزاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔ اس کی سند میں موسی بن خلف ایک راوی ہیں، امام بخاری نے ان سے استشہاد کیا ہے، حافظ ابن حجر نے کہا: صدوق له اوهام، - امام ابو یعلی نے بھی مسند میں اس مضمون کی حدیث روایت کی ہے، دونوں کی سند حسن ہے۔

(۲) صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۳۵، ابوداؤد ج ۱ ص ۴۹۸، ترمذی ج ۱ ص ۴۰۵، نسائی ج ۱ ص ۱۵۹، مسند احمد ج ۵ ص ۸۸، ۸۹۔

فصل پنجم

سنت فجر کے بعد ماثورہ دعائیں

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی معروف حدیث جس میں انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے نماز تہجد کی کیفیت معلوم کرنے کی خاطر اپنی خالہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کے گھر میں ایک رات قیام کرنے کا واقعہ بھی ذکر کیا ہے، جو بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی وغیرہ میں بالتفصیل مروی ہے، مسلم وابوداؤد کی روایت میں حدیث کے آخر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سنت فجر کے بعد اور مسجد میں جاتے ہوئے مندرجہ ذیل دعا پڑھتے تھے،

(اس دعاء کے الفاظ مختلف روایات میں مختلف ہیں کم وبیش ہیں مجموعہ یہ ہے):

اللهم اجعل في قلبي نورا و في بصري نورا وفي سمعي نورا وعن يميني نورا وعن يساري نورا وفوقي نورا وتحتي نورا و امامي نورا و خلفي نورا واجعل لي نورا وفي لساني نورا و عصبي نورا و لحمي نورا ودمي نورا وشعري نورا و بشري نورا واجعل في نفسي نورا واعظم لي نورا و اعطني نورا. (١)

اے اللہ، پیدا کردے، میری آنکھ میں نور اور میرے کان میں نور، میرے دائیں نور، میرے بائیں نور، میرے اوپر نور، میرے آگے نور، اور میرے پیچھے نور، اور میرے لئے نور، اور میری زبان میں نور میرے پٹھوں میں نور، میرے گوشت میں نور، میرے

---

(١) مسلم (ج ا ص ٢٦٠)، ابوداؤد (ج ا ص ٥١٦) باب صلاة الليل، قيام الليل للمروزی (ص ٨٢-٨٣)

خون میں نور، میرے بالوں میں نور، میری کھال میں نور، میری ذات میں نور اور میرے لئے نور عظیم کر دے اور مجھے نور عطا کر دے۔

(قیام اللیل للمروزی (۸۲-۸۳) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس دعا کو فجر کی سنتوں کے بعد پڑھا، اس روایت کی سند حسن درجہ کی ہے،

نسائی، ابن ابی شیبہ اسی طرح مسلم اور ابو عوانہ کی ایک روایت میں بھی ہے کہ آپ ﷺ نے یہ دعا نماز تہجد کے سجدوں میں پڑھی، جبکہ احمد، مسلم، ابو عوانہ اور طبرانی ایک ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس دعا کو نماز فجر میں پڑھا، گویا مختلف اوقات میں آپ ﷺ نے یہ دعا پڑھی ہے، جس میں ایک سنت فجر کے بعد اور گھر سے نماز فجر کے لے مسجد جاتے ہوئے بھی ہے، بخاری، ابن حبان اسی طرح مسلم اور ابو عوانہ کی بعض روایات میں وقت و مقام کی تعیین کے بغیر فقط اسکے پڑھنے کا ذکر ہے، گویا یہ جامع دعا مذکورہ اوقات کے علاوہ کسی وقت میں بھی پڑھی جا سکتی ہے، - القول المقبول فی تخریج و تعلیق صلوۃ الرسول ص ۲۷۷-)

مسند ابو یعلی میں حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ طلوع فجر سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے پھر یہ دعا پڑھتے اور مسجد کے لئے نکلتے:

(۲) اللهم رب جبريل و ميكائيل ورب اسرافيل و رب محمد اعوذبک من النار

اے اللہ، جبریل و میکائیل و اسرافیل کے رب اور محمد کے رب میں دوزخ سے تیری جناب میں پناہ چاہتا ہوں۔

اس کی سند میں ایک راوی عبید اللہ بن ابی حمید ہیں ہیثمی نے کہا وہ متروک ہیں (مجمع الزوائد) امام ذہبی نے کہا: یہ عبید اللہ بن احمد القاضی ہیں، ابو حمید ان کے والد

احمد کی کنیت ہے، یہ امام ابویعلی کے شیوخ میں ہیں، خطیب بغدادی نے ان کی توثیق کی ہے، لیکن یہ معتزلی تھے، ''تقریب التہذیب'' میں ہے: متروک الحدیث ہے،

طبرانی نے ''معجم کبیر'' میں اسامہ بن عمیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کے قریب ہی سنت فجر پڑھی، آپ ﷺ نے دو ہلکی رکعتیں پڑھیں، اس کے بعد میں نے سنا کہ آپ ﷺ نے یہ (مذکورہ) دعا تین بار پڑھی، (٢)

اس کی سند کے ایک راوی عباد بن سعید کے متعلق امام ذہبی نے کہا: لا شیء ہے، لیکن امام ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' میں ذکر کیا ہے کہ اس کو ابن حبان نے ''ثقات'' میں ذکر کیا ہے،

امام نووی نے یہ ''کتاب الاذکار'' میں ''کتاب ابن السنی'' (ص ٢٩) سے

---

(٢) القول المقبول فی تخریج وتعلیق صلوۃ الرسول (ص ٥٦٦) میں درج ذیل تفصیل ہے:

یہ حدیث حسن ہے، اس کو بزار (٣١٠١)، طبرانی (١/١٥٩)، ابن سنی (١٠٣)، حاکم (٣/٦٢٢)، نے اسامہ بن عمر سے روایت کیا ہے، اس کی سند ضعیف ہے، مگر حدیث عائشہ جس کو احمد نے ''مسند'' (٦/٦١)، نسائی نے ''سنن'' (٣/٧٢، ٨/٢٧٨)، بیہقی نے ''دعوات کبیر'' (١٠٩) میں اور خطیب بغدادی نے ''موضح'' (١/٤٥٥)، میں جرہ کی سند سے روایت کیا ہے، اس کی شاہد ہے، لہٰذا یہ دونوں حدیثیں آپس میں مل جانے سے یہ دعا حسن درجہ کو پہنچ جاتی ہے، - واضح رہے کہ اس حدیث میں اس دعا کو فجر کی سنتوں کے بعد پڑھنے کی قید نہیں ہے، بلکہ اس کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا پڑھی، یعنی کسی وقت وغیرہ کی قید مذکور نہیں ہے، - ایک دوسری روایت ہے کہ آپ اس دعا کو (فرض) نماز کے بعد پڑھتے، یہ روایت مسند احمد، سنن نسائی (٨/٢٧٨) بیہقی اور موضح خطیب کی ہے۔

مسند ابویعلی (٤٧٧٩) میں اس حدیث کی عبداللہ بن رباح کی سند میں اس دعا کو فجر کی سنتوں کے بعد پڑھنے کا ذکر ہے، مگر یہ حدیث اس سند سے سخت ضعیف ہے، خلاصہ یہ ہوا کہ اس دعا کو بطور خاص فجر کی سنتوں کے بعد پڑھنا قابل اعتماد سند سے ثابت نہیں ہے، لیکن نفس دعا آنحضرت ﷺ ثابت ہے،

(٣) عمل الیوم واللیۃ الابن السنی (ص ٢٩)، اس کی اسناد میں یحیٰی بن زکریا الغسانی ہے، اور وہ ضعیف ہے، نیز اس کی سند میں ایک راوی مجہول ہے۔

بہ طریق ابی الملیح عامر بن اسامہ عن اسامہ بن عمیر روایت کیا ہے(۳)

امام غزالی نے ''احیاء علوم الدین'' (ج ۱ ص ۳۲۲) میں بروایت عبداللہ بن عباس رسول اللہ ﷺ سے مذکورہ دعا **اللھم اجعل فی قلبی نورا...... الخ** کے ساتھ اس سے پہلے ایک نہایت طویل دعا کا ذکر کیا ہے، لیکن کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا ہے، نہ حافظ عراقی نے اپنی کتاب ''**المغنی عن حمل الاسفار فی تخریج مافی الاحیاء من الاخبار**'' میں اس کی تخریج کی ہے، (۴) اس روایت میں نماز فجر سے پہلے سنت فجر کے بعد اس دعا کو پڑھنے کا ذکر ہے، دعا یہ ہے:

''**اللھم انی اسألک رحمة من عندک، تھدی بھا قلبی ، وتجمع بھا شملی، وتلم بھا شعثی، وترد بھا الفتن عنی و تصلح بھا دینی، وتحفظ بھا غائبی، وترفع بھا شاھدی، وتزکی بھا عملی، وتبیض بھا وجھی، وتلھمنی بھا رشدی، وتعصنی بھا من کل سوء، اللھم اعطنی ایماناً صادقا، ویقیناً لیس بعده کفر، ورحمة انال بھا شرف کرامتک فی الدنیا والآخرة ، اللھم انی اسألک الفوز عند القضاء، ومنازل الشھداء، وعیش السعداء، والنصر علی الاعداء، ومرافقة الانبیاء ، اللھم انی انزل بک حاجتی، وان ضعف رأیی، وقلت حیلتی، وقصر عملی، وافتقرت الی رحمتک، فأسألک یا قاضی الامور، ویاشافی الصدور، کما تجیر بین البحور ان تجیرننی من**

---

(۴) مگر مطبوعہ ''المغنی...'' میں یہ تخریج موجود ہے ''**الحدیث ت وقال غریب ...وفی الدعاء للطبرانی**''. جامع الترمذی میں یہ حدیث ابواب الدعوات (باب ۳۰ حدیث ۳۶۴۳) میں، اور صحیح ابن خزیمہ (ج ۲ ص ۱۶۶) میں بطریق محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ مروی ہے، یہ راوی حد درجہ سی الحفظ ہے، اس لئے یہ حدیث بہرحال سخت ضعیف ہے، صحیح سند سے یہ حدیث مختصرا مروی ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہے۔

عذاب السعير، ومن دعوة الثبور، ومن فتنة القبور، اللهم ماقصر عنه رأيي، وضعف عن عملي، ولم تبلغه نيتي، وامنيتي من خير وعدته احداً من عبادک، او خير أنت معطيه احداً من خلقک، فانی أرغب اليک فيه، وأسألکه يارب العالمين اللهم اجعلنا هادين مهتدين غير ضالين، ولامضلين، حربا لاعدائک، وسلما لاوليائک، نحب محبک من اطاعک من خلقک، ونعادی بعداوتک من خالفک من خلقک، اللهم هذا الدعاء وعليک الاجابة، وهذا الجهد، وعليک التکلان، وانا اليه راجعون، ولا حول ولاقوة الا بالله العلی العظيم، ياذا الحبل الشديد، والامر الرشيد، أسألک الامن يوم الوعيد، والجنة يوم الخلود مع المقربين الشهود، والرکع السجود، والموفين بالعهود، انک رحيم ودود، وأنت تفعل ماتريد، سبحان الذی لبس العز وقال به ، سبحان الذی تعطف بالمجد وتکرم به، سبحان الذی لاينبغی التسبيح الا له، سبحان ذی الفضل والنعم، سبحان ذی العزة والکرم، سبحان الذی أحصی کل شئ بعلمه، اللهم اجعل لی نورا فی قلبی، ونورا فی قبری، ونورا فی سمعی ونوراً فی بصری، ونوراً فی سمعی ونورا فی بصری، ونورا فی شعری، ونورا فی بشری و نوراً فی لحمي، ونوراً فی دمی، ونوراً فی عظامی، ونوراً من بين يدی ونوراً من خلفي، ونوراً عن يميني ونوراً عن شمالي ونوراً من فوقي، ونوراً من تحتی، اللهم زدنی نورا، وأعطنی نوراً، واجعل لی نوراً.

جامع ترمذی میں یہ حدیث ابواب الدعوات باب ۳۰ / حدیث ۳۶۴۳) میں

، اور صحیح ابن خزیمہ (ج ۲ ص ۱٦٦) میں بطریق محمد بن (عبدالرحمٰن بن) ابی لیلیٰ مروی ہے، یہ راوی حد درجہ سی الحفظ ہے، اس لئے یہ حدیث بہر حال سخت ضعیف ہے، صحیح سند سے یہ حدیث مختصراً مروی ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہے۔

فصل ششم

طلوع فجر کے بعد سنت فجر کے علاوہ نفل پڑھنا مکروہ ہے

اکثر اہل علم کے نزدیک جیسا کہ امام ترمذی نے بیان کیا ہے، طلوع فجر کے بعد سنت فجر کے علاوہ کوئی نفل مکروہ ہے، نبی کریم ﷺ سے نفل پر شدت حرص کے باوجود طلوع فجر کے بعد سنت فجر کے سوا مزید کوئی نفل پڑھنا ثابت نہیں ہے، بلکہ آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، ممانعت کی حدیثیں ام المومنین حضرت حفصہ، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو بن العاس اورابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔

(۱) حدیث ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا: یہ حدیث بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی، ابن حبان، بیہقی اور مروزی وغیرہ نے روایت کیا ہے، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

كان رسول الله ﷺ اذا طلع الفجر لا يصلى الا ركعتين خفيفتين (واللفظ لمسلم) وفى صحيح ابن حبان...... الا ركعتى الفجر(۱)

رسول اللہ ﷺ جب فجر صادق طلوع ہو جاتی تو سنت فجر کی دو ہلکی رکعتوں کے علاوہ کوئی نمازِ نفل نہیں پڑھتے تھے،

(۲) حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ: یہ حدیث احمد، ابوداؤد، ترمذی، دارقطنی، بیہقی اور مروزی نے ازطریق قدامہ بن الحصین ازایوب بن الحصین از ابی علقہ از یسار مولی

---

(۱) مسلم (ج۱ص ۲۵۰)، نسائی (ج۱ص ۲۰۷) باب وقت ركعتى الفجر، بخاری باب الركعتين قبل الظهر (ج۱ص۱۵۷)، بیہقی (ج۲ص ۴۶۵)۔

بن عمر از ابن عمر روایت کیا ہے، عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں:

ان رسول الله ﷺ قال لا صلوة بعد الفجر الا سجدتين، (فى رواية احمد ركعتين) (۲)

بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: طلوع فجر کے بعد سنت فجر کی دو رکعت کے علاوہ کوئی نماز نفل نہیں ہے۔

ابوداؤد کی روایت میں یسار مولیٰ ابن عمر کا بیان ہے کہ عبداللہ بن عمر نے مجھے دیکھا کہ میں طلوع فجر کے بعد نفل پڑھ رہا ہوں، تو آپ نے کہا: اے یسار ایک روز رسول اللہ ﷺ آئے اور دیکھا کہ ہم یہ نفل نماز پڑھ رہے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: جو لوگ حاضر ہیں وہ غیر موجود لوگوں تک بھی میرا یہ فرمان پہونچا دیں کہ:

لا تصلوة بعد الفجر الا سجدتين

طلوع فجر کے بعد کوئی نفل نماز نہ پڑھو سوائے سنت فجر کے۔

دار قطنی کی روایت میں ہے کہ ابن عمر نے مجھے کنکری سے مارا اور کہا کہ اے یسار نے تم کتنی رکعتیں پڑھیں؟ میں نے عرض کیا، یاد نہیں، فرمایا نہ یاد ہو، سنو! بیشک رسول اللہ ﷺ آئے اور ہم یہ نفل پڑھ رہے تھے تو آپ ﷺ ہمارے اوپر سخت غضبناک ہوئے پھر فرمایا: حاضر غایب تک پہونچا دیں کہ طلوع فجر کے بعد کوئی نفل نماز نہیں سوائے سنت فجر کے۔

مذکورہ تمام کتب اور ان کی روایات کی سند میں ایک راوی قدامہ بن موسیٰ ہیں اور ان کے شیخ ترمذی و دار قطنی کی سند میں محمد بن الحصین ہیں اور احمد و ابوداؤد کی سند میں

---

(۲) مسند احمد (ج ۲ ص ۲۲، ۱۰۴)، ترمذی (ج ۱ ص ۳۲۱)، ابوداؤد (ج ۱ ص ۴۹۴)، دار قطنی (ج ۱ ص ۴۱۹) باب **لاصلوة بعد الفجر الا سجدتين، قيام الليل للمروزى** (ص ۱۳۶)، تاریخ کبیر للبخاری (ج ۴ ص ۴۲۱ ق)، امام صاحب نے اختلاف رواۃ کو بھی بیان کیا ہے۔

ایوب بن الحصین ہیں،

قدامہ بن موسی کے بارے میں امام ذہبی نے ''میزان الاعتدال'' میں لکھا ہے: ''ان کو امام بخاری اور ابن ابی حاتم نے ذکر کیا ہے لیکن ان کے حال پر سکوت کیا ہے کوئی جرح وتعدیل ذکر نہیں فرمائی ہے، اس لئے وہ روایت کرنے میں منفرد ہوں تو وہ حجت نہیں ہیں۔''

حافظ زیلعی نے ''نصب الرایہ'' میں فرمایا: یہ قدامہ معروف ہیں، امام بخاری نے ''تاریخ'' میں ان کو ذکر کیا ہے، اور امام مسلم نے ''صحیح'' میں ان سے روایت لی ہے،

حافظ ابن حجر نے ''تقریب'' میں فرمایا: قدامہ بن موسی مدنی امام مسجد نبوی ثقہ ہیں'' اور اس حدیث کی روایت میں متفرد بھی نہیں ہیں جیسا کہ آئندہ روایات کی تفصیل سے معلوم ہوگا۔ اس لئے ان کی روایت کردہ حدیث حجت ہے۔

اور قدامہ ابن موسیٰ کے شیخ محمد بن الحصین کے بارے میں امام زیلعی نے لکھا ہے کہ امام بن القطان نے فرمایا: ''وہ مختلف فیہ ہیں، اور مجہول الحال ہیں''، امام بخاری اور امام ابن ابی حاتم کو بھی ان کے حالات میں کچھ معلوم نہ ہوسکا سو وہ ان ائمہ کے نزدیک مجہول ہیں''، نیز امام زیلعی نے امام ابن ابی حاتم کا قول نقل کیا ہے کہ یہ محمد بن الحصین تمیمی ہیں اور بعض رواۃ نے محمد کے بجائے ایوب بن الحصین کہا ہے، لیکن محمد زیادہ صحیح ہے''،

''امام دارقطنی نے ''کتاب العلل'' میں فرمایا: اس حدیث کو محمد بن عبد العزیز دراوردی نے قدامہ بن موسی سے انھوں نے محمد بن الحصین سے ...... سے روایت کیا ہے، دراوردی کی عمر بن علی المقدمی نے متابعت کی ہے، اور سلیمان بن بلال اور وھب نے دراوردی کے برخلاف عن قدامہ بن موسی عن ایوب بن

الحصين کہا ہے، شاید سلیمان بن بلال اور وہب کا قول ہی صحیح ہے"، یہاں تک امام زیلعی کا کلام ہے،

حافظ ابن حجر نے "**تلخيص الحبير في تخريج احاديث الرافعي الكبير**" میں لکھا ہے: قدامہ بن موسی کے شیخ کے بارے میں اختلاف ہے کسی نے محمد بن الحصین اور کسی نے ایوب بن الحصین کہا ہے، بہر حال وہ مجہول ہیں"- حافظ موصوف "تقریب" میں فرماتے ہیں: محمد بن الحصین التمیمی اور بعض نے ایوب بن الحصین کہا ہے، مجہول ہیں، طبقہ سادسہ کے راوی ہیں۔ اسی طرح امام ذہبی نے بھی "میزان الاعتدال" میں ان کو "لا یعرف" کہا ہے، یعنی ان کا حال معلوم نہیں، امام دارقطنی نے کہا: مجہول ہیں۔

امام طبرانی نے "معجم اوسط" میں یہ حدیث مرفوعاً ایک دوسری سند سے روایت کی ہے "**حدثنا عبد الملك بن يحيىٰ بن بكير حدثني ابي ثنا الليث بن سعد حدثني محمد بن النبيل الفهري عن ابن عمر**"......

ایک اور تیسری سند سے بھی روایت کیا ہے: **حدثنا محمد بن محموية الجوهري ثنا احمد بن امقدام ثنا عبد الله بن خراش عن العوام بن حوشب عن المسيب بن رافع عن عبد الله بن عمر** "......،

طبرانی کا پہلا طریق انشاء اللہ حجت ہے، کیونکہ اس کی اسناد میں کوئی ضعیف نہیں ہے، (۳)

اور دوسرے طرق میں عبداللہ بن خراش بن حوشب ہیں، امام دارقطنی وغیرہ نے ان کو ضعیف کہا ہے، امام ابوزرعہ نے کہا: **لا شیٔ** ہے، امام ابوحاتم نے کہا: ذاہب الحدیث

---

(۳) بلکہ اس میں ضعف ہے، کیونکہ محمد بن نبیل فہری مجہول ہیں، میں نے نہیں پایا کہ کسی نے ان کی تعدیل وتوثیق کی ہو، امام بخاری وامام ابن ابی حاتم نے بھی اس کے حال میں کچھ ذکر نہیں کیا ہے۔

ہے، امام بخاری نے کہا: منکر الحدیث ہے، (میزان الاعتدال)

امام طبرانی نے ''المعجم الکبیر'' میں ایک چوتھی سند سے روایت کیا ہے: **عن اسحق بن ابراهیم الدبری عن عبد الرزاق عن ابی بکر بن محمد عن موسی بن عقبه عن نافع عن ابن عمر ...... قال قال رسول الله ﷺ: لا صلوة بعد طلوع الفجر الا رکعتی الفجر''۔**

امام زیلعی فرماتے ہیں: اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی کا یہ کہنا کہ ''اسے ہم صرف قدامہ بن موسی کے طریق سے پہچانتے ہیں'' محل نظر ہے''، کیونکہ یہ قدامہ بن موسی کے علاوہ متعدد طرق سے مروی ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، (۴)

معجم کبیر للطبرانی کی مذکورہ روایت کی سند میں ایک راوی اسحاق بن ابراہیم الدبری ہیں، امام ذہبی ''میزان الاعتدال'' میں فرماتے ہیں: ''ابن عدی نے کہا'' عبد الرزاق سے روایت کرنے میں وہ صغیر السنن قرار دیئے گئے ہیں''۔ میں کہتا ہوں وہ اس شان کے آدمی نہیں تھے، ان کو ان کے والد ابراہیم نے احادیث سنائی اور ان کے ساتھ اعتناء سے کام لیا۔ انھوں نے عبد الرزاق سے ان کی تصانیف کی سماع کی ہے اس وقت وہ کم و بیش سات سال کے تھے، لیکن انھوں نے عبد الرزاق سے منکر حدیثیں روایت کی ہیں، اس لئے ان کی ایسی روایات میں تردد ہے کہ یہ ان کے روایت کرنے میں متفرد ہیں، بہر حال اسحاق دبری سے ابوعوانہ نے اپنی صحیح وغیرہ میں بطور حجت حدیثیں روایت کی ہیں، اسی طرح طبرانی نے ان سے بہت حدیثیں روایت کی ہیں، امام دارقطنی نے کہا وہ صدوق ہیں میں نے ان کے معتبر ہونے میں کوئی

---

(۴) امام ترمذی پر کوئی اعتراض نہیں کیونکہ انھوں نے اپنے علم و معرفت کی نفی کی ہے، وجود کی نفی نہیں کی ہے (تحفۃ الاحوذی)

اختلاف نہیں پایا، بس یہ کہا گیا ہے کہ وہ اس شان کے رجال میں نہیں تھے“۔

طبرانی نے مذکورہ سند میں عبدالرزاق کے شیخ ابوبکر بن عبداللہ بن محمد بن ابی سبرہ مدنی ہیں یہ قاضی اور فقیہ تھے، عبدالرحمٰن الاعرج اور عطاء بن ابی رباح سے حدیثیں روایت کی ہیں، اور ان سے عبدالرزاق، ابوعاصم اور ایک جماعت نے روایت کیا ہے، امام بخاری وغیرہ نے ان کو ضعیف کہا ہے، امام احمد نے فرمایا: یہ حدیث وضع کرتا تھا، نسائی نے فرمایا: متروک ہے، امام یحییٰ بن معین نے کہا: اس کی حدیث کچھ نہیں ہے، (غرض یہ سند ابوبکر بن ابی سبرہ کی وجہ سے سخت ضعیف ہے)

امام ذہبی مزید فرماتے ہیں: امام ابوعمرو بن الصلاح نے کہا جس نے عبدالرزاق سے ان کے نابینا ہونے کے بعد سماع کیا ہے، وہ لاشی ہے، عبدالرزاق نے نابینائی کے بعد احادیث روایت کی ہیں جن کو طبرانی نے بہ طریق اسحاق الدبری از عبدالرزاق روایت کیا ہے، میں نے ان روایات کو منکر پایا۔

حافظ ابن حجر: الدرایہ فی تخریج احادیث الھدایہ“ میں لکھتے ہیں: عبداللہ ابن عمر کی مذکورہ حدیث کو امام طبرانی نے ”معجم اوسط“ میں دو طریق سے روایت کیا ہے، اور ”معجم کبیر“ میں جس سند سے روایت کیا ہے قوی ہے لیکن اس میں ایک راوی ابوبکر بن محمد ہیں، شاید وہ وہی ابوبکر بن ابی سبرہ ہیں جو سخت ضعیف ہیں۔ تلخیص الحبیر لابن حجر میں ہے کہ ”عبداللہ بن عمر کی یہ حدیث امام ابویعلی نے بھی روایت کی ہے، اور ابن عدی نے محمد بن الحارث کے ترجمہ میں یہ حدیث ان کے طریق سے روایت کی ہے، محمد الحارث عن محمد بن عبدالرحمٰن البلیمانی عن ابیہ عن ابن عمر، لیکن یہ دونوں محمد (محمد بن حارث اور محمد بن عبدالرحمٰن) ضعیف ہیں۔

(۳) **حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ:** اسے بخاری، مسلم، ابوداود، نسائی، ابن ماجہ نے بہ طریق ابوعثمان نہدی عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے، نبی اکرم ﷺ نے

فرمایا:

لا یمنعن احدکم او احدا منکم اذان بلال من سحورہ فانه یوذن او ینادی بلیل لیرجع قائکم ولینبه نائمکم (۵)

تم میں سے کسی کو بلال کی اذان سحری سے نہ روکے، کیونکہ وہ رات میں (طلوع فجر سے پہلے) اذان دیتے ہیں، تا کہ قیام اللیل کرنے والوں کو واپس کریں اور سونے والوں کو جگائیں (سحری کے لئے)

حافظ زیلعی نے امام تقی الدین ابن دقیق العید، کی کتاب ''الامام'' سے موصوف کا یہ کلام نقل کیا ہے کہ ''اس مسئلہ میں کہ طلوع فجر کے بعد سنت فجر کے علاوہ کوئی اور نفل نماز نہیں، عبد اللہ بن مسعود کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا گیا ہے،...... کیونکہ اگر طلوع صبح صادق کے بعد سنت فجر کے علاوہ بھی نفل پڑھنی مباح ہوتی تو نبی اکرم ﷺ کے ''یرجع قائمکم'' فرمانے کا کوئی مطلب نہیں ہوگا''، (نصب الرایہ)

حافظ ابن حجر نے بھی ''**الدرایه فی تخریج احادیث الهدایه**'' میں ایسا ہی فرمایا ہے، (یرجع قائمکم ...... سے معلوم ہوتا ہے کہ اب قیام لیل اور تہجد کا وقت ختم کہ طلوع فجر ہونے والی ہے، معلوم ہوا کہ طلوع فجر کے بعد کوئی نفل نماز سوائے سنت فجر کے نہیں پڑھی جائے گی۔)

(۴) حدیث عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ: امام دارقطنی اور امام محمد بن نصر مروزی نے بہ طریق عبد الرحمٰن بن زیاد بن انعم افریقی از عبد اللہ بن یزید از عبد اللہ بن

---

(۵) بخاری: ج۱ص ۸۷ باب الاذان قبل الفجر، مسلم: ج۱ص۳۵۰باب ان الدخول فی الصوم یحصل بطلوع الفجر

ابوداؤد: ج۲ص ۲۷۵، نسائی ج۱ص ۷۵، ابن ماجہ: ص۱۲۳باب فی الاذان فی غیر وقت الصلوۃ، احمد: ج۱ص ۳۸۶، بیہقی ج۱ص ۳۸۱۔

عمرو بن العاص روایت کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا صلوة بعد طلوع الفجر الا رکعتين. (٦)

طلوع فجر کے بعد سنت فجر کی دو رکعتوں کے علاوہ کوئی نفل نماز نہیں ہے۔

''مجمع الزوائد'' میں بزار اور طبرانی کے حوالہ سے ''**الا رکعتی الفجر**'' مروی ہے۔

اس سند میں عبد الرحمٰن بن زیاد بن انعم افریقی ہیں، امام منذری نے ''الترغیب والترہیب'' میں آخر کتاب میں فرمایا ہے: ''امام احمد نے فرمایا: وہ کچھ نہیں ہے، ہم اس سے کچھ روایت نہیں کرتے، ابن حبان نے فرمایا: ''یہ ثقات سے موضوعات روایت کرتا ہے، محمد بن سعید مصلوب سے تدلیس کرتا ہے''، ابن حبان کا کلام محل نظر ہے، امام بخاری نے عبد الرحمٰن افریقی کو کتاب ''الضعفاء'' میں ذکر نہیں کیا ہے، آپ اس کے قوی ہونے کی بات کہتے تھے، کہتے تھے وہ مقارب الحدیث ہے، امام دارقطنی نے کہا: وہ قوی نہیں ہے، امام یحیٰی بن سعید نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے، یحیٰی بن معین نے کہا: ''وہ لا باس بہ ہے، اس کی تضعیف بھی کی گئی ہے، وہ میرے نزدیک ابوبکر بن ابی مریم سے زیادہ پسندیدہ ہے، امام نسائی نے کہا: وہ لا باس بہ ہے، امام ابو داؤد کہتے ہیں: میں نے احمد بن صالح سے کہا کیا عبد الرحمٰن بن زیاد افریقی لائق احتجاج ہے؟ انھوں نے کہا ہاں۔

(۵) حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ: اسے امام طبرانی نے ''معجم اوسط'' میں روایت کیا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اذا طلع الفجر فلا صلوة الا رکعتی الفجر. (۵)

طلوع فجر کے بعد سنت فجر کے علاوہ کوئی نفل نماز نہیں۔

طبرانی کی سند میں ایک راوی اسماعیل بن قیس ہیں اور وہ ضعیف ہیں، (کذا

---

(٦) دارقطنی: ج۱ص۴۱۹ باب لاصلوة بعد الفجر الا سجدتين، قیام اللیل مروزی: ص۱۳۷۔

فی مجمع الزوائد)، امام ذہبی نے فرمایا: اسماعیل بن قیس بن سعد بن زید بن ثابت انصاریؓ کو، امام بخاری اور امام دارقطنی نے منکر الحدیث کہا ہے، امام نسائی وغیرہ نے کہا: ضعیف ہے، اس کی عامۃ روایات منکر ہوتی ہیں، امام بیہقی نے (سنن ج ٦ ص ۴٦٦) یہ حدیث سعید بن المسیب سے مرسلا روایت کی ہے، اور کہا کہ یہ موصولا بھی روایت کی گئی ہے مگر وہ صحیح نہیں ہے، اسے طبرانی اور ابن عدی نے موصولا روایت کیا ہے، اس کی سند ضعیف ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ مرسل ہے۔

(٦) حدیث عمرو بن شعیب: عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث امام طبرانی نے بہ طریق عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ بھی روایت کیا ہے۔ جیسا کہ ''البنایہ شرح الہدایہ'' للعینی اور ''تلخیص الحبیر'' لابن حجر میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا صلوۃ اذا طلع الفجر الا رکعتین.

طلوع فجر کے بعد سنت فجر کے سوا کوئی نفل نماز نہیں۔

طبرانی کی سند میں ایک راوی رواد بن الجراح العسقلانی ہیں، امام دارقطنی نے کہا: وہ متروک ہے، امام یحییٰ بن معین نے کہا: اکثر روایات میں اس کی کوئی متابعت نہیں کرتا، امام نسائی نے کہ: وہ قوی نہیں ہے، امام احمد نے کہا: لا باس بہ ہے، صاحب الحدیث ہے مگر اس نے سفیان سے مناکیر منکر حدیثیں روایت کی ہیں، امام ابن معین نے کہا: ثقہ ہے، ماموں ہے، نیز فرمایا لا باس بہ ہے لیکن سفیان سے حدیث کی روایت میں غلطی کی ہے، یعنی حدیث ''اذا صلت المرأۃ خمسھا...... (☆)، امام ابو حاتم نے فرمایا: وہ سچا ہے، لیکن اس کے حافظہ میں تغیر آ گیا تھا۔

طریق عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ متصل ہے: عمر بن شعیب بن محمد بن

(☆) المرأۃ اذا صلت خمسھا وصامت شھرھا واحصنت فرجھا واطاعت زوجھا دخلت الجنۃ (ابونعیم فی الحلیۃ الذھبی فی المیزان (ج ا ص ۵۵) مشکوۃ۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص عن ابیہ عن جدہ ، اس طریق پر بعض متقدمین مثلاً یحییٰ بن سعید القطان و بعض متأخرین اہل علم کا کلام اور اس میں انقطاع و ارسال کا خدشہ تو درحقیقت یہ بحث مفروغ عنہ ہو چکی ہے، محققین ناقدین نے خوب محقق و منقح کر دیا ہے کہ یہ طریق متصل اور حجت ہے، (مولف محدث عظیم آبادی اور محقق کتاب مولانا ارشاد الحق اثری وغیرہ کی کتاب اور حاشیہ میں تفصیل و تحقیق کا خلاصہ کچھ حذف و اضافہ کے ساتھ درج ذیل ہے):

عمرو اور ان کے والد شعیب دونوں صدوق اور قابل وثوق ہیں، عمرو کو اپنے والد شعیب سے اور شعیب کو اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے (جن سے وہ حدیث روایت کرتے ہیں) لقاء و سماع حاصل و ثابت ہے، شعیب اپنے دادا سے سماعاً بھی حدیث روایت کرتے ہیں اور ان کے مجموعہ احادیث صحیفہ صادقہ سے وجادۃً بھی، اور یہ وجادہ صحیح ہے اس لئے عمرو بن شعیب تک سند صحیح ہو تو وہ حدیث عند المحدثین مقبول یعنی صحیح یا حسن ہوتی ہے۔

امام منذری، اور امام نووی فرماتے ہیں: اس طریق (طریق عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ) کا حجت اور مقبول ہونا ہی صحیح اور مختار مذہب ہے اور یہی جمہور اصحاب الحدیث اور محققین محدثین کا مسلک ہے اور معلوم ہے کہ اس سلسلہ میں وہی معیار ہیں“۔ دیگر اصحاب نقد و تحقیق علماء ابن عبدالبر ابن الصلاح ، ذہبی ، حافظ عراقی ، ابن حجر ، اور سخاوی وغیرہ کی بھی یہی تحقیق ہے،

چنانچہ کبار محدثین علی بن المدینی ، احمد بن حنبل ، حمیدی ، اسحٰق بن راہویہ ، ابو عبیدہ ، بخاری ، دارمی ، ترمذی ، حاکم ، بیہقی وغیرہ اکثر محدثین نے اس کو حجت قرار دیا ہے، امام بخاری فرماتے ہیں: ”احمد بن حنبل ، علی بن المدینی ، اسحاق بن راہویہ ، ابو عبیدہ اور جمہور اصحاب الحدیث ”**عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ**“ کو حجت

قرار دیتے ہیں، اہل اسلام میں کسی نے اس کو ترک نہیں کیا ہے، ان کے بعد کون رہ جاتا ہے؟ **فمن بعدهم؟** "۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: **واما اكثر اهل الحديث فيحتجون بحديث عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده**"۔

جن بعض علماء نے اس طریق پر کلام کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ "**عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده**" سے مراد اگر عمرو کے دادا محمد ہیں تو یہ حدیث مرسل ہوگی کیونکہ محمد بن عبداللہ نے نبی ﷺ کو پایا نہیں ہے وہ صحابی نہیں تابعی ہیں اور اگر "**جده**" سے شعیب کے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مراد ہیں تو یہ سند منقطع ہوگی کیونکہ شعیب نے اپنے دادا عبداللہ بن عمرو کو پایا تو ہے لیکن ان کو سماع حاصل نہیں ہے، بلکہ وہ ان کے صحیفۂ احادیث سے وجادۃً حدیثیں روایت کرتے ہیں،

لیکن حقیقت یہ ہے کہ شعیب کو اپنے دادا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے سماع حاصل ہے، ان سے براہ راست حدیثیں سنی ہیں اس لئے سماعاً بھی روایت کرتے ہیں اور ان کے صحیفہ حدیث سے وجادۃً بھی، سماع بھی صحیح ہے، وجادہ بھی صحیح ہے،

حافظ زیلعی (نصب الرایہ ج ا ص ۹۵ میں) فرماتے ہیں: دارقطنی کی روایت میں بسند صحیح عمرو بن شعیب کا سماع اپنے والد شعیب سے اور شعیب کا سماع اپنے دادا عبداللہ بن عمرو سے ثابت ہے،

حافظ زیلعی نے جس روایت کا حوالہ دیا ہے وہ دارقطنی (ج ا ص ۵۱) بیہقی (ج ۵ ص ۹۵) اور مستدرک حاکم (ج ۲ ص ۶۵) میں مروی ہے، امام حاکم اس روایت کی تخریج سے پہلے لکھتے ہیں: مجھے ایسی حجت ظاہرہ کی طلب تھی جو شعیب کے اپنے دادا عبداللہ بن عمرو سے سماع پر دلالت کرتی ہو، لیکن وہ مجھے اب تک نہ مل سکی

تھی، یہ روایت جسے حفاظ ثقات نے روایت کیا ہے اس کی مضبوط دلیل ہاتھ آ گئی ہے، وہ روایت یہ ہے:

عن عمرو بن شعیب عن ابیه قال کنت اطوف مع ابی عبدالله بن عمرو بن العاص ...... الحدیث،

عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے روایت کرتے ہیں کہ شعیب نے کہا میں اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص کے ساتھ طواف کر رہا تھا۔

اس روایت میں صراحت ہے کہ شعیب کو اپنے دادا سے لقاء و سماع حاصل ہے، اور ثابت ہوا کہ ''عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ'' میں ''جدہ'' سے مراد ''شعیب کے دادا'' یعنی عبداللہ بن عمرو ہیں، اور اس صورت میں بھی سند متصل بالسماع ہے، اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ جیسا کہ امام ذہبی نے لکھا ہے ''شعیب کے والد محمد اپنے والد عبد اللہ بن عمرو کی حیات ہی میں فوت ہو گئے تھے اور ان کے صاحبزادے شعیب صغیر السن تھے ان کی کفالت و تربیت ان کے دادا عبداللہ نے کی اس سے شعیب کو اپنے والد محمد سے نہیں اپنے دادا عبداللہ بن عمرو سے یہ جن کی آغوش تربیت میں تھے سماع حاصل ہے، یہ بات بالکل ظاہر ہے۔ (☆)

آثار صحابہ و تابعین:

(۱) امام محمد بن نصر مروزی نے ''قیام اللیل'' میں اپنی سند سے قاسم بن محمد سے روایت کیا ہے کہ ایک روز حضرت عمر فاروق مسجد میں آئے اور دیکھا کہ کچھ لوگ سنت فجر کے بعد نفل پڑھ رہے ہیں تو فرمایا: ''نماز فجر سے پہلے فقط دو رکعت ہلکی سنت فجر ہے، اگر

(☆) مذکورہ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو: تہذیب الاسماء واللغات (ج ۱ ص ۳۰) مقدمہ ابن الصلاح ص ۳۰۳ تہذیب التہذیب (ج ۱ ص ۸)، فتح المغیث ص ۱۱۴، تدریب الراوی ص ۲۲۱، نصب الرایہ (ج ۱ ص ۸۵) تعلیق الترمذی للشیخ شاکر (ج ۱ ص ۵۸) وغیرہ۔

میں پہلے تنبیہ کر چکا ہوتا تو آج تم لوگوں کے ساتھ میرا رویہ کچھ اور ہوتا، (۱)

(۲) قیام اللیل ہی میں مروی ہے کہ ابن جریج نے حضرت عطاء سے کہا، کیا جب فجر پہاڑوں کی چوٹیوں پر پھیل جائے یعنی فجر صادق طلوع ہو جائے تو سنت فجر کے علاوہ کوئی نفل پڑھنی مکروہ ہے؟ تو حضرت عطاء نے فرمایا ہاں، مجھے خبر دی ہے ابوعبدالرحمٰن بن مینا نے یا سلیم مولی سعید نے، انھوں نے کہا کہ میں طلوع فجر کے بعد مسجد آیا اور نفل نماز پڑھنے لگا تو حضرت ابن عمر نے کہا یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا میں شب میں تہجد نہ پڑھ سکا تھا (اسی وظیفہ کو پورا کر رہا ہوں) تو حضرت ابن عمر نے فرمایا: دو رکعت سنت بس مزید نفل نہیں، (۲)

(۳) ابو سعید کہتے ہیں میں نے دیکھا حضرت عروہ بن الزبیر اور حضرت عبداللہ بن عمر مقام ابراہیم کے پاس گفتگو کر رہے ہیں، اس دوران ایک دیہی شخص آیا اور دو رکعت سنت فجر کے علاوہ نفل پڑھنے لگا، عبداللہ بن عمر نے اسے ندا دی اور کہا: طلوع فجر کے بعد (سنت فجر کے سوا) کوئی نفل نماز نہیں ہے۔ عبداللہ بن عمر سے یہ اثر حضرت مجاہد نے بھی روایت کیا ہے، اس میں ہے کہ حضرت ابن عمر نے اس شخص کا کپڑا کھینچ کر اسے بیٹھا دیا۔

(۴) حضرت طاؤس نے عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: طلوع فجر کے بعد نماز فجر سے پہلے دو رکعت سنت فجر کے سوا کوئی نفل نماز نہیں۔ (۴)

(۵) عمرو بن مرۃ کہتے ہیں میں مدینہ میں تھا مجھے بخار آ گیا رات میں تہجد نہیں پڑھ سکا

---

(۱) قیام اللیل باب کراهة التطوع بعد طلوع الفجر سوى الركعتين ص ۱۳۷، ۱۳۸

(۲) قیام اللیل مروزی، نیز مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۵۱

(۴) نیز مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۵۵۔

، طلوع فجر کے بعد مسجد آیا اور چھ رکعتیں پڑھیں، حضرت سعید بن مسیب نے دیکھا اور مجھ سے کہا میں نے تیری نماز دیکھی ہے، میں نے عرض کیا رات بخار میں مبتلا ہو گیا تھا تہجد نہیں پڑھ سکا تھا، تو حضرت سعید بن مسیب نے فرمایا: طلوع فجر کے بعد دو رکعت سنت فجر سے زیادہ نہیں، (۵)

(۶) حضرت ابو رباح بیان کرتے ہیں کہ سعید بن مسیب نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ طلوع فجر کے بعد نفل پڑھ رہا ہے تو اسے منع فرمایا، وہ کہنے لگا کیا آپ کو اندیشہ ہے کہ اللہ مجھے نماز پڑھنے پر عذاب دیگا؟ تو حضرت سعید بن مسیب نے فرمایا: سنت کی خلاف ورزی پر تم کو عذاب دے اس کا خوف ہے۔ (۶)

(۷) حضرت قتادہ روایت کرتے ہیں کہ حمید بن عبدالرحمٰن اور علاء بن زیاد طلوع فجر کے بعد دو رکعت سنت فجر کے سوا مزید نفل پڑھنے کو مکروہ کہتے تھے، میں نے حضرت حسن بصری سے مسئلہ دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا: بیشک میں بھی مکروہ سمجھتا ہوں، میں نے اس بارے میں کچھ سنا نہیں ہے کہ سنت فجر کے علاوہ مزید کچھ پڑھ سکتے ہیں،

یہ سب آثار امام مروزی نے ''قیام اللیل'' میں روایت کیا ہے،

امام ابن حزم کا اس مسئلہ سے متعلق مذکورہ بالا تمام احادیث کو ساقط، نا قابل استدلال اور خود ساختہ قرار دینا ان کا بیجا مبالغہ اور غلو ہے، وہ اگرچہ بڑے محقق عالم اور امام ہیں، لیکن ان کی یہ بات بے دلیل ہے اس لئے لائق التفات نہیں ہے،

یہ متعدد صحیح و ضعیف احادیث و آثار ایک دوسرے کی تقویت و تائید اور باہمی اعتضاد سے قوی دلیل و حجت ہیں اس مسئلہ کی کہ طلوع فجر کے بعد سے طلوع آفتاب تک سنت فجر کے علاوہ نفل پڑھنی منع ہے، یہی جمہور اہل علم امام مالک، امام ابوحنیفہ،

---

(۵) نیز مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۵۵۔

(۶) نیز مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۵۲، و بیہقی ج ۲ ص ۴۶۶۔

امام شافعی، امام احمد وغیرہ کا بھی مذہب ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں: اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ طلوع فجر کے بعد سنت فجر کے سوا کوئی نفل نماز پڑھنی مکروہ ہے،

اس مسئلہ میں ائمہ کے اقوال:

امام نووی فرماتے ہیں اس مسئلہ میں شافعیہ کا تین قول ہے ایک یہی مطلق کراہت کا، قاضی عیاض نے اسی کو امام مالک اور جمہور سے بھی نقل کیا ہے،

علامہ قسطلانی ''شرح بخاری'' میں فرماتے ہیں: مالکیہ و حنفیہ طلوع فجر کے بعد سنت فجر کے سوا کسی نفل نماز کی کراہت کے قائل ہیں، یہی امام احمد کا مشہور قول ہے، شافعیہ کا بھی ایک قول یہی ہے، امام ابن الصلاح فرماتے ہیں: ''مالکیہ کا ظاہر مذہب یہی ہے علامہ ابوسعید عبدالرحمٰن بن مامون نے ''التتمہ'' (☆) میں اسی کو قطعیت کے ساتھ بیان کیا ہے۔- پھر یہ اوقات ممنوعہ میں نماز کی جو نہی ہے یہ تحریم کے لئے ہے یا تنزیہ کے لئے ہے، ''لاصلوۃ'' نہی کا ظاہر تحریم ہی ہے، جیسا کہ ''روضۃ الطالبین'' اور ''شرح مہذب'' میں ہے''۔

ہدایہ اور شرح ہدایہ للعینی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تحصیلِ فضیلت نوافل پر شدت حرص کے باوجود آپ کا طلوع فجر کے بعد سنت فجر کے علاوہ کوئی نفل نماز نہ پڑھنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس وقت کوئی بھی نفل نماز پڑھنی مکروہ ہے''۔- ''فتاویٰ بزازیہ''، ''فتاویٰ ظہیریہ'' وغیرہ کتب فقہ حنفی میں بھی ایسا ہی ہے، ''فتاویٰ ظہیریہ'' میں ہے کہ اگر کسی نے طلوع فجر صادق سے پہلے نفل شروع کی ایک رکعت پڑھی تھی کہ فجر طلوع ہوگئی تو وہ کیا کرے، ایک قول یہ ہے کہ وہ نماز قطع کر دے، دوسرا قول یہ ہے کہ

(☆) یعنی ''تہمۃ الاھانۃ'' جو ابوسعید عبدالرحمٰن بن مامون شافعی معروف بہ متولی، متوفی ۴۷۸ھ کی تالیف ہے اور ''الابانۃ'' متولی کے شیخ ابوالقاسم نورانی کی تصنیف ہے، (کشف الظنون ج ۱ ص ۱، شذرات ج ۲ ص ۳۵۸، العبر ج ۳ ص ۲۹۰۔

دو رکعت نماز پوری کرے، پھر یہ مسئلہ ہے کہ یہ دو رکعت کیا سنت فجر کے لئے کافی اور اس کے قائم مقام ہے؟ اصح یہ ہے کہ نہیں، اس کے بعد سنت فجر پڑھنا ہے،

''السراج المنیر شرح الجامع الصغیر'' میں ہے کہ بعض شوافع اس طرف گئے ہیں کہ یہ کراہت طلوع فجر سے نہیں بلکہ سنت فجر پڑھنے کے بعد سے ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ بلکہ فرض نماز فجر کی ادائیگی کے بعد سے ہے، اس سے پہلے مطلق نفل جائز ہے،

امام نووی فرماتے ہیں: ''شافعیہ کا اس مسئلہ میں تین قول ہے: ایک تو یہی کہ طلوع فجر کے بعد سنت فجر کے سوا کوئی نفل نماز پڑھنی مکروہ ہے، یہی امام مالک اور جمہور کا مذہب ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ کراہت سنت فجر پڑھنے کے بعد سے ہے، او رتیسرا قول یہ ہے کہ فریضہ فجر پڑھنے کے بعد سے ہے، اور یہی ہمارے اصحاب شافعیہ کے نزدیک صحیح ہے، کیونکہ حدیث کے اندر طلوع فجر کے بعد ہی نفل نماز کے کراہت کی دلیل ظاہر نہیں ہے، اس کے اندر بس یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ طلوع فجر کے بعد سنت فجر کے سوا کوئی نفل نہیں پڑھتے تھے، یعنی ممانعت نہیں ہے''۔

میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے نوافل کی غایت حرص و رغبت کے باوجود طلوع فجر کے بعد سنت فجر کے علاوہ کوئی نفل نماز کبھی نہیں پڑھی تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اس وقت کوئی دوسری نفل پڑھنا مکروہ ہے، ورنہ آپ ﷺ نے ایک ہی بار بیان جواز ہی کے لئے سہی پڑھا ہوتا، آپ ﷺ تو بیان جواز کے لئے ایک امر مباح پر بھی عمل کرتے تھے کہ امت اس کو حرام نہ سمجھ لے، تو پھر اگر اس وقت بھی نفل مستحب ہوتی تو آپ ﷺ اس پر ضرور عمل کرتے، لیکن طلوع فجر کے بعد سنت فجر کے سوا کبھی آپ کا کوئی نفل نہ پڑھنا بلکہ ترک نفل پر مداومت کرنا اس وقت نفل پڑھنے کی کراہت پر یقیناً دلالت کرتا ہے، پھر امام نووی کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ اس وقت صرف آنحضرت

ﷺ کا کوئی نفل نماز نہ پڑھنے کا حدیث میں ذکر ہے، یعنی نہی نہیں ہے، حالانکہ صریح ممانعت وارد ہے جیسا کہ سابقہ احادیث میں صراحت موجود ہے،

امام شعرانی نے ''المیزان الکبریٰ'' میں جو امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام احمد سے سنت فجر کے بعد کراہت نقل کی ہے----، اور امام مالک سے عدم کراہت کا قول نقل کیا ہے یہ ان کا تسامح ہے، جیسا کہ بیان ہوا امام ابو حنیفہ اور امام احمد نہ صرف سنت فجر کے بعد بلکہ طلوع فجر کے بعد ہی سے کراہت نفل کے قائل ہیں، البتہ امام مالک سے دو قول منقول ہے، ایک قول طلوع فجر کے بعد سے مطلق کراہت کا، دوسرا مطلق اباحت کا،

حافظ ابن حجر ''التلخیص الجیر'' میں فرماتے ہیں: امام ترمذی کا مذکورہ وقت میں کراہتِ نفل پر اجماع کا دعویٰ عجیب ہے، کیونکہ اس مسئلہ میں اختلاف معروف ہے، ابن المنذ روغیرہ نے اس اختلاف کو بیان کیا ہے، چنانچہ امام بصری نے فرمایا طلوع فجر کے بعد (سنت فجر کے علاوہ بھی) نفل پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے،- امام مالک کا ایک قول یہ ہے کہ جس کی صلاۃُ اللیل تہجد فوت ہو جائے وہ طلوع فجر کے بعد پڑھے، امام مروزی نے اس مسئلہ میں ائمہ کے اقوال کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ امام ترمذی کے قول میں اجماع سے مراد ''اکثر ائمہ کا اتفاق'' مراد ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ کراہتِ نفل بعد طلوع فجر پر اکثر ائمہ کا اتفاق ہے، یہی جمہور اہل علم کا قول ہے جیسا کہ قاضی عیاض نے بیان کیا ہے، اور بعض ائمہ کا اختلاف کوئی اہمیت نہیں رکھتا سنت وحدیث سب پر مقدم ہے اس کے بالمقابل کسی کا کوئی قول کچھ حیثیت نہیں رکھتا خواہ کوئی ہو۔

حافظ ابن حجر نے امام حسن بصری سے جو اباحت کا قول نقل کیا ہے یہ نقل محل

نظر ہے، قیام اللیل میں مروزی نے بیان کیا ہے کہ میں نے حسن بصری سے اس بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے کہا ”انی لأ کرہہ“ میں اس کو (طلوع فجر کے بعد نفل پڑھنے کو) مکروہ جانتا ہوں، اس کے خلاف میں نے کچھ نہیں سنا ہے۔ حافظ ابن حجر کے پاس ”قیام اللیل“ کا جو نسخہ تھا شاید اس میں ناسخ کی غلطی سے ”لأ کرہہ“ بلام تاکید کے بجائے ”لا اکرھہ“ بہ لام نفی لکھ گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ایک اشکال اور اس کا جواب: ابوداؤد اور نسائی میں عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا

يارسول الله اى الليل اسمع قال جوف الليل الآخر فصل ماشئت فان الصلوة مشهودة مكتوبة حتى تصلى الصبح ، ثم اقصر حتى تطلع الشمس – (واللفظ لابى ابو داؤد) (۱)

یارسول اللہ رات کا کون سا وقت زیادہ قبولیت دعا وعبادت کا وقت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا آخرِ شب کا جوف، اس وقت تم جتنی چاہو نماز پڑھو کیونکہ اس وقت کی نماز مشہودہ ہے تا آنکہ نماز فجر پڑھ لو، پھر طلوع آفتاب تک نماز سے رکے رہو،

یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ طلوع فجر کے بعد نماز فجر سے پہلے دو رکعت سنت فجر کے علاوہ مزید نوافل پڑھنا بلا کراہت جائز ہے،

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے،

قال عمرو بن عبسه السلمى ان رسول الله ﷺ قال له صلِ الصبح ثم اقصر عن الصلوة حتى تطلع الشمس فاذا طلعت فلا تصل حتى

---

(۱) ابوداؤد ج۱ ص۴۹۳، باب من رخص فيهم اذا كان الشمس مرتفعة، بیہقی ج۲ ص۴۵۵، نسائی ج۱ ص۶۸، باب اباحة الصلوة الى ان يصلى الصبح، نیز مسند احمد ج۴ ص۱۱۱-۱۱۴۔

ترتفع، فانها تطلع بین قرنی الشیطان و حینئذ یسجدلها الکفار...... الخ (۳)

عمرو بن عبسہ نے کہا کہ ان سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نماز فجر پڑھو پھر نماز سے طلوع آفتاب تک رکے رہو، جب آفتاب طلوع ہو تو بھی نماز نہ پڑھو حتی کہ آفتاب بلند ہو جائے، کیونکہ آفتاب شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے اس وقت کفار اس کو سجدہ کرتے ہیں،

اس روایت میں وہ جملہ جو محل استدلال ہے، یعنی "فصل ماشئت حتی تصلی الصبح"، نہیں ہے، اور صحیح مسلم کی روایت سنن کی روایت پر مقدم ہے، جیسا کہ معلوم و مسلّم ہے،

پھر مسند احمد اور قیام اللیل للمروزی کی روایت میں عمرو بن عبسہ کی حدیث میں جو الفاظ ہیں اس سے بھی حدیث مسلم کی تائید ہوتی ہے، عمرو بن عبسہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الصلاۃ مشھودۃ حتی ینفجر الفجر فاذا انفجر الفجر فامسک عن الصلاۃ الا رکعتین حتی تصلی الفجر، (۴)

نماز (آخر شب میں) مشہودۃ ہے (اس میں ملائکہ کی حاضری رہتی ہے) یہاں تک کہ فجر صادق طلوع ہو جائے اور جب فجر طلوع ہو جائے تو نماز سے رک جاؤ صرف دو رکعت سنت فجر پڑھو تا آنکہ پھر نماز فجر پڑھو......،

اور ابوداؤد و نسائی کی حدیث مذکور میں "فصل ماشئت" کا معنی بظاہر یہ ہے کہ "جوف لیل آخر" میں جتنی نماز چاہو پڑھو، یہی معنی ظاہر ہے کیونکہ سائل عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے رات ہی کے بارے میں پوچھا تھا کہ "ای اللیل اسمع واقرب" رات کا کون سا حصہ کون سا وقت زیادہ اجابت دعا و قبولیت عبادت کا وقت ہے، اسی کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا: "آخر شب کا وقت اس میں جتنی نماز چاہو

پڑھو، فجر صادق کے طلوع ہونے تک، کیونکہ طلوع فجر صادق کے بعد قیام لیل کا حکم مرتفع ہوجاتا ہے، اور نماز فجر کا وقت ہوجاتا ہے، آنحضرت ﷺ کے قول "حتی تصلی الصبح" کا یہی معنی ہے، کہ جب تم نماز شب سے فارغ ہوگئے، اور فجر صادق طلوع ہوگئی اور نماز فجر کا وقت ہوگیا تو اب نماز فجر پڑھو اور پھر نوافل سے رکے رہو تا آنکہ آفتاب طلوع ہوکر بلند ہوجائے، اس حدیث میں بعض اوقات نہی کا بیان ہے، رہا طلوع فجر کے بعد نماز کا حکم تو یہ حدیث اس سے ساکت ہے، اس کا حکم دوسری حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اس میں سنت فجر کے علاوہ کوئی نفل نماز منع ہے،

اسی کے مثل اس کی ایک اور نظیر طبرانی کی یہ حدیث ہے "ھلب طائی رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے پوچھا دن اور رات کے کسی وقت میں نماز پڑھنا منع ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا نہیں، مگر آفتاب کے طلوع و غروب کے وقت کیونکہ آفتاب شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے۔ اس حدیث میں ان دو وقتوں میں نماز سے منع کیا گیا ہے، طلوع آفتاب کے وقت اور غروب آفتاب کے وقت رہا استواء شمس، یعنی نصف النہار کا وقت تو یہ حدیث اس سے ساکت ہے، یہ دوسری حدیثوں میں بیان ہوا ہے کہ استواء شمس کے وقت بھی نماز پڑھنا منع ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ فوت شدہ نماز فرض اور سنت کی قضا اور ذات السبب نمازیں ان اوقات میں جائز ہیں اور اس نہی عام سے مخصوص و مستثنیٰ ہیں تو اس کی تفصیلی و تحقیقی بحث آگے فصل ہشتم میں آرہی ہے۔ ان شاء اللہ۔

اگر کسی کو یہ اشکال ہو کہ مسلم کی حدیث مذکور میں ایک راوی عکرمہ بن عمار ہیں اور وہ متکلم فیہ ہیں، امام ذہبی نے "میزان الاعتدال" میں اس کے ترجمہ میں نقل کیا ہے کہ یحییٰ بن سعید القطان نے کہا: یحییٰ بن کثیر سے اس کی روایات ضعیف ہیں، امام احمد بن حنبل نے کہا: وہ ضعیف الحدیث ہیں، ریاض بن سلمہ سے اس کی روایت صالح ہے،

یحییٰ بن کثیر سے اس کی روایات ضعیف ہیں، صحیح نہیں ہیں، امام بخاری نے کہا: اس کے پاس کتاب نہیں (جس میں حدیثیں مکتوب ومحفوظ ہوں) اس لئے یحییٰ بن کثیر سے اس کی روایات میں اضطراب ہے،

تو اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اگر کچھ محدثین امام احمد وغیرہ نے اس کی تضعیف کی ہے تو ایک جماعت نے اس کی توثیق کی ہے، امام ذہبی نے ''میزان الاعتدال'' میں اس کے ترجمہ وتذکرہ میں لکھا ہے: عکرمہ بن عمار ابو عمار عجلی نے طاؤس، سالم، عطاء یحییٰ بن کثیر سے حدیثیں روایت کی ہیں، اور ان سے یحییٰ القطان، ابن مہدی وغیرہ نے احادیث روایت کی ہیں، امام ابو حاتم نے یحییٰ بن معین سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا: عکرمہ بن عمار امی تھے (لکھ پڑھ نہیں سکتے تھے، مگر حافظ (صاحب حفظ واتقان) تھے، ابو حاتم رازی نے کہا: وہ صدوق تھے، کبھی ان سے وہم ہو جاتا تھا، یعقوب بن شیبہ نے کہا ہم سے متعدد لوگوں نے بیان کیا ہے کہ عکرمہ کے متعلق یحییٰ بن معین نے کہا: وہ ثقہ تھے، عاصم بن علی نے کہا: وہ مستجاب الدعوات تھے، امام حاکم نے کہا: امام مسلم نے ان سے بکثرت استشہاد کیا ہے، محمد بن عثمان نے کہا کہ میں نے علی بن المدینی کو یہ کہتے سنا کہ: عکرمہ بن عمار ہمارے اصحاب (یعنی اصحاب الحدیث) کے نزدیک ثقہ تھے، ثبت تھے،

فصل ہشتم

اقامت شروع ہو جانے کے بعد سنت فجر پڑھنا منع ہے

اقامت شروع ہو جانے کے بعد سنت فجر پڑھنا ممنوع و مکروہ ہے خواہ مسجد میں صفوں کے درمیان یا صفوں کے قریب پڑھے یا صف سے علیحدہ کسی طرف کنارے پڑھے خواہ مسجد کے باہر دروازہ پر یا گھر میں پڑھے، اور خواہ اس کا یقین ہو یا نہ ہو کہ سنت کے بعد فرض کی پہلی رکعت مل جائے گی، یہی جمہور سلف صحابہ و تابعین کا قول و عمل تھا، او ریہی حق ہے، کیونکہ یہی احادیث نبویہ صحیحہ سے ثابت ہے، جو صحابہ کرام کی ایک جماعت حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبد اللہ بن مالک ابن بحینہ، حضرت عبد اللہ بن سرجس، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت انس بن مالک، حضرت جابر، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت عائشہ صدیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں،

(۱) **حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ:** یہ حدیث مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد، طحاوی، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان وغیرہ میں متعدد اسانید وطرق سے بہ طریق عمرابن دینار از عطاء ابن یسار از ابی ہریرہ مروی ہے، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

اذا اقیمت الصلوة فلا صلاة الا المکتوبة (و فی روایة لاحمد والطحاوی............فلا صلوة الا التی اقیمت لها) (۱)

---

(۱) صحیح مسلم ج۱ص ۲۴۷، باب کراهة الشروع فی نافلة بعد شروع المؤذن فی اقامة الصلوة، دارمی ج۱ص ۳۳۷، باب اقیمت الصلوة فلا صلاة الا المکتوبة، ابوداؤد ج۱ص ۴۸۹، باب اذا اقیمت الصلوة فلا صلاة الا المکتوبة، ترمذی ج۱ص۱۰۰، اذا اقیمت الصلوة عند الاقامة، طحاوی ج۱ص ۲۵۵، باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلاة الفجر، =

جب فرض نماز کے لئے اقامت ہو تو پھر اس فرض نماز کے علاوہ کہ جس کے لئے اقامت ہو رہی ہے کوئی دوسری نماز نہیں ہے،

امام خطابی، امام نووی اور حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: اس حدیث میں اقامت شروع ہو جانے کے بعد کوئی دوسری نماز پڑھنے کی صریح نہی وممانعت ہے خواہ وہ سنت موکدہ اور سنت فجر ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ فرمایا کہ **"اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلاۃ الا المکتوبۃ"** (جب فرض نماز کے لئے اقامت ہو تو پھر اس فرض کے علاوہ کوئی دوسری نماز نہیں) تو جیسا کہ بیہقی اور ابن عدی کی ایک روایت میں ہے: آپ ﷺ سے کہا گیا" **ولا رکعتی الفجر؟**" کیا سنت فجر بھی نہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:" **ولا رکعتی الفجر**" سنت فجر بھی نہیں (☆) اس روایت کی اسناد کو حافظ ابن حجر نے حسن کہا ہے، (فتح الباری) نیز علامہ زرقانی نے "شرح موطا" میں اور شیخ سلام اللہ نے "محلی شرح موطا" میں کہا ہے: زاد فی روایۃ ابن عدی باسناد حسن "**قیل یا رسول اللہ ولا رکعتی الفجر؟ قال ولا رکعتی الفجر**". اس روایت سے متعلق مزید تحقیق وتفصیل آگے آئیگی ان شاء اللہ۔

اسی طرح معجم کبیر طبرانی میں مروی حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ "رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ موذن کے اقامت شروع کر دینے کے وقت سنت فجر پڑھ رہا ہے تو نبی ﷺ نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: "یہ اقامت سے پہلے کیوں نہیں پڑھ لیا" - حافظ عراقی نے نیز مولانا شوق

=مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۱، ۴۵۵، ۵۱۷، ۵۳۱، بیہقی ج ۲ ص ۴۸۲، صحیح ابن خزیمہ ج ۲ ص ۱۶۹۔

(☆) بیہقی ج ۲ ص ۴۸۳، کامل ابن عدی: ترجمہ یحییٰ بن نصر حاجب، اور بیہقی کی ایک روایت میں جو "الا رکعتی الفجر" یعنی سنت فجر کا استثناء ہے، امام بیہقی نے خود فرمایا ہے کہ "**لا اصل لہ**" وہ بے بنیاد ہے اس کی کوئی اصل نہیں، مزید تحقیق وتفصیل آگے اپنے موقع پر آئے گی۔ ان شاء اللہ۔

نیموی نے بھی اس روایت کو جید الاسناد کہا ہے،

بخاری ومسلم وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن مالک ابن بحینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دیکھا کہ ایک شخص نماز فجر کی اقامت ہو جانے کے بعد سنت فجر پڑھ رہا ہے تو نماز کے بعد آپ ﷺ نے اسے اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا: کیا تم نماز صبح چار رکعتیں پڑھو گے، کیا نماز صبح چار رکعت ہے؟"۔

مسلم، ابو داود، نسائی وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ فجر کی نماز کے لئے ایک صحابی مسجد میں داخل ہوئے، نبی ﷺ نماز فجر شروع کر چکے تھے، صحابی نے صف کے پیچھے مسجد کے کنارے ایک طرف دو رکعتیں سنت فجر پڑھی پھر نبی ﷺ کے ساتھ نماز میں شریک ہوئے، نماز کے بعد نبی ﷺ نے ان صحابی سے کہا: تم نے کس نماز کا اعتبار کیا اپنی تنہا پڑھی ہوئی نماز کا یا ہمارے ساتھ پڑھی ہوئی نماز کا؟ آنحضرت ﷺ نے اس سے یہ منع اور نکیر کے طور پر کہا مطلب یہ تھا کہ اقامت کے بعد فرض نماز کے بجائے سنت میں مشغول ہونا صحیح نہیں ہے۔ یہ حدیثیں تفصیل کے ساتھ آگے آ رہی ہیں، ان شاء اللہ۔

اس حکم کی حکمت: ان احادیث سے اس حکم کی علت وحکمت بھی معلوم ہوئی، اور وہ یہ ہے کہ فرض کی اہمیت بہر حال سنت سے کہیں زیادہ ہے، اس لئے اقامت شروع ہونے کے ساتھ فرض کے لئے یکسو ہو جانا ضروری ہے تاکہ فرض کا اولین جزء تحریمہ و قیام امام کے ساتھ ہو فوت نہ ہونے پائے، اگر کوئی اقامت کے وقت یا اقامت ہونے کے بعد سنت میں مشغول ہوگا تو خواہ مخواہ وہ مؤخر ومسبوق ہو جائے گا، امام کے نماز شروع کرنے کے ساتھ نماز میں داخل نہ ہو سکے گا فرض اور جماعت کسی بھی نفل و سنت سے بہر حال اہم ہے، اس لئے فرض با جماعت کی امامت ہو رہی ہو یا ہو چکی ہو اور نماز شروع ہونے والی ہو تو سنت پڑھنے اور فرض کے بجائے سنت میں مشغول

ہونے یا مشغول رہنے کی اجازت نہیں ہے، بلکہ حق یہ ہے کہ سنت توڑ دے جماعت میں شامل ہوجائے اور سنت فرض کے بعد پڑھے، اب وہی اس کا وقت ہے، اس طرح اول سے جماعت میں شمولیت بھی ہوگی، سنت کی بھی ادائیگی ہوجائے گی اور دونوں کی فضیلتیں بھی حاصل ہوجائیں گی، اور احادیث رسول کی خلاف ورزی بھی نہیں ہوگی، بلکہ یہ عین سنت کے مطابق ہوگا، مزید تفصیلات موقع موقع سے آئندہ صفحات میں آئیں گی، ان شاء اللہ۔

امام طحاوی کا اس حدیث کو موقوف قرار دینا درست نہیں ہے: امام طحاوی نے ''شرح معانی الآثار'' میں بیان کیا ہے کہ مذکورہ حدیث ابو ہریرہ مرفوع نہیں موقوف ہے حدیث نبوی نہیں ابو ہریرہ کا اپنا قول ہے، جیسا کہ حفاظ حماد بن زید، حماد بن سلمہ او رسفیان بن عیینہ نے عمرو بن دینار سے روایت کیا ہے،

جواب یہ ہے کہ امام طحاوی کا یہ ادعاء ان کے غایت تعصب اور مذہب کی بیجا پاسداری پر مبنی ہے، کہ وہ ایک ثابت شدہ مرفوع حدیث نبوی کو موقوف کہہ رہے ہیں رواۃ حفاظ کی ایک جماعت ورقاء بن عمر، زکریا بن اسحٰق، ایوب سختیانی، زیاد بن سعد، اسماعیل بن مسلم، محمد بن جحادہ، اسماعیل بن ابراہیم بن مجمع اور ابن جریج نے اسے عمرو بن دینار سے مرفوعا روایت کیا ہے، اور رفع (اگر وہ ثقہ سے مروی ہو) تو وہ وقف پر مقدم ہوتا ہے، مقبول ہوتا ہے اگر چہ مرفوعا روایت کرنے والوں کی تعداد کم ہو اور اگر ان کی تعداد زیادہ ہو تو بلا شبہ بدرجہ اولیٰ وہ مقدم و مقبول ہوگا، یہ ایک معروف و مسلم اصول ہے،

امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث ایسے ہی ایوب سختیانی، ورقاء بن عمر، زیاد بن سعد، اسماعیل بن مسلم، محمد بن جحادہ وغیرہ نے عمرو بن دینار سے مرفوعا روایت کیا ہے، حماد بن زید اور سفیان بن عیینہ نے عمرو بن دینار سے یہ حدیث موقوفاً روایت

کیا ہے، مرفوع روایت زیادہ صحیح ہے۔ (جامع ترمذی)

امام بیہقی ''معرفۃ السنن'' میں فرماتے ہیں: ''امام مسلم نے اسے زکریا بن اسحٰق، ورقاء بن عمر اور ایوب سختیانی سے مرفوعا روایت کیا ہے ان رواۃ کے علاوہ ایک جماعت نے اسے عمرو بن دینار سے مرفوعاً روایت کیا ہے، اگر بعض رواۃ نے کبھی موقوفاً بھی روایت کیا ہے تو اس سے حدیث کا فی اصلہ موقوف ہونا لازم نہیں آتا''۔

جن بعض حفاظ یعنی سفیان بن عیینہ، حماد بن زید، اور حماد بن سلمہ نے یہ حدیث موقوفا روایت کی ہے انھوں نے مرفوعا بھی روایت کیا ہے، چنانچہ امام بیہقی ''معرفۃ السنن'' میں اپنی سند سے بطریق سعید بن منصور حدثنا سفیان ... یہ حدیث موقوفا روایت کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ سعید بن منصور نے سفیان سے کہا یہ حدیث مرفوع ہے؟ حضرت سفیان نے کہاں ہاں، - اسی طرح حماد بن سلمہ سے یہ حدیث طحاوی میں موقوفا مروی ہے تو انہی سے ابوداؤد اور دارمی میں مرفوعا مروی ہے، - اسی طرح حماد بن زید سے صحیح مسلم میں یہ حدیث مرفوعا ہی مروی ہے، امام نووی ''شرح مسلم'' میں فرماتے ہیں: ''حماد بن زید نے یہ حدیث مرفوعاً روایت کرنے کے بعد جو یہ کہا ہے کہ ''پھر حماد بن زید سے میری ملاقات ہوئی اور انھوں نے مجھ سے یہ حدیث روایت کی تو مرفوع نہیں روایت کیا'' تو یہ کلام اس حدیث کی صحت اور اس کے مرفوع ہونے میں قادح نہیں ہے، کیونکہ اکثر حفاظ نے اسے عمرو بن دینار سے مرفوع روایت کیا ہے، اور ہم نے مقدمہ کتاب کی فصول سابقہ میں بیان کردیا ہے کہ صحیح مذہب کی رو سے وقف مقدم ہے، اگرچہ مرفوع روایت کرنے والوں کی تعداد کم ہو''۔ (۲)

---

(۲) امام ابن حزم فرماتے ہیں: ابن جریج، زکریا بن اسحاق اور ایوب سختیانی، سفیان بن عیینہ، حماد بن سلمہ اور حماد بن زید سے کم درجہ نہیں ہیں، پھر حماد بن سلمہ سے جس راوی نے مرفوعا روایت کیا ہے وہ اس راوی سے اوثق ہے جس نے موقوفا روایت کیا ہے، (محلی ج ۳ ص ۱۰۸، ۱۰۹) امام ابوحنیفہ سے بھی یہ حدیث مسند خوارزمی اور عقود الجواھر میں مرفوعا روایت کی گئی ہے، یہ حنفیہ پر بطور خاص حجت ہے،

اصل یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کبھی ازراہ اختصار یا بموقع افتاء نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب کئے بغیر صرف متن حدیث کو روایت کیا اور مسئلہ بتادیا، تو یہ حدیث کے مرفوع ہونے اور اس کے کلام نبوی ہونے کے معارض نہیں ہے بلکہ یہ اسی حدیث کی روشنی میں حضرت ابو ہریرہ کا فتوی ہے، جو اصل کے اعتبار سے در حقیقت حدیث نبوی ہی ہے، جیسا کہ خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اسے نبی اکرم ﷺ سے سن کر بیان کیا ہے، اسی کو اکثر حفاظ نے عمرو بن دینار سے روایت کیا ہے،

اذا اقیمت الصلوة فلا صلاة ... کا معنی: فرمان رسول ﷺ ”**اذا اقیمت الصلوة**“ کا معنی جیسا کہ حافظ ابن حجر نے ”فتح الباری“ میں بیان کیا ہے یہ ہے کہ ”جب اقامت شروع ہو جائے“، چنانچہ اسی حدیث ابو ہریرہ میں جو صحیح ابن حبان میں بطریق محمد بن جحادہ عن عمرو بن دینار مروی ہے یہ لفظ ہے ”**اذا اخذ الموذن فی الاقامة**“ یعنی جب موذن اقامت شروع کر دے یا اقامت کہنے لگے...“،

اور ”لاصلوۃ“ کا معنی یا تو یہ ہے کہ نماز صحیح نہیں ہوگی، یا یہ ہے کہ نماز کامل نہیں ہوگی، یعنی حرف نفی ”لا“ نفی صحت کے لئے ہے یا نفی کمال کے لئے ہے، پہلا معنی اولیٰ ہے کیونکہ وہ ”لا“ کے حقیقی معنی نفی حقیقت کے قریب تر ہے...، لیکن نبی ﷺ نے اقامت کے وقت نماز یعنی سنت فجر پڑھنے والے شخص کو نماز توڑنے کا حکم نہیں دیا اور انکار و نکیر پر ہی اکتفاء کیا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ”لا“ یہاں نفی کمال کے لئے ہے،... یہ بھی احتمال ہے کہ ”لا“ نہی کے لئے ہو جیسے کہ آیت کریمہ ”**لا رفث و لا فسوق ولا جدال فی الحج**“ میں ہے، اس صورت میں معنی ہوگا ”**فلا تصلو**...“، یعنی اقامت کے وقت کوئی نماز نہ پڑھو، اس معنی کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جسے امام بخاری نے ”تاریخ“ میں امام بزار نے ”مسند“ میں حضرت

انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے یعنی نبی ﷺ نے منع فرمایا کہ اقامت کے وقت نماز پڑھی جائے ،(نهى ان يصلى اذا اقيمت..(۳)

نیل الاوطار میں ہے کہ امام قرطبی نے ”المفہم“ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور اہل ظاہر (علمائے ظاہریہ) سے نقل کیا ہے کہ اقامت صلوۃ کے وقت نماز نفلی، سنت منعقد نہیں ہوتی، یہی قول ظاہر حدیث کے مطابق ہے اگر (اذا اقيمت الصلوة میں) اقامت صلوۃ سے مراد وہ اقامت ہو جو موذن کہتا ہے، جیسا کہ یہی معنی ظاہر اور متعارف ہے، حافظ عراقی نے کہا: یہی معنی متبادر الی الاذہان ہے،- اور اگر اقامت صلوۃ سے مراد نماز بالفعل قائم کرنا ہو جیسا کہ یہی اس کا حقیقی معنی ہے، تو اس معنی کے اعتبار سے موذن کے اقامت شروع کرنے کے وقت نماز نفل سنت شروع کرنا مکروہ نہیں ہوگا،

اور اگر ”اذا اقيمت الصلوة“ میں اقامت صلوۃ کا وہی پہلا معنی مراد ہو تو پھر کیا یہ معنی ومقصود ہے کہ جب موذن اقامت سے فارغ ہو جائے ، یا یہ معنی ہے کہ جب موذن شروع کرے، حافظ عراقی نے کہا احتمال ہے کہ دونوں معنی مراد ہو، اور ظاہر یہ ہے کہ ”جب موذن اقامت شروع کرے“ مراد ہے، اور مقصود یہ ہے کہ مصلیان امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ پانے اور اس کے ساتھ نماز فرض شروع کرنے کے

---

(۳) امام ہیثمی نے ”مجمع الزوائد“ (ج۲ص۷۶) میں اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا: یہ شریک بن نمر کی روایت ہے، اس کے بارے میں امام بخاری نے ”تاریخ کبیر“ (ج۱ص۱۸۶) میں کہا: ”الاصح عن شريک عن ابی سلمه مرسلاً“ اس کی سند میں ایک راوی عثمان بن محمد بن عثمان ہیں، ابن القطان نے ان کو ضعیف کہا ہے، عبدالحق اشبیلی نے کہا: اس کی روایت پر وہم غالب ہے“،- امام مالک نے اسے موطا میں مرسلاً روایت کیا ہے، اور ابن خزیمہ نے ”صحیح“ میں روایت کیا ہے، اس کی اسناد صحیح ہے، ابن خزیمہ نے یہ بیان کیا ہے کہ ابراہیم بن طہمان نے شریک بن نمر سے مسنداً بھی روایت کیا ہے اور مرسلاً بھی روایت کیا ہے۔

لئے یکسو اور مستعد ہو جائیں، اس معنی کے مراد ہونے کی تائید حضرت ابو موسی اشعری اور حضرت عبداللہ بن عباس کی حدیثوں سے ہوتی ہے، جو گذر چکی ہیں اور آئندہ بھی آئیں گی اور خود اسی حدیث ابو ہریرہ سے بھی اسی معنی کی تائید ہوتی ہے، ان حدیثوں میں یہ لفظ وارد ہے "**اذا اخذ الموذن فی الاقامة**" یا "**حین اخذ الموذن یقیم**" جو اس معنی پر دلالت کرتا ہے کہ جب موذن اقامت شروع کرے اسی وقت سے کراہت شروع ہو جاتی ہے اور کوئی نفل اور سنت پڑھنا مکروہ و ممنوع ہو جاتا ہے۔

اس حدیث میں فرمان رسول ﷺ "**الا المکتوبة**" میں مکتوبہ عام نہیں ہے کوئی بھی فرض نماز مراد نہیں ہے بلکہ اس میں الف لام عہد کے لئے ہے اور خاص وہ صلوۃ مکتوبہ وہ فرض نماز مراد ہے جس کی اقامت ہو رہی ہے، مسند احمد اور طحاوی میں مروی حدیث ابو ہریرہ کے اندر اس کی تصریح ہے "**الا التی اقیمت لها**" وہ فرض نماز جس کے لئے اقامت ہو رہی ہے۔

بہر حال اس تفصیل سے ثابت ہے کہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور اس کے مثل دیگر احادیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ اقامت صلوۃ کے وقت یا اقامت صلوۃ کے بعد جب کہ نماز فرض با جماعت شروع ہو رہی ہو کوئی نفل کوئی سنت، سنن موکدہ ہوں یا اس کے علاوہ، سنت فجر ہو یا دیگر اوقات کی سنتیں، سب ممنوع ہیں، اس بابت امام خطابی، امام نووی اور حافظ ابن حجر کا کلام پہلے ذکر کیا جا چکا ہے،

امام طحاوی کی تاویل اور اس کا رد: امام طحاوی نے یہاں جو تاویل کی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ نہی کا مورد اور اس سے مراد یہ ہو کہ اقامت کے وقت یا اقامت کے بعد فرض نماز کے مقام میں کوئی سنت نہ پڑھی جائے کہ اس طرح فرض اور نفل میں اختلاط ہو جائے اور دونوں میں فصل نہ ہو، اور اگر مقام فرض سے علیحدہ مسجد میں کسی ایک طرف ہٹ کر اقامت کے وقت یا اقامت کے بعد سنت پڑھے تو اس حدیث میں اس کی ممانعت

نہیں ہے،- امام طحاوی کی یہ تاویل فاسد و باطل ہے، عبداللہ بن سرجس کی حدیث جو مسلم وغیرہ کے حوالہ سے گذر چکی ہے اس میں تصریح ہے کہ:

ایک صحابی نے اقامت کے بعد صف سے علیحدہ مسجد میں ایک طرف کنارے سنت فجر پڑھا پھر بھی رسول اللہ ﷺ نے نماز کے بعد اس پر نکیر فرمائی، نیز حدیث ابو ہریرہ عام ہے، اس میں اسطرح کی کسی تخصیص کا کوئی قرینہ نہیں ہے، یہ تخصیص بے دلیل ہے، نیز اس کے خلاف حدیث عبداللہ بن سرجس عدم تخصیص اور عموم کی صریح دلیل ہے،

اسی طرح امام طحاوی نے جو یہ کہا ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت اس مسئلہ میں حضرت ابو ہریرہ کے خلاف ہے، تو یہ بھی صحیح نہیں اگر بعض صحابہ خلاف ہیں تو بہت سے صحابہ حضرت عمر و ابن عمر وغیرہ موافق ہیں، جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا، پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تو سنت رسول پاک ﷺ ہے، اس کے بالمقابل کسی کی مخالفت چنداں مضر نہیں، حدیث رسول ہی واجب القبول ہوگی،

(۲) حدیث عبداللہ بن مالک ابن بحینہ رضی اللہ عنہ: یہ حدیث امام بخاری، امام مسلم، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام دارمی اور امام طحاوی وغیرہ نے روایت کیا ہے، عبد اللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

مر النبی ﷺ برجل وقد اقیمت الصلوۃ یصلی رکعتین... فلما انصرف رسول اللہ ﷺ راث به الناس فقال له رسول اللہ ﷺ: أالصبح اربعا، أ الصبح اربعا،

وفی روایة مسلم ... مر برجل یصلی و قد اقیمت الصلوۃ فکلمه بشیء لاتدری ماھو فلما انصرفنا احطنا به نقول ماذا قال لک رسول اللہ ﷺ قال قال لی "یوشک احدکم یصلی الصبح اربعا،- وفی

روایة له رأی رجلا یصلی والموذن یقیم فقال اتصلی الصبح اربعا (۴)

نبی ﷺ مسجد آئے، اقامت ہوچکی تھی (مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ اقامت ہورہی تھی) آپ ﷺ کی نظر ایک شخص پر پڑی جو اس وقت دو رکعتیں سنت فجر پڑھ رہا تھا، آنحضرت ﷺ اس سے یہ کہتے ہوئے گذرے نماز صبح چار رکعت پڑھو گے، نماز صبح چار رکعت پڑھ رہے ہو، ابن بحینہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم سن نہ سکے کہ آنحضرت ﷺ نے اس شخص سے کیا کہا؟ جماعت کے بعد ہم اس شخص کے اردگرد جمع ہوگئے پوچھنے لگے رسول اللہ ﷺ نے تم سے کیا کہا؟ اس شخص نے بتایا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا نماز صبح چار رکعت پڑھو گے... (مختلف روایات کے الفاظ کو پیش نظر رکھ کر یہ ترجمہ کیا گیا ہے ممکن ہے کہ نبی ﷺ نے اس شخص سے یہ جملہ جماعت سے پہلے بھی کہا ہو آہستہ جس کو لوگ سن نہ سکے اور پھر جماعت کے بعد جب لوگ اس شخص سے پوچھنے لگے کہ آنحضرت نے تم سے کیا کہا تو آپ ﷺ نے پھر دوبارہ کہا ہو۔- فتح الباری)

علامہ نووی، علامہ عینی (قاضی عیاض، حافظ ابن حجر وغیرہ شارحین حدیث) نے بیان کیا ہے کہ "فرمان رسول "**اتصلی الصبح اربعا**" میں ہمزہ استفہام انکارو توبیخ کے لئے ہے آپ ﷺ کا مقصود اقامت کے وقت یا اقامت کے بعد سنت پڑھنے سے منع کرنا اور اس پر زجر وتوبیخ کرنا ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اقامت کے بعد دو رکعت سنت ونفل پڑھے پھر معاً جماعت کے ساتھ دو رکعت فجر پڑھے تو چونکہ اس نے اقامت کے بعد چار رکعت پڑھی اس لئے گویا اس نے فجر چار رکعت پڑھی، حالانکہ فجر دو ہی رکعت پڑھنی ہے"۔- الغرض یہ حدیث بھی اقامت کے وقت سنت فجر

---

(۴) بخاری: ج ۱ ص ۹۱ باب اذا اقیمت الصلوة فلا صلوة الا المکتوبة، مسلم ج ۱ ص ۲۴۷، نسائی ج ۱ ص ۱۰۱، باب ما یکره من الصلوة عند الاقامة، ابن ماجہ ص ۸۲، مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۵، طحاوی ج ۱ ص ۲۵۶، دارمی ج ۱ ص ۱۳۸، نیز بیہقی ج ۲ ص ۴۸۱۔

پڑھنے کی ممانعت وکراہت پر دلالت کرتی ہے،

امام طحاوی کی تاویل: امام ابو جعفر طحاویؒ اس حدیث کی تاویل میں راہِ جدال اختیار کرتے ہوئے حدِ اعتدال سے تجاوز کر گئے ہیں، فرماتے ہیں: ہوسکتا ہے رسول اللہ ﷺ نے اس لئے ان صحابی کے طرز عمل پر ناپسندیدگی ونکیر فرمائی کہ انھوں نے جہاں سنت فجر پڑھی اسی جگہ فجر پڑھنے کے لئے کھڑے ہو گئے سنت کو فرض کے ساتھ موصول کر دیا، جگہ بدل کر یا دونوں کے درمیان کلام کر کے فصل نہیں کیا، اگر یہی وجہ ہو تو یہ ہم سب کے نزدیک بالاتفاق موردِ نہی اور ممنوع ہے، اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا کوئی روایت ایسی ہے جس سے اس معنی کی تائید ہوتی ہو، تو مندرجہ ذیل روایت اس معنی کی تائید کرتی ہے:

عن محمد بن عبد الرحمن ان رسول الله ﷺ مربعبد الله بن مالک ابن بحينه وهو منتصب يصلى ثمه بين نداء الصبح فقال: لاتجعلوا هذه الصلوة كصلاة قبل الظهر وبعدها و اجعلوا بينهما فصلا.

محمد عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عبداللہ بن مالک ابن بحینہ کے پاس سے گذرے اور وہ اقامت فجر کے دوران سنت پڑھ رہے تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس سنت کو ظہر سے پہلے اور بعد کی سنت کی طرح نہ بنالو، فجر کی سنت وفرض کے درمیان فصل کرو۔

روایت حدیث کے بعد امام طحاوی فرماتے ہیں: ''اس روایت نے واضح کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن بحینہ کے جس طرز عمل پر کراہت کا اظہار کیا وہ یہ تھا کہ انھوں نے سنت کو فرض کے ساتھ موصول کر دیا بایں صورت کہ دونوں کو ایک ہی جگہ پڑھا، جگہ تبدیل کر کے یا دونوں کے درمیان کلام کر کے ایک کو دوسرے سے مفصول نہیں کیا جو درست نہیں خلاف اولیٰ ہے، اسی لئے آنحضرت ﷺ نے ان پر نکیر و

ناراضگی فرمائی، اس لئے نہیں کہ انھوں نے مسجد میں اقامت کے وقت یا اقامت کے بعد سنت پڑھی پھر جماعت میں شامل ہوئے اور لوگوں کے ساتھ فرض پڑھا"۔

جواب: "شرح معانی الآثار" میں امام طحاوی کی سند یہ ہے:

"قال حدثنا ابراھیم بن مرزوق ثنا ھارون بن اسماعیل ثنا علی بن المبارک ثنا یحییٰ بن ابی کثیر عن محمد بن عبدالرحمن ان رسول اللہ ﷺ..." ، امام احمد نے بھی "مسند" میں یہ حدیث محمد بن عبدالرحمٰن مذکور سے روایت کی ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" میں اس کی تصریح کی ہے، اس سند کے پہلے راوی ابراہیم بن مرزوق بن دینار بصری ہیں وہ ثقہ ہیں لیکن آخر عمر میں نابینا ہوگئے تھے، اسلئے روایت میں خطا کر جاتے تھے مگر رجوع نہیں کرتے تھے، اور آخری راوی محمد بن عبد الرحمٰن بن ثوبان قرشی عامری مولیٰ بنی زہرہ ہیں ان سے صرف یحییٰ بن ابی کثیر نے روایت کیا ہے، تقریب میں ہے: **ثقة ثبت یدلس و یرسل من الخامسه.**

امام بخاری اور امام مسلم نے بطریق محمد بن عبدالرحمٰن مولی بنی زہرہ عن ابی سلمہ حدیث روایت کی ہے (میزان الاعتدال وتقریب التھذیب)، وہ اگرچہ ثقہ ہیں لیکن ان کی یہ روایت مرسل ہے، کیونکہ یہ طبقہ ثالثہ (یعنی   ) سے ہیں جو صحابہ کے واسطہ سے نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں نہ کہ براہ راست نبی ﷺ سے اور مذکورہ حدیث کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ کے وقت حاضر تھے اور واقعہ کو دیکھا اور نبی ﷺ سے اس موقع کا کلام سنا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، اس لئے یہ حدیث مرسل ہے،

بہر حال سند کے اندر ضعف ہے، اس سے قطع نظر یہ حدیث امام طحاوی کے مدعیٰ پر دلالت نہیں کرتی بلکہ ان کے خلاف یہ ہماری دلیل ہے، رسول اللہ ﷺ نے یہاں دو حکم دیا ہے:

ایک فجر کی سنت اور فرض کے درمیان فصل کرنے کا

دوسرا سنت فجر کو ظہر کی قبلی اور بعدی سنت کے مثل نہ بنانے کا

اب ظاہر ہے کہ فجر کی سنت اور فرض کے درمیان جس فصل کا حکم ہے وہ ایسا ہونا چاہئے کہ فصل بھی ہو اور سنت ظہر کے مثل بھی نہ ہو، اور وہ یوں متحقق ہوگا کہ فجر کی سنت فرض کی اقامت کے وقت نہ پڑھے اس سے قدرے پہلے بلکہ خاصی پہلے پڑھے تا کہ سنت بھی پڑھ لے اور سنت فجر کے تابع جو بعض مستحبات ہیں جیسے اضطجاع علی الیمین اس کی بھی ادائیگی کر لے، بخلاف سنت ظہر کے، کہ اسے بھی اگر چہ اقامت سے پہلے ہی پڑھنا ہے لیکن متصلاً پہلے بھی پڑھ سکتا ہے، کیونکہ اس کے بعد کسی مستحب کی ادائیگی باقی نہیں رہتی، اس طرح حدیث شریف میں مذکور دونوں حکم کی تعمیل ہوگی، فجر کی سنت اور فرض کے درمیان فصل بالزمان بھی ہو جائے گا اور سنت فجر سنت ظہر کے مثل بھی نہ ہوگی بلکہ اس کا ایک امتیاز قائم رہے گا جو مطلوب ہے، اور سنت فجر کی خصوصیات میں سے ہے، اور اقامت کے وقت یا اس کے بعد سنت پڑھنے کی نہی و ممانعت تو عام ہے نہ صرف سنت فجر کے بلکہ تمام سنن رواتب کے بارے میں ہے سنت فجر کی خصوصیت نہیں سنت فجر کی خصوصیات میں سے وہ ہے جو اوپر مذکور ہوا،

اس طرح سنت اور فرض کے درمیان فصل بالمکان دونوں کی جگہ تبدیل کر کے پڑھنا یہ بھی فجر کی سنت اور فرض کے ساتھ خاص نہیں ہے، ہر فرض نماز اور اس کے تابع سنت کا یہی حکم ہے کہ پہلی نماز (سنت یا فرض) کی جگہ بدل کر، یا آگے پیچھے، یا دائیں بائیں ہو کر دوسری نماز (فرض یا سنت) پڑھی جائے، اس مسئلہ سے متعلق احادیث آگے درج ہوں گی،

اب اگر بقول امام طحاوی حدیث مذکور میں فجر کی سنت و فرض کے درمیان فصل کرنے کا جو حکم آنحضرت ﷺ نے دیا ہے اس سے مراد فصل بالمکان ہو اور آنحضرت ﷺ نے ان صحابی کو گویا اس لئے ٹوکا تھا کہ انھوں نے سنت و فرض دونوں

ایک جگہ پڑھی جگہ تبدیل نہیں کی، آگے پیچھے نہیں ہوئے، تو دوسرے حکم ”**لا تجعلوا هذه الصلوة كصلوة قبل الظهر و بعدها**“ کا کوئی مطلب نہیں رہ جائے گا، جگہ کی تبدیلی اور فصل بالمکان کا حکم تو ظہر اور اس کی توابع سنتوں سے متعلق بھی ہے یہ فجر کی کوئی خصوصیت نہیں،

(پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ ابھی تو فجر کی اقامت ہی ہو رہی تھی اور صحابی مذکور بوقت اقامت ابھی سنت ہی پڑھ رہے تھے کہ نبی ﷺ نے انھیں ٹوکا اور مذکورہ حکم دیا تھا، ابھی ان کے فرض پڑھنے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ کہا جائے کہ انھوں نے سنت و فرض ایک ہی جگہ پڑھی جگہ تبدیل نہیں کی اس پر آنحضرت ﷺ نے انھیں ٹوکا، یہ توجیہ و تاویل بالکل خلاف واقع ہے، واقعہ یہی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے صحابی مذکور کو اقامت کے وقت سنت فجر پڑھنے بلفظ دیگر سنت وفرض کے درمیان فصل بالزمان نہ کرنے پر ٹوکا اور فرمایا: ”**اجعلوا بينهما فصلاً**“ ان دونوں کے درمیان فصل یعنی زمانہ کے اعتبار سے فاصلہ رکھو' اس طرح کہ سنت، اقامت کے وقت نہیں بلکہ اس کے شروع ہونے سے بھی کم ازکم ضرور قدرے پہلے پڑھنے لینے کا اہتمام کرو، اس کے بعد اقامت اور اس کے بعد شریک جماعت ہو کر فرض پڑھو، سنت اقامت سے پہلے نہ پڑھ سکو تو بوقت اقامت پڑھنے کے بجائے فرض با جماعت جس کی اقامت ہو رہی ہے پہلے اسے ادا کرو کہ فرض زیادہ اہم اور مقدم ہے، اس کی ادائیگی کے بعد بلکہ ادعیہ ماثورہ کے بعد کہ یہ بھی فرض کے توابع میں سے ہے یعنی توقف کرکے اور جگہ بھی بدل کرکے پھر سنت پڑھو، فرض سے پہلے ہو تو بعد میں ہو تو دونوں طرف فصل بالزمان بھی رہے اور فصل بالمکان بھی ”**اجعلوا بينهما فصلا**“ کی پوری پوری تعمیل - نیز روایت میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے کہ صحابی مذکور صف کے درمیان نماز پڑھ رہے تھے کہ کہا جائے کہ سنت کے بعد فرض بھی اسی جگہ پڑھنی پڑتی صف بندی کے لئے وہ آگے صف میں

نہیں جا سکتے تھے، یا دائیں بائیں نہیں ہو سکتے اور اس طرح سنت و فرض کے درمیان فصل بالمکان نہیں کر سکتے تھے، بالکل یہ مستبعد نہیں ہے کہ وہ صف سے الگ نماز پڑھتے رہے ہوں گے اور سنت کے بعد آگے بڑھ کر یا دائیں بائیں ہو کر صف میں شریک ہوئے ہوں گے، یہ بالکل مستبعد نہیں ہے اس کے باوجود آپ ﷺ نے ٹوکا اور سنت و فرض کے درمیان فصل کرنے کے لئے کہا تو صاف ظاہر ہے کہ اس سے مراد فصل بالزمان ہے کہ اقامت کے وقت سنت پڑھنے سے یہ فوت ہو رہا تھا، اور یہ اس وقت حاصل ہوگا جب سنت اقامت سے پہلے پڑھنے کا اہتمام ہو — مترجم)

سنت و فرض کے درمیان فصل کی صورتیں: سنت و فرض کے درمیان فصل کا جو حکم ہے حدیث شریف میں اس کی تین صورتیں بیان ہوئی ہیں، فصل بالزمان، فصل بالمکان اور فصل بالکلام،

(۱) **فصل بالزمان** کا ثبوت حضرت ابو رمثہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہوتا ہے جسے ابو داؤد نے روایت کیا ہے، حضرت ابو رمثہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک صحابی جو نبی ﷺ کے ساتھ تکبیر تحریمہ سے نماز میں شریک تھے آپ ﷺ کے سلام پھیرنے کے بعد معاً سنت کے لئے کھڑے ہونے لگے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا کندھا پکڑ کر حرکت دی اور کہا:

اجلس فانه لم یهلک اهل الکتاب الا انه لم یکن بین صلواتهم فصل، فرفع النبی ﷺ بصره، قال: اصابک الله بک یا ابن الخطاب، (وفی روایة عبد الرزاق ...صدق ابن الخطاب) (۵)

---

(۵) ابوداؤد ج۱ ص۳۸۵ باب فی الرجل یتطوع فی مکانة الذی صلی فیه المکتوبة، نیز مصنف عبدالرزاق ج۲ ص۴۳۲، بیہقی ج ص۱۹۰۔

بیٹھو، اہل کتاب اسی لئے برباد ہوئے کہ انکی نمازوں کے درمیان فصل (وقفہ) نہیں ہوتا تھا، نبی ﷺ نے نگاہ اٹھائی دیکھا اور فرمایا اے ابن الخطاب اللہ نے تم کو درستی کی توفیق دی، (عبدالرزاق کی روایت میں ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: سچ کہا ابن الخطاب نے) (امام حاکم نے ''مستدرک (ج۱ص۲۷۰)'' میں اس حدیث کو مسلم کی شرط کے مطابق صحیح کہا ہے، لیکن اس پر تعاقب فرمایا ہے کہ ''اس کی سند میں ایک راوی منہال بن خلیفہ ہیں یحییٰ بن معین نے ان کو ضعیف کہا ہے، اور ایک دوسرے راوی اشعث ہیں ان کے اندر بھی ضعف ہے، یہ حدیث منکر ہے''،

لیکن مسند احمد، مسند ابویعلی اور مصنف عبدالرزاق میں بھی اسی مضمون کی حدیث مروی ہے امام ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' (ج۲ص۲۳۴) میں اسے ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ ''اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں''۔

اس حدیث میں ظاہر یہی ہے کہ فصل سے ''فصل بالزمان'' مراد ہے، کیونکہ حضرت عمر نے بیٹھنے کے لئے کہا جس کی رسول اللہ ﷺ نے بھی تصویب فرمائی، اگر فصل بالمکان مراد ہوتا تو حضرت عمر نے یہ کہا ہوتا کہ آگے یا پیچھے ہو جاؤ یعنی جگہ بدل کر پڑھو، لیکن یہ نہیں کہا م، معلوم ہوا کہ ان کی مراد فصل بالزمان ہے، یعنی دونوں کے درمیان فصل زمانی وقفہ ہونا چاہئے،

(۲) فصل بالمکان کا ثبوت مندرجہ ذیل حدیثوں سے ہوتا ہے:

☆ عن السائب بن يزيد قال صليت مع معاويه الجمعة في المقصورة فلما سلم الامام قمت في مقامي فصليت فلما دخل ارسل الي فقال: لا تعد لما فعلت اذا صليت الجمعة فلا تصلهما بصلاة حتى تكلم و تخرج، فان رسول الله ﷺ امرنا بذلك ان لا نوصل صلاة بصلاة حتى تتكلم او تخرج، (اخرجه مسلم والطحاوى ، وفي رواية

الطحاوی: لا تفعل حتی تقدم او تتکلم (٦)

سائب بن یزید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مقصورہ میں نماز جمعہ پڑھی، امام کے سلام پھیرنے کے بعد میں نے اپنی اسی جگہ سنت جمعہ پڑھی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آدمی بھیج کر مجھے بلایا اور کہا: ایسا آئندہ پھر مت کرنا، جب تم جمعہ پڑھ لو تو اس کے ساتھ دوسری نماز موصول ومتصل مت کرو بلکہ کلام کر کے یا جگہ بدل کر فصل کر کے پڑھو، (طحاوی کی روایت میں ہے کہ ایسا نہ کرو بلکہ آگے ہو جاؤ یا درمیان میں کسی سے کلام کر لو۔)

☆ **وعن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ ايعجز احدكم ان يتقدم او يتأخر (او يتحول) عن يمينه او عن شماله فی الصلاة فی السبحه. رواه ابوداؤد و ابن ماجه واخرجه الطحاوی بسنده الی صفوان مولی عمرو عن ابی هريرة عن رسول الله ﷺ قال :لا تتأدوا الصلوة المكتوبة بمثلها من التسبيح فی مقام واحد. (٧)**

☆ **و عن مغيرة بن شعبة قال قال رسول الله ﷺ: لا يصلی الامام فی الموضع الذی صلی فيه حتی يتحول (رواه ابو داؤد وابن ماجه) (٨)**

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی اس سے بے بس ہے کہ نفل وسنت کے لئے (فرض کی جگہ سے) آگے یا پیچھے

---

(٦) مسلم ج۱ ص ۲۸۸، طحاوی ج۱ ص۲۵٦، مسند احمد ج۴ ص ۹۵، ۹۹، مصنف عبد الرزاق ج۲ ص ۲۴۹، ۴۱۷۔ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۳۹، بیہقی ج ۲ ص ۱۹۱۔

(٧) ابوداؤد ج۱ ص ۳۸۴۔ ابن ماجہ ص ۱۰۴، بیہقی ج ۲ ص ۱۹۰، ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۰۸ بلفظ.... يتقدم او يتاخر او يتحول عن يمينه او عن يساره.

(٨) ابوداؤد ج۱ ص ۲۳۷، ابن ماجہ ص ۱۰۴، بیہقی ج ۲ ص ۱۹۰ من طريق عطاء الخراسانی عن المغيرة وعطاء لم يدرک المغيرة.

ہو جائے، دائیں یا بائیں ہو جائے، طحاوی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فرض اور سنت ایک جگہ ادا نہ کرو۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: امام نے جہاں فرض پڑھی ہے وہیں سنت ونفل نہ پڑھے بلکہ جگہ بدل لے،

(۳) فصل بالکلام: اوپر مسلم اور طحاوی کی حدیث میں فصل بالکلام کا بھی ذکر ہے، "**حتی تتکلم**"

امام طحاوی کا استدلال: سنت وفرض کے درمیان فصل کی ان تین صورتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے محمد بن عبد الرحمٰن سے مروی حدیث ابن بحینہ " **اجعلوا بینهما فصلا**"(سنت وفرض کے درمیان فصل کرو) سے امام طحاوی کے اپنے مدعی پر استدلال کا جائزہ لو۔ امام طحاوی کا دعویٰ یہ ہے کہ اقامت کے وقت یا اقامت کے بعد صفوں سے علیحدہ مسجد میں کسی طرف کنارے سنت پڑھنا ممنوع ومکروہ نہیں ہے، مکروہ وممنوع یہ ہے کہ کوئی اقامت کے وقت یا اس کے بعد صف کے درمیان یا صف سے قریب ہی سنت پڑھے، ابن بحینہ رضی اللہ عنہ چونکہ صف کے درمیان یا صف کے قریب ہی سنت پڑھ رہے تھے اس لئے آپ ﷺ نے انھیں ٹوکا اور کہا کہ دونوں کے درمیان فصل کرو یعنی صف سے علیحدہ کنارے پڑھو، آپ ﷺ نے انھیں محض اس لئے نہیں منع کیا کہ وہ مسجد میں اقامت کے وقت یا اس کے بعد جماعت شروع ہو جانے کے باوجود سنت پڑھنے میں مشغول ہوئے، یعنی حدیث مذکور میں بقول امام طحاوی فصل سے فصل بالمکان مراد ہے،

جواب: امام طحاوی کا یہ استدلال بوجوہ غلط ہے:

اولاً: جب فصل کی تین صورت ہے اور حدیث میں فصل عام اور مطلق ہے تو بلا قرینہ و دلیل فصل کی ایک صورت متعین طور پر مراد لینا ترجیح بلا مرجح ہے، بلکہ یہاں قرینہ و

دلیل اس کے خلاف موجود ہے،

ثانیاً: مذکورہ حدیث ابن بحینہ رضی اللہ عنہ میں اگر "اجعلوا بينهما فصلا" سے فصل بالمکان مراد لیا جائے تو بعد کے جملہ "لا تجعلو هذه الصلوة كصلوة قبل الظهر و بعدها" کا معنی درست نہیں ہوگا کیونکہ معنی یہ ہوگا کہ فجر کی سنت وفرض کے درمیان فصل بالمکان کرو، اسے سنت ظہر کے مثل نہ بناؤ، گویا ظہر کی سنت وفرض کے درمیان فصل بالمکان مطلوب نہیں ہے اور اس کا حکم نہیں ہے، حالانکہ یہاں بھی بالاتفاق یہ حکم ہے، پس ثابت ہوا کہ مذکورہ حدیث ابن بحینہ میں فصل سے فصل بالمکان مراد لینا درست نہیں ہے، بلکہ جیسا کہ وضاحت وتفصیل سے بیان کیا جاچکا ہے کہ اس حدیث میں فصل سے فصل بالزمان مراد ہے، فتذکر۔

ثالثاً: بالفرض اگر حدیث مذکور میں فصل بالمکان مراد ہو تو حدیث میں فصل مطلق ہے مطلق فصل مکانی کے لئے فرض کی جگہ اور صف سے ایک دو قدم آگے پیچھے، دائیں بائیں ہوجانا بھی کافی ہے، جیسا کہ مذکورہ حدیثوں میں مطلق تحول اور تقدم وتأخر کا حکم دیا گیا ہے، خود امام طحاوی بھی فجر کے علاوہ فرائض وسنت کے تعلق سے اسی مطلق تحول کو کافی سمجھتے ہیں، تو فجر کی سنت وفرض کے درمیان تحول وفصل مکانی کے لئے مطلق مکانی فصل وتحول کو کافی نہ سمجھنا اور اس کی کوئی خاص حد مقرر کرنا جیسا کہ امام طحاوی کہتے ہیں، یہ بھی ترجیح بلا مرجح اور تحکم ہے، یعنی وہ کہتے ہیں کہ اقامت کے وقت یا جماعت شروع ہوجانے کے باوجود کوئی مسجد میں فرض کی جگہ یعنی صفوں سے علیحدہ مسجد میں کسی طرف کنارے سنت فجر پڑھے اور پھر چل کر جماعت میں شامل ہوجائے تو یہ جائز ہے، سنت وفرض کے درمیان جو فصل مطلوب ہے وہ ہوگیا، لیکن اگر کوئی ایسی حالت میں صف کے قریب یا صف کے درمیان سنت فجر پڑھے اور قدم دو قدم آگے پیچھے، دائیں بائیں ہوکر صف میں شامل ہوجائے تو یہ ممنوع ہے، کیونکہ سنت وفرض کے درمیان مطلوبہ فصل

نہیں ہوا، -تو امام طحاوی کی یہ تحدید وتفریق بھی بے دلیل اور تحکم ہے، کیونکہ ظاہر ہے کہ فصل جس طرح پہلی صورت پر صادق ہے اسی طرح دوسری صورت پر بھی صادق ہے، خود امام طحاوی بھی جیسا کہ اوپر گذرا، اس دوسری صورت میں فجر کی سنت وفرض کے علاوہ دیگر اوقات کی سنن وفرائض کے تیئں یہ تسلیم کرتے ہیں کہ فصل مطلوب کے لئے یہ کافی ہے، الغرض امام طحاوی رحمہ اللہ کی پیش کردہ حدیث محمد بن عبدالرحمٰن عن ابن بحسینہ میں ان کے دعویٰ کے لئے دلیل نہیں ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث میں فصل سے مذکورہ توضیح وتفصیل کے مطابق فصل بالزمان مراد ہے، ملاحظہ ہو ص ۱۵۰،

اگر امام طحاوی کی طرف سے کہا جائے کہ موخر مسجد میں سنت فجر پڑھنے اور پھر چل کر آگے صف میں داخل ہونے کو فصل مطلوب کی حد ہم نے عبداللہ بن عباس کے اثر کی بنا پر قرار دیا ہے، امام طحاوی نے بہ طریق ابن ابی ذئب عن شعبہ روایت کیا ہے، شعبہ کہتے ہیں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: "یاایھا الناس الا تتقوا اللہ فصلوا صلوتکم" لوگو اللہ سے ڈرو، اپنی نمازوں کو سنت وفرض کو ایک دوسرے سے مفصول رکھو....، امام طحاوی کہتے ہیں کہ: "شعبہ مولی ابن عباس نے روایت کیا ہے کہ: "حضرت عبداللہ بن عباس فرائض ونوافل وسنن کے درمیان فصل کا حکم دیتے تھے" اور خود حضرت عبداللہ بن عباس نے مسجد میں سنت فجر پڑھی پھر لوگوں کے ساتھ نماز باجماعت میں شریک ہوئے اور اس طرح انھوں نے خود کو سنت وفرائض کے درمیان فصل پر عمل کرنے والا قرار دیا،

اس کا جواب یہ ہے کہ:

اولاً: اس اثر میں حضرت عبداللہ بن عباس کے سنت صف سے علیحدہ کنارے آخر مسجد میں پڑھنے کی تصریح نہیں ہے،

ثانیاً: یہ تسلیم بھی کرلیا جائے تو اس اثر میں اس کا کوئی اشارہ نہیں ہے کہ یہ فصل کی کم از

کم حد ہے، صف سے اتنے فصل و فاصلہ پر کوئی سنت فجر مسجد میں بحالت اقامت یا بوقت ابتداء جماعت پڑھے تو جائز ہے اور اس سے کم فاصلہ پر پڑھے تو ممنوع ہے، یہ اثر اس تحدید پر دلالت نہیں کرتا، بیشک یہ بھی فصل ہے، ہم اس سے انکار نہیں کرتے، لیکن جس طرح یہ فصل ہے اسی طرح سنت فجر صف کے قریب پڑھ کر ایک قدم آگے پیچھے ہو کر یا دائیں بائیں ہو کر صف میں شامل ہو جائے تو اس صورت میں بھی سنت و فرض کے درمیان فصل بالمکان متحقق ہے جیسا کہ گذشتہ احادیث فصل کے اطلاق سے واضح ہے، اور خود امام طحاوی کو حدیث ابن بحینہ کے تحت اس کا فصل ہونا تسلیم ہے، نیز ابوداؤد میں بطریق ابن جریج عن عطاء مروی ہے، حضرت عطاء روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے بارہا دیکھا ہے عبداللہ بن عمر نماز جمعہ کی جگہ سے تھوڑا سا ادھر ادھر ہو کر (قلیلا غیر کثیر) سنت و نفل پڑھتے تھے،(۱) مگر طحاوی اس صورت میں سنت فجر مسجد میں بحالت اقامت و جماعت پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے تو جس طرح اس صورت میں فصل بالمکان متحقق ہونے کے باوجود سنت فجر بحالت اقامت یا بوقت جماعت ممنوع ہے پہلی صورت میں بھی ممنوع ہوگی،

ثالثاً: عبداللہ بن عباس (اسی طرح عبداللہ بن مسعود و ابوالدرداء رضی اللہ عنہم) اگر بحالت اقامت یا بوقت جماعت مسجد میں سنت فجر پڑھ لینے کو جائز سمجھتے تھے تو صحابہ میں حضر عمر، عبداللہ بن عمر، ابو ہریرہ، ابو موسیٰ اشعری اور حذیفہ رضی اللہ عنہم اسے درست نہیں سمجھتے تھے، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس ایک ساتھ مسجد میں داخل ہوئے نماز شروع ہو چکی تھی تو عبداللہ بن عمر صف میں شامل ہو گئے، اور شریک جماعت ہو گئے، فرض کے بعد سنت پڑھی، اور عبداللہ بن عباس دو رکعت سنت پڑھ کر شریک

---

(۱) ابوداؤد ج۱ ص۴۴۰، باب الصلاة بعد الجمعة، مصنف عبدالرزاق ج۳ ص۲۴۶، مصنف ابن ابی شیبہ ج۲ ص۲۵۷، بیہقی ج۳ ص۲۴۱۔

جماعت ہوئے، ایسا ہی واقعہ عبداللہ بن مسعود اور ابو موسیٰ کا بھی ہے جیسا کہ بیان مذاہب کے موقع پر تفصیل آرہی ہے،

رابعاً: سب سے بڑی بات یہ ہے کہ رسول اللہ کا اسوہ بھی یہی ہے کہ بحالت اقامت یا بوقت جماعت مسجد میں صف سے علیحدہ مسجد میں کسی ایک طرف بھی سنت فجر پڑھنا درست نہیں ہے، اور یہ فصل بالمکان فصل مطلوب و مامور کے لئے کافی نہیں ہے، (ولقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ) عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث آگے آرہی ہے کہ ایک صحابی مسجد میں داخل ہوئے رسول اللہ ﷺ نماز فجر شروع کر چکے تھے، صحابی نے مسجد میں ایک کنارے صف سے علیحدہ پہلے سنت فجر پڑھی پھر آپ ﷺ کے ساتھ شریک جماعت ہوئے، حضور ﷺ نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد ان کے اس طرز عمل پر زجر و نکیر فرمائی اور کہا ان دونوں نمازوں میں کس کا اعتبار کروگے، اپنی تنہا پڑھی ہوئی نماز کا یا ہمارے ساتھ پڑھی نماز کا، مطلب یہ کہ اقامت کے ساتھ تو فرض ہی پڑھنی ہے، اب تم نے دو رکعت تنہا پڑھی، دو رکعت جماعت کے ساتھ تو کس کو فرض قرار دوگے، دیکھئے صف سے علیحدہ مسجد میں ایک طرف بھی سنت پڑھنے کی بحالت جماعت آپ ﷺ نے اجازت نہیں دی، معلوم ہوا کہ فجر کی سنت وفرض کے درمیان فصل مامور و مطلوب کیلئے یہ فصل بالمکان ہی کافی نہیں بلکہ فصل بالزمان بھی ہونا چاہئے، اور سنت فجر اقامت سے بھی قدرے پہلے پڑھ لینے کا اہتمام کرنا چاہئے، فجر کی سنت وفرض کے درمیان یہ فصل بالزمان بہر حال مامور و مطلوب ہے،

حاصل یہ ہے کہ حدیث ابن بحینہ میں رسول اللہ ﷺ کی جس امر پر نکیر مروی ہے وہ صحابی کا سنت فجر بوقت اقامت پڑھنا ہے، یہاں نہی کی اصل علت یہی ہے، اس کا نہی کی علت ہونا حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت انس حضرت ابن عباس وغیرہ رضی اللہ عنہم کی حدیثوں میں بتصریح مذکور ہے، یہ حدیثیں گذر بھی چکی ہیں اور

آگے بھی آرہی ہیں،

اشکال اوراس کا جواب: اگر کوئی کہے کہ آپ کی توضیح کے مطابق سنت فجر کے تعلق سے دو خاص بات ہے، وہ یہ کہ سنت فجر نہ بحالت اقامت پڑھے نہ بوقت اقامت بلکہ اقامت سے اتنی پہلے پڑھے کہ سنت فجر سے فارغ ہوکر مستحب اضطجاع علی الیمین کی بھی ادائیگی کرسکے۔ اب اگر اسی طرح سنت ظہر بھی نہ بحالت اقامت جائز ہو نہ بوقت اقامت جائز ہو تو سنت فجر اور سنت ظہر میں مشابہت ہو جائے گی، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے "**لاتجعلوا هذه الصلوة كصلاة قبل الظهر و بعدها**" مشابہت کی نفی تام کے تحقق کے لئے ضروری ہے کہ سنت ظہر میں وہ دونوں باتیں نہ ہوں جو سنت فجر کے تعلق سے آپ نے بیان کی ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ سنت ظہر بحالت اقامت بھی جائز ہو، اور یہ آپ کے مطلوب اور مسلک کے خلاف ہے،

اس اشکال واعتراض کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں مطلق مشابہت کی نفی کی گئی ہے، اس کے تحقق کے لئے فی الجملہ مشابہت کا نہ ہونا کافی ہے، مذکورہ دونوں باتیں منفی ہوں تب بھی مشابہت منفی ہوگی اور کوئی ایک بات منفی ہو تب بھی مشابہت نہ رہے گی، بحالت اقامت سنت نہ پڑھنے کا حکم عام اور مشترک ہے تمام سنن موکدہ سے متعلق ہے، البتہ وقت اقامت سے بس اتنی پہلے بھی شروع کرسکتا ہے کہ اقامت شروع ہوتے فارغ ہوجائے، لیکن سنت فجر کو اور پہلے پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے کیونکہ اس سے فارغ ہونے کے بعد فرض سے پہلے ایک اور امر مستحب پر عمل کرنا ہے اور وہ ہے اضطجاع، یہ سنت ظہر وعصر کے بعد نہیں ہے، پس سنت فجر اور سنت ظہر وعصر کے درمیان مشابہت نہ رہی فی الجملہ مشابہت کی نفی متحقق ہوگئی،

فائدہ: مذکورہ حدیث عبداللہ بن بحینہ میں جن صحابی کا قصہ مذکور ہے وہ صحابی یہ عبد

اللہ بن بحینہ ہی ہیں، یا کوئی اور دوسرے صحابی مثلاً عبداللہ بن عباس؟ امام طحاوی اور حافظ ابن حجر کا خیال ہے کہ صاحب قصہ خود ابن بحینہ ہی ہیں، حافظ ابن حجر ’’مقدمہ فتح الباری‘‘ میں لکھتے ہیں: حدیث ابن بحینہ رأی رجلا...وہ صحابی خود ابن بحینہ ہیں، جیسا کہ بطریق جعفر بن محمد بن علی بن الحسین عن ابیہ مرسلاً مروی ہے‘‘، اور ’’فتح الباری‘‘ میں لکھتے ہیں: وہ صحابی یہی عبداللہ ہیں جو اس واقعہ کے راوی ہیں، جیسا کہ ’’مسند احمد‘‘ میں بطریق محمد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان مروی حدیث ابن بحینہ میں ہے خود ابن بحینہ کہتے ہیں ’’مربہ و ھو یصلی‘‘ دوسری روایت میں ہے ’’خرج و ابن القِشب یصلی‘‘ یعنی نبی ﷺ مسجد میں آئے درآں حالیکہ وہ ابن القِشب (☆) سنت فجر پڑھ رہے تھے، ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ صاحب قصہ ابن بحینہ ہی ہیں،

مگر یہ صحیح نہیں، بلکہ صاحب قصہ ابن بحینہ کے علاوہ دوسرے صحابی ہیں، جیسا کہ مسلم و ابن ماجہ وغیرہ کی روایت سے جو شروع میں گذر چکی ہے، ثابت ہوتا ہے، کیونکہ اس روایت میں خود ابن بحینہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ’’رسول اللہ ﷺ ایک شخص کے پاس سے گذرے، نماز فجر کی اقامت ہو چکی تھی، اور وہ سنت فجر پڑھ رہا تھا، آپ ﷺ نے اس سے کچھ کہا جس کو ہم سمجھ نہ سکے، نماز فجر کے بعد ہم نے اس کو گھیر لیا، اور اس سے پوچھنے لگے کہ تم سے رسول اللہ ﷺ نے کیا فرمایا...‘‘ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس صحابی کا قصہ و معاملہ ہے وہ خود ابن بحینہ نہیں ہیں کوئی دوسرے صحابی ہیں، وہ خود

(☆) القِشب، قاف کے زیر کے ساتھ ہے، یہ عبداللہ مذکور کے دادا کا لقب ہے، اور نام جندب ہے، پورا سلسلہ نسب یہ ہے: عبداللہ بن مالک بن جندب القشب، اور بحینہ عبداللہ کی والدہ کا نام ہے، اسی لئے ’’عبداللہ بن مالک ابن بحینہ‘‘ میں ابن بحینہ میں ’’ابن‘‘ ہمزہ ’’(الف) کے ساتھ لکھا جاتا ہے کیونکہ وہ مالک کا مضاف الیہ اور وصف نہیں ہے بلکہ عبداللہ کا وصف اور بیان ہے وہ ماں کی طرف نسبت ’’ابن بحینہ‘‘ سے زیادہ مشہور ہیں۔

صاحب قصہ ہوتے تو وہ یہ کیوں کہتے کہ ”نبی ﷺ نے کیا فرمایا ہم نے سمجھا نہیں“ اور یہ کیوں کہتے کہ ”نماز کے بعد ہم نے اسے گھیر لیا“ اور ”اس سے پوچھنے لگے کہ نبی ﷺ نے کیا کہا“ یہ جملے بخوبی اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ حدیث مذکور میں صاحب معاملہ ابن بحینہ نہیں ہیں، وہ خود مخاطب ہوتے تو کیوں نہیں سنتے سمجھتے، کیوں گھیرتے اور کیوں دوسرے سے پوچھتے کہ نبی ﷺ نے تم سے کیا کہا؟۔

حافظ ابن حجر نے جو بطریق جعفر بن محمد روایت پیش کی ہے وہ مرسل ہے، مسلم وغیرہ کی متصل روایت کے درجہ کی نہیں اس کے بالمقابل حجت نہیں، اسی طرح حافظ ابن حجر نے مسند احمد کی بہ طریق محمد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان مروی جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے وہ بھی متکلم فیہ ہے، جیسا کہ تفصیل گذر چکی ہے،

ظاہر یہ ہے کہ دونوں روایتوں میں دو مختلف واقعہ اور قصہ مذکور ہے، بخاری ومسلم وغیرہ میں مروی حدیث ابن بحینہ میں صاحب قصہ صحابی عبداللہ بن عباس ہیں، یہ حدیث فصل بالزمان کے مطلوب و مامور ہونے پر دلالت کرتی ہے، اور مسند احمد وطحاوی میں مروی روایت محمد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان میں صاحب قصہ خود عبداللہ بن بحینہ ہیں یہ روایت بحالت اقامت امتناع سنت ونفل پر دلالت کرتی ہے،

(۳) **حدیث عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ:** یہ حدیث مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، طحاوی وغیرہ میں مروی ہے، عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

دخل رجل المسجد و رسول الله ﷺ فی صلوة الغداة فصلی رکعتین فی جانب المسجد ثم دخل مع رسول الله ﷺ، قال صلی الله علیه وسلم: یا فلان بأی الصلاتین اعتددت أبصلاتک وحدک ام بصلاتک معنا– و فی روایة الطحاوی ”فرکع رکعتین خلف الناس ثم دخل مع النبی ﷺ فی الصلاة فلما قضی النبی ﷺ صلاته قال: یا

فلان اجعلت صلوتک التی صلیت معنا او التی صلیت وحدک (۹)

ایک صحابی مسجد میں داخل ہوئے رسول اللہ ﷺ نماز فجر شروع کر چکے تھے، صحابی نے لوگوں کے پیچھے مسجد میں ایک جانب کنارے دو رکعتیں سنت فجر پڑھی، پھر نبی ﷺ کے ساتھ نماز میں شریک ہوئے، نماز کے بعد نبی ﷺ نے ان صحابی سے کہا: تم نے کس نماز کا اعتبار کیا؟ اپنی تنہا پڑھی ہوئی نماز کا یا ہمارے ساتھ پڑھی ہوئی نماز کا؟

امام خطابی فرماتے ہیں: اس حدیث میں اس مسئلہ کی دلیل ہے کہ جب کوئی اس وقت آئے کہ امام نماز میں ہو تو سنت فجر پڑھنے میں مشغول نہ ہو، بلکہ فرض باجماعت پڑھنے کے بعد سنت پڑھے، آنحضرت ﷺ نے صحابی کے طرز عمل پر نکیر و توبیخ کے طور پر یہ فرمایا تھا، اس میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ وقت میں اگر اتنی گنجائش ہو کہ امام کے فرض سے فارغ ہونے سے پہلے کوئی سنت فجر سے فارغ ہو جائے تب بھی اس وقت سنت فجر پڑھنا جائز نہیں ہے، کیونکہ قول نبوی ”او التی صلیت معنا“ اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان صحابی نے سنت فجر پڑھ کر نبی ﷺ کے ساتھ نماز پالی تھی“۔

امام نووی فرماتے ہیں: اس حدیث سے ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو یہ گمان رکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابی پر اس لئے نکیر فرمائی تھی کہ انھوں نے سنت فجر صف میں مختلط ہو کر پڑھی تھی، یا انھوں نے سنت وفرض کے درمیان آگے پیچھے ہو کر، یا کسی سے کلام کر کے فصل نہیں کیا تھا“، اس تاویل کی اس حدیث سے تردید اس

---

(۹) مسلم: ج۱ص ۲۴۷، ابوداؤد: ج۱ص ۴۸۸، باب اذا ادرک الامام ولم یصل رکعتی الفجر، نسائی: ج۱ص ۱۰۱، فیمن صلی رکعتی الفجر والامام فی الصلوة، ابن ماجہ: ص۸۲، باب اذا اقیمت الصلوة فلا صلاة الا المکتوبة، نیز مسند احمد ج۵ص۸۲، طحاوی ج۱ص ۲۵۶، مصنف عبدالرزاق: ج۲ص ۴۴۰، ابن خزیمہ ج۲ص ۱۷۰، بیہقی ج۲ص ۴۸۲،

لئے ہوتی ہے کہ اس حدیث میں صراحت ہے کہ ان صحابی نے سنت فجر صفوں سے پیچھے مسجد کے ایک جانب پڑھی تھی اس کے باوجود حضورﷺ نے ان پر نکیر فرمائی"۔

امام نووی مزید فرماتے ہیں: اس حدیث میں اس مسئلہ کی بھی دلیل ہے کہ اقامت کے بعد کوئی نفل وسنت نہ پڑھے اگر چہ اس سے فارغ ہو کر امام کے ساتھ نماز پاسکتا ہو، اس حدیث سے ان لوگوں کا بھی رد ہوتا ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ: سنت پڑھنے کے بعد امام کے ساتھ پہلی یا دوسری رکعت پوری پالینے کی امید ہو تو اقامت کے بعد سنت پڑھ سکتا ہے"۔

امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں: "اس حدیث میں اقامت کے بعد سنت ونفل پڑھنے پر رسول اللہﷺ نے نکیر فرمائی ہے، کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ بوقت جماعت مسجد میں کوئی نفل پڑھے"۔ علامہ زرقانی نے بھی ایسا ہی "شرح موطا" میں تحریر فرمایا ہے۔

امام طحاوی کی بیجا تاویل: حدیث چونکہ امام طحاوی کے اختیار کردہ مسلک کے خلاف ہے اس لئے انھوں نے اس حدیث کی یہ بیجا تاویل کی ہے کہ "ہوسکتا ہے کہ حدیث میں وارد لفظ "خلف الناس" کا مطلب یہ ہو (کہ صفوں کے پیچھے) اس طرح کہ ان صحابی کے اور صفوں کے درمیان فصل وفاصلہ نہ رہا ہو اختلاط ہو گیا ہو، جبکہ فصل وفاصلہ رکھنے کا حکم ہے جیسا کہ حدیث ابن بُحینہ سے ظاہر ہے، اور یہ صورت ہمارے نزدیک بھی مکروہ ہے، اور واجب یہ ہے کہ جماعت شروع ہوگئی ہو تو مسجد میں پیچھے سنت فجر پڑھے پھر چل کر آگے جائے اور شریک جماعت ہو"۔

امام طحاوی کی تاویل فاسد ہے، کیونکہ حدیث میں اس معنیٰ تصریح موجود ہے کہ "خلف الناس" سے مراد صف کے متصل پیچھے نہیں ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ لوگوں سے پیچھے مسجد میں کنارے ایک طرف جیسا کہ مسلم کی مذکورہ روایت میں ہے "صلی فی

جانب المسجد'' اور اس کے باوجود آنحضرت ﷺ نے ان صحابی کو اس وقت سنت فجر پڑھنے سے منع کیا، اس لئے یہ تاویل بالکل بیجا ہے، یہاں وصل اور اختلاط منع کی علت نہیں ہے بلکہ منع کی علت وہی اقامت کے بعد یا جماعت کے وقت سنت فجر پڑھنا ہے، جیسا کہ حضرت ابوموسی اشعری حضرت انس بن مالک اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی حدیثوں میں بھی ہے، یہ حدیثیں مختصراً پیچھے گذر چکی ہیں پھر آگے آرہی ہیں۔

مولانا سلام اللہ حنفی ''المحلی شرح الموطا'' میں فرماتے ہیں: بعض حنفیہ نے کہا ہے کہ نبی ﷺ نے اس لئے ان صحابی پر نکیر فرمائی کہ آپ نے جانا کہ وہ فرض پڑھ رہا ہے، یا اس لئے نکیر فرمائی کہ وہ صحابی مسجد میں صفوں سے متصل سنت پڑھنے لگے جو مصلیوں کے تشویش و خلجان کا باعث ہوا، لیکن اس تاویل کے احتمال اول کی رسول اللہ ﷺ کے قول ''اصلاتان معا '' سے تردید ہوتی ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے خود ''دو نماز'' فرمایا معلوم ہوا کہ صحابی نے پہلی فرض نہیں پڑھی تھی ورنہ آپ ﷺ فرماتے ''ایک نماز دو بار'' اسی طرح دوسرے احتمال کی تردید ''فصلی فی جانب المسجد'' کی تصریح سے ہوتی ہے، کیونکہ یہ تصریح اس پر دلالت کرتی ہے کہ ان صحابی نے سنت صف سے متصل مصلیوں سے مختلط ہو کر نہیں پڑھی تھی، بلکہ صف سے علیحدہ مسجد میں کسی ایک طرف پڑھی تھی''۔ ایسی رکیک تاویلات اور فاسد احتمالات کے ذریعہ احادیث صحیحہ صریحہ کی تاویل اور احادیث کو ان کے ظاہر و متبادر الی الاذہان معنی سے ادھر ادھر کھینچ تان طحاوی جیسے حافظ و امام کی شان سے بعید ہے، فإلى الله المشتكى۔

(۴) حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ: یہ حدیث امام دارقطنی نے اپنی کتاب ''الافراد'' میں روایت کی ہے، امام عراقی نے کہا اس کی اسناد حسن ہے (نیل الاوطار)

اس کا مضمون حدیث ابو ہریرہ کے مثل ہے(۱۰) یعنی "اذا اقیمت الصلوٰة فلا صلوٰة الا المكتوبة..."۔

(۵) حدیث جابر رضی اللہ عنہ: اس کا مضمون بھی حدیث ابو ہریرہ کے مثل ہے، امام ابن عدی نے "الکامل" میں اس کی تخریج کی ہے، اس کی سند میں عبداللہ بن میمون القداح ضعیف ہے، امام بخاری نے کہا "ذاھب الحدیث" ہے۔

(۶) حدیث عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم: امام ابوداؤد طیالسی نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے، عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں:

كنت اصلي واخذا المؤذن في الاقامة فجذ بني النبي ﷺ فقال: اتصلي الصبح اربعاً، (اعلام الموقعين لابن القيم) (۱۱)

موذن نے اقامت شروع کی تھی اور میں سنت پڑھنے لگا نبی ﷺ نے میرا دامن پکڑ کے کھینچا اور فرمایا نماز صبح چار رکعت پڑھو گے؟

یہ حدیث جید الاسناد ہے، سند یہ ہے: قال ابوداؤد الطیالسی ثنا ابو عامر الخزاز عن ابن ابی ملیکہ عن ابن عباس، ۔ امام ابوداؤد طیالسی بصری کی جلالت شان متفق علیہ

---

(۱۰) ہیثمی نے "مجمع الزوائد" (ج ۲ ص ۱۸۳) میں اور عبدالرزاق نے مصنف (ج ۲ ص ۱۷۰) میں اسے موقوفا روایت کیا ہے، "عبداللہ بن عباس نے دیکھا کہ اقامت ہو رہی ہے اور ایک شخص سنت پڑھ رہا ہے، آپ نے فرمایا: "نماز صبح چار رکعت پڑھو گے"۔ امام ہیثمی نے (ج ۲ ص ۷۵) میں عبداللہ بن عباس سے مرفوعا بھی ایک حدیث روایت کی ہے، عبداللہ بن عباس نے کہا میں نے نبی ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا: جو کوئی مسجد میں داخل ہو اس حال میں کہ امام نماز باجماعت پڑھ رہا ہو تو وہ تنہا کوئی نماز نہ پڑھے بلکہ امام کے ساتھ نماز میں داخل ہو جائے"۔ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے، اس کی سند میں یحییٰ بن عبداللہ بابلتی ہیں اور وہ ضعیف ہیں۔

(۱۱) مسند طیالسی (۲۷۳۶) مسند احمد ج ۱ ص ۲۳۸، ۳۵۵، ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۵۳، ابن خزیمہ ج ۲ ص ۱۶۹، بیہقی، امام ہیثمی مجمع الزوائد (ج ۲ ص ۵) میں ابن خزیمہ سے بایں لفظ ذکر کیا ہے: **عن ابن عباس قال اقيمت صلوة الصبح فقام رجل يصلي الركعتين فجذب رسول الله ﷺ بثوبه فقال: اتصلي الصبح اربعاً.** امام ہیثمی کہتے ہیں اس کی اسناد کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

ہے، امام عبدالرحمٰن بن مہدی نے کہا: ابوداؤد طیالسی اصدق الناس ہیں، امام احمد نے کہا: ثقہ ہیں، امام وکیع نے فرمایا: وہ علم کا پہاڑ تھے، اور امام ابو عامر خزاز صالح بن رستم: ان کو ابن معین اور ابن المدینی نے ضعیف کہا ہے، لیکن امام احمد نے کہا: وہ صالح الحدیث ہیں، امام ابوداؤد طیالسی، امام ابوداؤد سجستانی، امام ابن حبان، امام ابن عدی اور امام حاکم وغیرہ نے انھیں ثقہ کہا ہے، اور ابن ابی ملیکہ یعنی عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہ یہ کبار تابعین میں سے ہیں، امام ابوحاتم رازی، امام ابوزرعہ رازی وغیرہ نے انھیں ثقہ کہا ہے، اور عبداللہ بن عباس تو صحابی ہی ہیں رضی اللہ عنہم،

اور مستدرک حاکم (ج ۱، ص ۳۶۰) میں عبداللہ بن عباس سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ: نماز فجر کی امامت کے بعد میں دو رکعت سنت پڑھنے لگا، نبی ﷺ نے مجھے کھینچا اور فرمایا: نماز صبح چار رکعت پڑھو گے، امام حاکم کہتے ہیں: ''یہ حدیث مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے'' یہ حدیث بیہقی (ج ۲، ص ۴۸۲) مسند بزار، مسند ابویعلی، صحیح حبان، صحیح ابن خزیمہ اور طبرانی میں بھی مروی ہے، جیسا کہ ''فتح الباری'' اور ''نیل الاوطار'' میں مذکور ہے،

(۷) **حدیث انس بن مالک رضی اللہ عنہ:** یہ حدیث مسند بزار (ج ۱، ص ۱۲۸ باب رکعۃ الفجر) میں مروی ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

خرج رسول اللہ ﷺ حین اقیمت الصلوۃ فرأی ناسا یصلون رکعتی الفجر فقال: صلاتان معا، ونھی ان تصلیا اذا اقیمت الصلوۃ،

رسول اللہ ﷺ حجرہ سے مسجد میں آئے جس وقت کی نماز فجر کی اقامت ہو چکی تھی تو کچھ لوگوں کو دیکھا کہ سنت فجر پڑھ رہے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک ساتھ دو نماز؟ آپ ﷺ نے اقامت صلوۃ کے بعد سنت پڑھنے سے منع فرمایا،

امام مالک نے یہ حدیث ''موطا'' میں بطریق شریک بن عبداللہ بن ابی نمر

عن ابی سلمہ بن عبد الرحمٰن مرسلاً روایت کیا ہے امام ابن عبد البر فرماتے ہیں: تمام اصحاب مالک نے اسے اسی طرح مرسلاً روایت کیا ہے، الا ولید بن مسلم انھوں نے امام مالک سے بطریق شریک از انس مرفوعاً روایت کیا ہے، اور دراوردی نے از شریک از ابی سلمہ از عائشہ روایت کیا ہے، بہر حال یہ شریک بن عبد اللہ بن ابی نمر ابو عبد اللہ المدنی؛ ابن سعد اور ابوداؤد نے ان کی توثیق کی ہے، ابن معین اور نسائی نے کہا: لا باس بہ ہیں، ابن الجارود اسی طرح نسائی کا ایک قول ہے کہ: وہ قوی نہیں ہے، یحییٰ بن سعید القطان ان سے روایت نہیں کرتے تھے، ساجی نے کہا: انکار قدر کے ساتھ متہم ہے، امام ابن عدی نے کہا جب عبد اللہ بن ابی نمر سے ثقہ راوی روایت کرے تو ان کی روایات میں کوئی حرج نہیں ہے، یہ تفصیل مقدمہ فتح الباری سے ماخوذ ہے، امام ابن عبد البر نے ''التمہید'' میں فرمایا: وہ صالح الحدیث ہیں، وہ شیوخ حدیث کی صف میں ہیں، ان سے ائمہ حدیث کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے،

(٨) **حدیث زید بن ثابت رضی اللہ عنہ:** اسے امام طبرانی نے ''المعجم الاوسط'' میں روایت کیا ہے حضرت زید بن ثابت بیان کرتے ہیں:

رأى رسول الله ﷺ رجلا يصلي ركعتي الفجر وبلال يقيم الصلوة فقال: اصلا تان معا؟

رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ ایک شخص سنت فجر پڑھ رہا ہے درآں حالیکہ بلال اقامت کہہ رہے ہیں، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: دو نمازیں ایک ساتھ؟

اس کی اسناد میں عبد المنعم بن بشیر انصاری ایک راوی ہیں، ابن معین اور ابن حبان نے ان کو ضعیف کہا ہے، (نیل الاوطار، نیز ''مجمع الزوائد'' ج ٢ ص ٧٦)

(٩) **حدیث ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ:** اسے امام طبرانی نے ''المعجم الکبیر'' میں روایت کیا ہے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

ان رسول الله ﷺ رأى رجلا يصلى ركعتى الغداة حين اخذ المؤذن يقيم فغمز النبى ﷺ منكبه وقال: الا كان هذا قبل هذا.

رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ سنت فجر پڑھ رہا ہے جبکہ موذن اقامت کہہ رہا ہے، تو نبی ﷺ نے اس کے کندھے پر مارا اور فرمایا: یہ اس سے پہلے کیوں نہیں (پڑھ لیا)؟

حافظ زین الدین عراقی نے کہا: ''اس حدیث کی اسناد جید ہے'' (امام ہیثمی نے کہا: اس کے رجال کی توثیق کی گئی ہے، اسی طرح مولانا شوق نیموی نے بھی اس کی سند کو جید قرار دیا ہے)

(۱۰) حدیث عائشہ صدیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا: امام عبدالبر نے ''التمہید'' میں اس کی تخریج کی ہے، حضرت عائشہ صدیقہ بیان فرماتی ہیں:

ان النبى ﷺ خرج حين اقيمت صلوة الصبح فرأى اناسا يصلون فقال: اصلاتان معاً،

نبی ﷺ فجر کی اقامت کے وقت حجرہ سے مسجد میں تشریف لائے، دیکھا کہ کچھ لوگ سنت فجر پڑھ رہے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ایک وقت میں دو نماز؟

اس کی اسناد میں شریک بن عبداللہ بن ابی نمر ہیں ان کے اسے موصولاً اور مرسلاً روایت کرنے میں ان کے اصحاب کا اختلاف ہے، کسی نے ان سے موصولاً روایت کیا ہے اور کسی نے مرسلاً روایت کیا ہے، (نیل الاوطار)

یہ احادیث جن میں اکثر صحیح اور ثابت ہیں، بحالت اقامت ادائیگی سنت کی کراہت پر صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں، خواہ سنت فجر ہو یا دیگر سنن و نوافل۔

سنت فجر کا استثناء ثابت نہیں ہے: اگر کوئی اعتراض کرے کہ علامہ عینی اور فقہاء حنفیہ کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ حدیث ''اذا اقيمت الصلوة فلا صلوة الا

المکتوبۃ" اپنے عموم پر نہیں ہے، بلکہ سنت فجر اپنی اہمیت کی بنا پر اس سے مخصوص ہے اور مستثنیٰ ہے جیسا کہ فرمان رسول ﷺ ہے "**لا تدعوھا وان طردتکم الخیل**" یعنی سنت فجر نہ چھوڑو اگرچہ دشمن کے گھوڑے تمہارا تعاقب کررہے ہوں" اس حدیث کی بنا پر سنت فجر اقامت کے وقت بھی پڑھنی جائز ہوگی، اگرچہ مذکورہ بالا احادیث کی بنا پر دیگر سنن و نوافل اقامت کے وقت پڑھنی مکروہ ہوگی، اس طرح فضیلت جماعت اور فضیلت سنت فجر دونوں فضیلتیں حاصل ہو جائیں گی۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ فقہاء اگر ایسا کہیں تو چنداں تعجب نہیں کہ وہ محدث نہیں ہیں، لیکن علامہ عینی کثیر العلم اور وسیع النظر محدث ہونے کے باوجود اگر یہ کہیں تو یہ تعجب خیز ہے، کیونکہ حدیث رسول "**اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلاۃ الا المکتوبۃ**" کے عموم سے سنت فجر کے تخصیص و استثناء کی نہ صرف یہ کہ کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ اس کے نہی کے عموم میں داخل و شامل ہونے اور مخصوص و مستثنیٰ نہ ہونے کی صریح دلیلیں موجود ہیں، اس فصل کی حدیثیں اس کی شاہد عدل ہیں، عبداللہ بن مالک ابن بحینہ، عبداللہ بن سرجس، عبداللہ بن عباس، انس بن مالک، زید بن ثابت اور ابو موسیٰ اشعری کی حدیثیں جو خاص سنت فجر کے بارے میں وارد ہیں، ان میں اقامت کے وقت سنت فجر کی ادائیگی سے ایسی صراحت کے ساتھ منع کیا گیا ہے کہ کسی دوسرے احتمال اور کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔

رہا جماعت و سنت فجر دونوں کی فضیلتوں کے حاصل ہونے کا معاملہ تو دونوں کی فضیلتیں اس طرح بھی حاصل رہیں گی کہ اگر کوئی شخص بوقت اقامت پہونچے تو حکم نبوی کی تعمیل میں اس وقت سنت نہ پڑھے فرض کو مقدم رکھے جماعت میں شریک ہوکر پہلے فرض پڑھے اور ادائیگی فرض کے بعد سنت پڑھے کہ اب یہی اس کا وقت ہے، جماعت میں بروقت شرکت بھی ہوگئی، سنت بھی ادا ہوگئی، دونوں

فضیلتیں حاصل ہو گئیں۔

"الا رکعتی الفجر" کی زیادتی بے اصل ہے: اگر کوئی کہے کہ بیہقی میں بطریق حجاج بن نصیر از عباد بن کثیر از لیث عن عطاء از ابو ہریرہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ الا رکعتی الفجر.

جب نماز کی اقامت ہو جائے تو اس فرض کے علاوہ پھر کوئی دوسری نماز نہیں، مگر سنت فجر،

جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں ''الا رکعتی الفجر'' سنت فجر کا استثناء ثابت نہیں ہے، یہ زیادتی بے اصل ہے، خود امام بیہقی نے اس کے بے اصل ہونے کو بیان کیا ہے، جیسا کہ علامہ عبدالرؤف مناوی نے ''فیض القدیر شرح الجامع الصغیر'' میں، علامہ شوکانی نے ''نیل الاوطار'' اور ''الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعہ'' میں اور شیخ سلام اللہ نے ''المحلّی شرح الموطا'' میں نقل کیا ہے،

حدیث مذکور میں یہ بے اصل اضافہ اس کی سند کے راوی حجاج بن نُصیر یا عباد بن کثیر کا کرشمہ ہے، اور دونوں راوی مجروح اور ضعیف ہیں، حجاج بن نُصیر کے بارے میں امام ذہبی ''میزان الاعتدال'' میں نقل فرماتے ہیں:

امام ابن المدینی نے کہا: اس کی حدیث ضائع ہے، امام ابو حاتم رازی نے کہا: اس کی حدیث ترک کر دی گئی، امام بخاری نے فرمایا: اس سے محدثین نے سکوت کیا ہے، امام نسائی نے کہا: ضعیف ہے، ثقہ نہیں ہے، امام ابوداوٗد نے کہا: اس کی حدیث ترک کر دی گئی، امام دارقطنی وغیرہ نے کہا: ضعیف ہے، امام ابن حبان نے اپنی کتاب ''الثقات'' میں اس کا ذکر کر کے فرمایا: وہ غلطی اور وہم کرتا ہے، امام ابن معین نے کہا: وہ صدوق ہے، حافظ ابن حجر نے ''تقریب'' میں اقوال ائمہ کا خلاصہ یہ لکھا

ہے: ضعیف کان یقبل التلقین.

اور عباد بن کثیر کے بارے میں محدثین کی یہ جرحیں نقل فرمائی ہیں: امام ابن معین نے کہا: وہ کچھ نہیں ہے، امام بخاری نے کہا: مکہ مکرمہ میں سکونت پذیر تھے ان کی حدیث اصحاب الحدیث نے ترک کر دیا، امام شعبہ عباد بن کثیر کے لئے استغفار نہیں کرتے تھے، امام نسائی نے کہا: وہ مکہ مکرمہ میں رہتے تھے، وہ متروک ہیں، مجیب بن موسیٰ بیان کرتے ہیں کہ میں سفیان ثوری کے ساتھ مکہ میں تھا، عباد بن کثیر کی وفات ہوئی تو سفیان ثوری ان کے جنازہ میں شریک نہیں ہوئے، امام ابن المبارک بیان کرتے ہیں کہ میں سفیان کے پاس گیا انھوں عباد بن کثیر کے بارے میں فرمایا: اس کی حدیث سے دور رہو، احمد بن ابی مریم نے روایت کیا ہے کہ ابن معین نے فرمایا: اس کی حدیث لکھی نہ جائے، امام جریر بن عبدالحمید نے کہا: عباد بن کثیر شیخ صالح تھے، خلاصہ یہ کہ: وہ متروک ہے، امام احمد نے کہا: اس نے جھوٹی حدیثیں روایت کی ہیں۔ (تقریب)

حافظ ابن القیم ''اعلام الموقعین'' میں لکھتے ہیں: سنت صحیحہ صریحہ کو رد کر دینے کی چھپنویں مثال یہ ہے۔ پھر حضرت ابو ہریرہ وحضرت ابن بحینہ وحضرت عبداللہ بن سرجس وعبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کی احادیث صحیحہ مذکورہ جن میں اقامت کے بعد سنت فجر پڑھنے سے رسول اللہ ﷺ نے بصراحت منع فرمایا ہے، ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ ان احادیث صحیحہ کو حجاج بن نصیر جیسے متروک اور عباد بن کثیر جیسے ہالک کی روایت کردہ حدیث سے رد کر دیا گیا، اس میں ''الا رکعتی الفجر'' کی زیادتی واقعی حدیث میں زیادتی ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

ولا رکعتی الفجر: ایک تو مذکورہ روایت سخت ضعیف ہے، دوسری طرف قابل استشہاد سند کے ساتھ اس کے بالکل معارض بیہقی ہی میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے، جسمیں

"الا رکعتی الفجر" کے بجائے "ولا رکعتی الفجر" ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اذا اقیمت الصلوة فلا صلاة الا المکتوبة قیل یا رسول الله ولا رکعتی الفجر؟ قال ولا رکعتی الفجر (رواہ البیهقی ج ۲ ص ۴۸۳)

جب اقامت ہو جائے تو اس فرض نماز کے علاوہ جس کے لئے اقامت ہوئی کوئی دوسری نماز نہیں ہے، پوچھا گیا یا رسول اللہ سنت فجر بھی نہیں؟ فرمایا: سنت فجر بھی نہیں۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: امام ابن عدی نے یحییٰ بن نصیر کے ترجمہ میں اس روایت کی تخریج کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے، علامہ زرقانی نے "شرح الموطا" میں اور شیخ سلام اللہ نے "المحلی شرح الموطا" میں فرمایا کہ ابن عدی نے اس کو باسناد حسن روایت کیا ہے،

اس روایت کی سند میں دو راوی متکلم فیہ ہیں، ایک یحییٰ بن نصر بن حاجب، دوسرے مسلم بن خالد زنجی بعض ائمہ حدیث نے ان کی تضعیف کی ہے تو بہت سے ائمہ نے ان کی توثیق بھی فرمائی ہے، دونوں کے بارے میں ائمہ جرح و تعدیل کے کلام کا خلاصہ یہ ہے:

مسلم زنجی: امام یحییٰ بن معین نے کہا: ثقہ ہے، اور ایک بار کہا ضعیف ہے، اور کہا کہ لا باس بہ ہے، امام ابن عدی نے کہا: مجھے امید ہے کہ وہ لا باس بہ ہے، وہ حسن الحدیث ہے، امام ازرقی نے کہا: وہ فقیہ اور عابد صائم الدہر تھے، امام ابراہیم حربی نے کہا: وہ فقیہ اہل مکہ تھے، امام ساجی نے کہا: وہ کثیر الغلط تھے قدری تھے، امام بخاری نے کہا منکر الحدیث ہے، امام ابو حاتم نے کہا: اس کی روایت کو حجت نہیں بنایا جائے گا، امام ابو داؤد نے اس کی تضعیف کی ہے، امام ابن المدینی نے کہا: وہ کچھ نہیں ہے، امام ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے اور اپنی صحیح میں بطور حجت اس سے روایت کی

ہے (میزان الاعتدال) حافظ ابن حجر نے ''تقریب'' میں ان اقوال کا خلاصہ یہ کیا ہے: وہ صدوق ہے، اس سے کچھ اوہام ہیں۔

دوسرا راوی یحییٰ بن نصر ہے، اس کے بارے میں امام ابوزرعہ نے کہا: کچھ نہیں ہے، امام ابن عدی نے کہا: مجھے امید ہے وہ لابأس بہ ہے، امام احمد بن حنبل نے کہا: وہ جہمی تھا، ابوجہم کے قول کا قائل تھا،...... (میزان)

الغرض دونوں روایتوں کی سند متکلم فیہ ہے، لیکن "الا رکعتی الفجر" کی زیادتی کی بہ نسبت "ولا رکعتی الفجر" کی زیادتی جس اسناد سے مروی ہے، اس کے رجال اصلح ہیں، بہتر ہیں حتی کہ بعض علماء نے اس سند کو حسن بھی کہا ہے، اور عبد الرحمٰن بن بحسینہ وعبداللہ بن سرجس وابن عباس وغیرہ کی احادیث قویہ اس کی شاہد بھی ہیں، ممکن ہے کہ جن علماء نے اسے حسن کہا ہے، انہی شواہد کی بنا پر کہا ہو، اور اگر یہ ضعیف ہے تو وہ ضعیف ترین بلکہ علماء نے اسے موضوعات میں شمار کیا ہے،

حضرۃ الاستاذ علامہ سید نذیر حسین محدث دہلوی ؒ کے بعض معاصر علماء کاملین سہارنپور (مولانا احمد علی سہارنپوری ؒ محشی صحیح بخاری) نے حاشیہ صحیح بخاری میں حدیث ابو ہریرہ'' اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلاۃ الا المکتوبۃ " کے تحت لکھا ہے کہ میں نے اپنے استاذ مولانا محمد اسحٰق ؒ سے سنا ہے انھوں نے فرمایا: بیہقی کی روایت میں" اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلاۃ الا المکتوبۃ الا رکعتی الفجر" وارد ہے۔

ہمارے شیخ اجل استاذ اکمل سیدنا علامہ، نمونہ اہل استقامت، محدث، مفسر، فقیہ مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی نے معاصر مذکور پر تعاقب فرمایا اور ۱۲۹۳ھ میں ان کو یہ مکتوب تحریر فرمایا:

مکتوب شیخ الکل مولانا محمد سید نذیر حسین دہلوی

بنام مولانا احمد علی سہارنپوری/ رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از بندۂ عاجز و نحیف سید محمد نذیر حسین

بنام مولوی احمد علی سلمہ اللہ القوی

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ، بعد سلام مسنون عرض ہے کہ حدیث خیر الانام علی التحیۃ والسلام "الدین النصیحہ" کی اتباع اور آنحضرت ﷺ کے فرمان "کفی بالمرأ اثما ان یحدث بکل ماسمع" کی اقتداء کے پیش نظر آپ کی خدمت شریف میں لکھ رہا ہوں کہ آں مکرم نے بخاری شریف کی حدیث "اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ" کے تحت حاشیہ میں لکھا ہے کہ میں نے حضرت استاذی مولانا محمد اسحٰق رحمہ اللہ سے سنا ہے انھوں نے بتایا کہ بیہقی کی روایت میں آیا ہے کہ "اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ الا رکعتی الفجر" (جس سے سنت فجر کا جماعت فرض کی حالت میں پڑھنے کا جواز نکلتا ہے)، آپ کے اس قول پر اعتماد کر کے بہت سے طلبہ بلکہ بعض اکابر عصر حاضر کا یہ عمل ہو گیا ہے کہ فرض نماز فجر کی جماعت ہوتی رہتی ہے اور وہ سنت پڑھتے رہتے ہیں، سو واضح ہو کہ روایت مذکورہ میں بیہقی کے حوالہ سے "الا رکعتی الفجر" والی زیادتی محققین علماء اور خود امام بیہقی کے نزدیک بالکل مردود اور مطرود ہے، اور حدیث صحیح روایت کردہ حضرت ابو ہریرہ پر یہ اضافہ عباد بن کثیر اور حجاج بن نصیر کا وضع کردہ ہے،

بزرگ محترم! میرا گمان ہے کہ آپ نے حضرت مولانا استاذ علامہ فہامہ مولانا محمد اسحٰق صاحب رحمہ اللہ کا بیہقی سے نقل کردہ قول پورے طور پر سنا نہیں، کیونکہ امام بیہقی نے وہاں خود فرمایا ہے کہ یہ "..الا رکعتی الفجر" کی زیادتی بالکل بے اصل ہے، یا پھر حضرت مولانا مرحوم (مولانا اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ) کی طرف سے اس کے نقل میں ان کے ضعف مزاج کی وجہ سے تسامح ہوا ہے، ورنہ "الا رکعتی الفجر" کے لفظوں کے بطلان میں ثقات محدثین کی طرف سے

کوئی کلام ہی نہیں، جیسا کہ شیخ سلام اللہ صاحب نے ”محلّی شرح مؤطا“ میں فرمایا ہے کہ مسلم بن خالد نے عمرو بن دینار سے نقل کیا ہے، جب آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا: ”اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ “ تو آپ سے پوچھا گیا کہ فجر کی دوسنتوں کے بارے میں کیا ارشاد ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں ولا رکعتی الفجر یعنی جب فرض نماز کی تکبیر ہوگئی تو اب کوئی نماز حتی کہ فجر کی دوسنتوں کا پڑھنا بھی جائز نہیں، اس کو ابن عدی نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے،

اورنقل کردہ زیادتی ”الا رکعتی الفجر “ کے بارے میں امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس زیادتی کی کوئی اصل نہیں ہے تورپشتی نے کہا کہ احمد نے زیادہ کیا ”فلا صلوۃ الا التی اقیمت“ یعنی اس وقت خصوصا وہی نماز پڑھی جائے گی جس کی تکبیر کہی گئی ہے۔

اورابن عدی نے سند حسن کے ساتھ زیادہ کیا ہے کہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا ، کیانماز فجر کی سنتوں کے بارے میں بھی یہی ارشاد ہے، آپ ﷺ فرمایا ہاں بوقت جماعت ان کا پڑھنا بھی جائز نہیں ہے۔

امام شوکانی حضرت امام بیہقی سے تحت حدیث ”اذا اقیمت الصلوۃ الخ“ میں زیادتی ”الا رکعتی الفجر“ کے متعلق نقل کرتے ہیں کہ یہ زیادتی بالکل من گھڑت اور بے اصل ہے، شیخ نورالدین نے بھی ان لفظوں کو موضوعات میں شمار کیا ہے اور دوسری کتب موضوعات میں بھی یہ صراحت موجود ہے۔

ان حالات میں دین کی حفاظت کے لئے آپ پر لازم ہوجاتا ہے کہ یا تو ثقات محققین کی کتابوں سے اس جملہ اخیرہ (الا رکعتی الفجر) کی صحت ثابت فرمائیں یا پھر رجوع فرما کر اپنے طلباء کو آگاہ فرمادیں کہ یہ زیادتی ناقابل عمل اور مردود ہے، ان کے سنت ہونے کا عقیدہ بالکل نہ رکھا جائے، میں جواب باصواب کے لئے امیدوار ہوں جس سے غافلوں کو تنبیہ ہوگی، اور بہت سے

جاہلوں کے لئے آگاہی، والسلام مع الاکرام۔

(**نوٹ:** جہاں تک بعد کی معلومات ہیں حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس مکتوب کا کوئی جواب نہیں دیا نہ ہی اس غلطی کی اصلاح کی بلکہ آج تک یہ جملہ مطبوعہ بخاری معہ حواشی مولانا مرحوم حسب سابق موجود ہے)

مسئلہ ہذا میں ائمہ کے اقوال: اس مسئلہ میں سلف صحابہ، تابعین اور بعد کے ائمہ دین کے اقوال و مذاہب آئندہ صفحات میں تحریر کیے جاتے ہیں:

پہلا قول: پہلا قول یہ ہے کہ جو اقامت سنے اس کے لئے اب سنت فجر یا دیگر سنن و نوافل پڑھنا جائز نہیں ہے، نہ مسجد کے اندر نہ مسجد کے باہر، اگر وہ پڑھے گا تو نافرمانی کرے گا، یہ ظاہریہ کا قول ہے، امام ابن حزم نے یہی امام شافعی اور جمہور سلف سے نقل کیا ہے، امام قرطبی نے ''**المفھم**'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ظاہریہ سے نقل کیا ہے کہ اقامتِ فرض کے وقت کوئی سنت و نفل نماز ہوگی ہی نہیں (**لا تنعقد**) امام منذری نے ''مختصر سنن ابی داؤد'' میں حضرت ابو ہریرہ کا بھی یہی قول نقل کیا ہے، امام خطابی نے ''معالم السنن'' میں امام منذری نے ''مختصر السنن'' میں امام ابن القیم نے ''اعلام الموقعین'' میں کہا ہے کہ حضرت عمر سے مروی ہے کہ وہ اقامت کے وقت کسی کو سنت پڑھتا دیکھ لیتے تو اسے مارتے تھے۔ (۱۲)

---

(۱۲) بیہقی (ج ۲ص ۴۸۳) لیکن اس کی سند ذکر نہیں کی ہے، ابن ابی شیبہ نے ''مصنف'' (ج ۲ص ۷۷) میں یہ اثر جس سند نے روایت کیا ہے اس میں اسحاق بن عبداللہ بن ابی فروہ ایک راوی ''متروک'' ہے،- امام عبدالرزاق نے ''مصنف'' (ج ۲ص ۴۳۶) میں اور پھر ان ہی کے طریق سے امام ابن حزم نے ''محلیٰ'' (ج ۲ص ۱۱۰) میں بہ طریق ثوری **عن جابر عن الحسن بن مسافر عن سوید بن غفلہ ان عمر بن الخطاب کان یضرب الناس علی الصلاۃ بعد الاقامۃ** روایت کیا، شیخ شاکر ''محلی'' پر اپنی تعلیق میں لکھتے ہیں: راجح یہ ہے کہ یہ جابر، جابر بن یزید جعفی ہے، اور وہ ثقہ نہیں ہے، اور حسن بن مسافر کا تذکرہ میں نے کسی کتاب میں نہیں پایا،

امام زین الدین عراقی فرماتے ہیں: قول نبوی ”فلا صلاۃ“ کا دو معنی ہے، ایک تو یہ کہ اقامت کے وقت کوئی سنن و نوافل نماز شروع نہ کرے، دوسرے یہ کہ سنت و نفل میں مشغول نہ رہے اگرچہ اسے اقامت سے پہلے شروع کر چکا تھا بلکہ نماز توڑ دے چھوڑ دے تاکہ امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ اور اس کی فضیلت کو پا سکے، نیز ”لا صلوۃ“ میں اس معنی کا بھی احتمال ہے کہ اقامت شروع ہوتے ہی وہ سنت خود باطل ہو جائے گی، اگرچہ مصلی اسے خود نہ توڑے، بعض اہل ظاہر نے اس سلسلہ میں مبالغہ سے کام لیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر فقط سلام پھیرنا باقی ہو تب بھی وہ سنت باطل ہو جائے گی، اب وہ ابتداء تکبیر تحریمہ سے فرض میں شامل ہو، فرض کے بعد سنت چاہے تو پڑھے نہ چاہے نہ پڑھے، امام عراقی فرماتے ہیں: اس صورت میں کہ صرف سلام ہی باقی ہے، اس کو باطل قرار دینا غلو ہے، بھلا کوئی بتائے کہ سلام پھیرنے میں وقت زیادہ لگے گا یا اقامت پوری کرنے میں یہ بالکل ممکن ہے کہ سلام پھیر لے (سنت ادا ہو گئی) اس کے بعد اتمام اقامت سے پہلے (یا جماعت شروع ہونے سے پہلے) امام کی اقتداء بصورت اکمل یعنی ابتداء تکبیر تحریمہ سے کر سکے (یہ مسئلہ کہ سنت پہلے نہ پڑھ سکے تو فرض کے بعد اب پڑھے، معاً بعد یا طلوع آفتاب کے بعد تفصیل آگے فصل نہم میں آئے گی)

دوسرا قول: دوسرا قول یہ ہے کہ اقامت کے وقت یا اس کے بعد سنت فجر یا کسی وقت کی سنن و نوافل پڑھنا، اسے شروع کرنا یا اس میں مشغول رہنا مکروہ ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں: ”اہل علم صحابہ و تابعین کے نزدیک اسی پر عمل ہے، یہی امام سفیان ثوری، امام ابن المبارک، امام شافعی، امام احمد، امام اسحٰق بن راہویہ کا قول ہے (۱۳) امام خطابی فرماتے ہیں: کراہت کا قول عبداللہ بن عمر، ابو ہریرہ (نیز ابو موسی اشعری اور حذیفہ رضی اللہ عنہم) اور محمد بن سیرین، عروۃ بن زبیر، سعید بن جبیر، عطاء، ابراہیم نخعی کا

---

(۱۳) جامع ترمذی باب العمل فی جامع الصلوۃ (ج ۱ ص ۱۶۸)

بھی ہے، امام شافعی اور امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے، امام شوکانی نے مزید برآں طاؤس، مسلم بن عقیل، ابو ثور، اور محمد بن جریر الطبری کا بھی یہی مذہب بیان کیا ہے، (۱۴) امام بیہقی نے بھی امام شافعی کا یہی مذہب بیان کیا ہے کہ جو مسجد پہونچے اس وقت کہ اقامت ہوگئی ہو تو وہ سنت فجر نہ پڑھے، جماعت میں شامل ہو کر فرض پڑھے، امام ترمذی نے امام سفیان ثوری سے مطلقاً کراہت کا قول نقل کیا ہے، لیکن ان کے نزدیک اس بارے میں تھوڑی تفصیل ہے جو آگے آرہی ہے،

تیسرا قول: تیسرا قول یہ ہے کہ اس مسئلہ میں تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر کوئی فجر کے وقت مسجد میں اس وقت پہونچا کہ اقامت ہو رہی ہو یا ہو چکی ہو تو اب اس کے لئے مسجد میں سنت پڑھنا جائز نہیں ہے، لازم ہے کہ وہ سیدھے جماعت میں شامل ہو اور پہلے فرض پڑھے، اور اگر مسجد کے باہر ہو اور اقامت ہو رہی ہو یا ہو چکی ہو، اور یہ ممکن ہو کہ سنت ہلکی پڑھ کر بھی جماعت کے ساتھ پہلی رکعت پوری پالے گا اور ایک رکعت بھی فوت نہیں ہوگی، تو ایسی صورت میں جائز ہے کہ وہ مسجد کے باہر سنت پڑھ لے پھر مسجد میں داخل ہو کر شریک جماعت ہو جائے، لیکن اگر یہ امکان نہ ہو کہ سنت پڑھنے کے بعد پہلی رکعت پوری پاسکے تو اس کے لئے مسجد کے باہر بھی سنت پڑھنا جائز نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ وہ مسجد میں داخل ہو کر شریک جماعت ہو، اور امام کے ساتھ فرض پڑھے۔

امام مالک کا یہی مذہب ہے، صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عمر کا عمل اسی پر تھا، طحاوی (ج ۱ ص ۲۵۸) میں بہ طریق لیث حدثنی ابن الهاد عن محمد بن کعب مروی ہے، محمد بن کعب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر نماز فجر کے لئے گھر سے چلے ابھی راستے میں تھے کہ اقامت ہونے لگی، انھوں نے راستے ہی میں یعنی مسجد کے باہر سنت

---

(۱۴) ان آثار کے لئے ملاحظہ ہو مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۴۳۷، ۴۴۰ و مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۷۷

پڑھی پھر مسجد میں داخل ہوئے اور شریک جماعت ہو کر فرض پڑھی۔

طحاوی ہی میں بہ طریق شیبان بن عبد الرحمٰن عن یحیٰ بن ابی کثیر عن زید بن اسلم مروی ہے، زید بن اسلم کا بیان ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر نماز صبح کے لئے آئے، جماعت شروع ہو چکی تھی، انھوں نے سنت نہیں پڑھی تھی تو وہ مسجد کے بجائے اپنی ہمشیرہ حضرت حفصہ ام المومنین کے حجرہ میں داخل ہوئے اور وہاں سنت فجر پڑھ کر مسجد آئے اور شریک جماعت ہوئے۔

(مصنف عبد الرزاق (ج ۲ ص ۴۴۳) میں بہ طریق ایوب عن نافع روایت ہے، حضرت نافع بیان کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فجر کے وقت مسجد میں داخل ہوئے، سنت نہیں پڑھی تھی اور جماعت شروع ہو چکی تھی وہ بھی جماعت میں شامل ہو گئے نماز فرض کے بعد بیٹھے رہے اور طلوع آفتاب کے بعد سنت پڑھی، اور اقامت صلوۃ کے وقت وہ اگر راستہ میں ہوتے تو مسجد کے باہر سنت پڑھ کر مسجد میں داخل ہوتے اور شریک جماعت ہوتے)

حافظ ابن حجر "فتح الباری" میں لکھتے ہیں کہ: بوقت اقامت سنت پڑھنے کی ممانعت کو عبد اللہ بن عمر نے اس کے لئے خاص سمجھا ہے جو مسجد میں ہو، لیکن جو اس وقت مسجد کے باہر ہو وہ مسجد کے باہر پڑھ سکتا ہے، چنانچہ بسند صحیح آپ سے ثابت ہے کہ اقامت کے وقت کسی کو مسجد میں سنت پڑھتا دیکھتے تو اسے کنکری سے مارتے تھے، (۱۵) اور یہ بھی بسند صحیح ثابت ہے کہ وہ مسجد میں آرہے تھے اقامت سنی تو مسجد جانے کے بجائے حضرت حفصہ ام المومنین کے حجرہ میں آ گئے وہاں سنت فجر پڑھنے کے بعد مسجد میں داخل ہوئے اور امام کے ساتھ فرض با جماعت پڑھی۔

چوتھا قول: اس مسئلہ میں چوتھا قول یہ ہے کہ اگر فجر کی جماعت شروع ہو چکی ہو اور اس

---

(۱۵) سنن کبریٰ بیہقی (ج ۲ ص ۴۷۳)

کا امکان ہو کہ سنت پڑھنے کے بعد دوسری رکعت مل جائے گی تو مسجد کے باہر سنت پڑھ کر مسجد میں داخل ہو اور شریک جماعت ہو، اور اگر یہ گنجائش نہ ہو بلکہ اندیشہ ہو کہ سنت سے فارغ ہوتے ہوئے امام دوسری رکعت کے رکوع سے اٹھ جائیگا اور امام کے ساتھ دوسری رکعت کا رکوع نہیں پائے گا تو اس کے لئے مسجد کے باہر بھی سنت پڑھنا منع ہے چہ جائیکہ مسجد میں پڑھے، پہلی صورت میں بھی مسجد کے اندر صفوں سے علیحدہ کسی ایک طرف بھی پڑھنے کی اجازت نہیں ہے، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا مذہب ابن عبدالبر نے یہی نقل کیا ہے، امام خطابی نے امام ابوحنیفہ کا قول امام مالک کے مثل نقل کیا ہے۔☆ (مولانا انور شاہ کشمیری "فیض الباری تقریر بخاری" (ج ۲ ص ۱۹۸) میں فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی اصل مذہب ہے، جیسا کہ "جامع صغیر" اور "بدائع" میں مذکور ہے، اور اسی کو صاحب ہدایہ نے بھی اختیار کیا ہے، نیز اس کی تصریح دوسرے مذاہب کے علماء نے بھی کی ہے مثلاً شافعیہ میں سے قسطلانی (وخطابی) نے اور مالکیہ میں سے ابن رشد و ابوالولید باجی (وابن عبدالبر) نے امام صاحب سے بحالت جماعت سنت فجر مسجد کے اندر پڑھنے کی کوئی روایت نہیں ہے.... پھر امام محمد نے مزید وسعت پیدا کر دی ہے اور کہا کہ اگر امام کیساتھ قعدہ تشہد بھی مل جانے کی امید ہو تو مسجد کے باہر سنت پڑھ کر جماعت میں شریک ہو، پھر ہمارے مشائخ نے مزید گنجائش پیدا کر دی اور بحالت جماعت سنت فجر مسجد میں پڑھنے کی اجازت دے دی، میرا گمان ہے کہ یہ گنجائش سب سے پہلے امام طحاوی نے بڑھائی اور بحالت جماعت سنت فجر مسجد کے اندر پڑھنے کی اجازت دی اس شرط کے ساتھ کہ صفوں سے علیحدہ کنارے کسی طرف پڑھے تاکہ فرض و سنت کے درمیان فصل رہے اختلاط نہ ہو، کیونکہ ان کے نزدیک بحالت جماعت سنت پڑھنے کی ممانعت کی علت یہی وصل و اختلاط ہے، شاید تم سمجھ گئے ہو گے کہ صاحب مذہب امام ابوحنیفہ رحمۃ

اللہ علیہ نے جو دو قیدیں ذکر کی تھیں (یعنی امام کے ساتھ دوسری رکعت کا رکوع پانے اور مسجد کے باہر پڑھنے کی) ان میں سے ایک تو امام محمد کی توسیع سے اٹھ گئی اور دوسری امام طحاوی کی توسیع سے، میں امام ابوحنیفہ کے مذہب پر عمل کرتا ہوں، اور تحقیق کہ اس کا بھی لوگوں نے (علماء وفقہاء نے) فتویٰ دیا ہے‘‘) (مترجم)

پانچواں قول: پانچواں قول یہ ہے کہ اگر کوئی فجر کی اقامت بلکہ جماعت شروع ہونے کے بعد مسجد پہونچے اور اسے امید ہو کہ وہ سنت فجر پڑھ کر بھی دوسری رکعت یعنی دوسری رکعت کا رکوع امام کے ساتھ پالے گا تو وہ مسجد میں سنت فجر پڑھ کر امام کے ساتھ شامل جماعت ہو، اور اگر اسے خوف ہو کہ سنت فجر پڑھنے کے بعد دوسری رکعت امام کے ساتھ نہ پا سکے گا تو وہ سنت پڑھے بغیر امام کے ساتھ شریک جماعت ہو جائے، امام اوزاعی اور امام سعید بن عبدالعزیز کا یہی مذہب ہے، امام نووی نے امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی مذہب نقل کیا ہے۔

چھٹا قول: چھٹا قول یہ ہے کہ سنت فجر پڑھنے کے بعد بھی پہلی رکعت امام کے ساتھ پا جانے کا اطمینان ہو تو خواہ مسجد کے باہر ہو خواہ مسجد میں سنت فجر پڑھ کر جماعت میں شامل ہو، امام ابن عبدالبر نے سفیان ثوری سے ایسا ہی نقل کیا ہے، یہ امام ترمذی کے نقل کردہ قول ثوری سے مختلف ہے جو دوسرے نمبر پر گذر چکا ہے۔

ساتواں قول: یہ ہے کہ سنت فجر پڑھے بغیر شریک جماعت نہ ہو خواہ جماعت فوت ہو جائے، بشرطیکہ اس کے بعد بھی وقت میں ادائیگی فرض کی گنجائش ہو، یہ ابن جلاب مالکی کا قول ہے۔

آٹھواں قول: یہ ہے کہ جماعت شروع ہو چکی ہو، تو کوئی نفل وسنت پڑھنی جائز نہیں ہے نہ سنت فجر نہ دیگر سنن رواتب، لیکن اقامت کے بعد ابھی جماعت شروع نہ ہوئی ہو اور جماعت شروع ہونے میں سنت پڑھنے کے بقدر موقع ہو تو اقامت کے بعد بھی

سنت پڑھ سکتا ہے، یہ قول امام ابن عبد البر کا ہے۔

نوواں قول: نوواں قول یہ ہے کہ نہ صرف بوقت اقامت و بعد از اقامت بلکہ بحالت جماعت بھی سنت فجر مسجد کے اندر بھی پڑھی جا سکتی ہے (بلکہ سنت فجر پڑھ کر ہی جماعت میں شامل ہو اگر چہ دونوں رکعت فوت ہو جائے اور امام کے ساتھ صرف قعدہ تشہد مل سکے، علامہ شامی فرماتے ہیں: اس مسئلہ کا مدار فضیلت جماعت پانے پر ہے، اور اس پر اتفاق ہے کہ جماعت کی فضیلت امام کو تشہد میں پانے سے بھی حاصل ہو جاتی ہے، اس لئے اگر تشہد مل جانے کی امید ہو تو سنت فجر پڑھ کر ہی جماعت میں شامل ہو، اس پر اتفاق ہے، شرنبلالیہ، شرح منیہ، شرح نظم الکنز، حاشیہ در مختار از نوح آفندی، قہستانی، اور مواقیت وغیرہ میں اس کی وضاحت ہے"۔ (اس بارے میں علامہ انور شاہ کشمیری کی یہ تصریح گذر چکی ہے کہ "مشائخ حنفیہ کا یہی مذہب ہے، اور یہ مسئلہ امام محمد اور امام طحاوی کی مجموعی توسیعات کا نتیجہ ہے، ورنہ یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اصل مذہب نہیں ہے۔)

امام طحاوی کے موقف اور ان کے مزعومہ دلائل کا گذشتہ صفحات میں کافی وافی جائزہ گذر چکا ہے، احادیث نبویہ اور سنت صحیحہ کی روشنی میں پہلا پھر دوسرا قول ہی محقق اور صحیح ہے، دیگر اقوال کی حدیث نبوی سے تائید نہیں ہوتی (١٦) اور بعض صحابہ کے آثار سے جو استدلال کیا گیا ہے وہ کمزور ہے۔ (١٧)

---

(١٦) مولانا عبد الحئ لکھنوی تحریر فرماتے ہیں: لا يخفى على الماهر ان ظاهر الاخبار المرفوعه هو المنع (التعليق الممجد ص ٨٦) یعنی فن حدیث کے ماہر پر مخفی نہیں کہ احادیث نبویہ کا ظاہر یہی ہے کہ اقامت یا جماعت شروع ہو گئی ہو تو اس وقت سنت فجر پڑھنی منع ہے۔

(١٧) صحابہ کے آثار و اقوال سے استدلال دو شرط کے ساتھ مشروط ہے:

(الف) علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں: صحابی کا قول اس شرط کے ساتھ حجت ہے کہ کسی حدیث نبوی سے اس کی نفی نہ ہوتی ہو (فتح القدیر ص ج٢ ص ٢٩٤، باب صلوة الجمعة) مولانا ظفر احمد تھانوی لکھتے ہیں: قول صحابی ہمارے نزدیک حجت ہے جب کہ کوئی حدیث مرفوع اس کے معارض نہ ہو (اعلاء السنن ج١ ص

آثار صحابہ: مصنف ابی شیبہ (ج ا ص ۲۵۱) میں بطریق ابو اسحاق مروی ہے کہ (فجر کے وقت) عبداللہ بن مسعود و اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم سعید بن العاص کے پاس سے آئے تو نماز کی اقامت ہو چکی تھی عبداللہ بن مسعود نے پہلے دو رکعت سنت فجر پڑھی پھر شریک جماعت ہوئے۔

اور طحاوی (ج ا ص ۲۵۸) میں بطریق ابو اسحٰق روایت ہے کہ سعید بن العاص نے ابو موسیٰ اشعری، حذیفہ بن الیمان اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کو فجر سے پہلے اپنے پاس بلایا، پھر وہ لوگ اس کے پاس سے نکلے تو نماز فجر کی اقامت ہو چکی تھی، عبداللہ بن مسعود مسجد کے ایک ستون کے پاس بیٹھ گئے اور پہلے دو رکعت سنت فجر پڑھی، پھر مسجد میں داخل ہوئے یعنی شریک جماعت ہو کر نماز فجر پڑھی، (ابن ابی شیبہ کی روایت کی روشنی میں ظاہر یہ ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حذیفہ بن الیمان نے بحالت جماعت سنت نہیں پڑھی، سیدھے شریک جماعت ہوئے۔ (۱۸)

۱۲۶، ۱۴۰) مولانا سرفراز خاں صفدر حنفی فرماتے ہیں کہ اصول حدیث کی رو سے مرفوع (حدیث نبوی) اور موقوف (قول صحابی) کا جو فرق ہے وہ نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے۔ جو حیثیت محمد ﷺ کی مرفوع حدیث کی ہے وہ یقیناً کسی صحابی کے قول کی نہیں ہے۔ (راہ سنت ص ۱۱۴)

(ب) مولانا عبدالحئی لکھنوی فرماتے ہیں: صحابہ کرام کے اقوال و آثار اس وقت مفید ہوتے ہیں جب وہ باہم مختلف نہ ہوں (غیث الغمام ص ۱۵۵)

اور جب کسی مسئلہ میں صحابہ کرام کا اختلاف ہو، ان کے اقوال ایک دوسرے سے مختلف ہوں تو صحابہ کے اقوال کے حجت نہ ہونے پر اکابر احناف متفق ہیں بلکہ بعض نے تو اجماع کا دعویٰ کیا ہے، صاحب توضیح لکھتے ہیں: ''ولا یجب اجماعا فیما ثبت الخلاف بینھم'' (التوضیح والتلویح ص ۳۲۲) یعنی جن مسائل میں صحابہ کے درمیان اختلاف ہو، ان کی تقلید و اتباع واجب نہیں ہے، اس پر اجماع ہے، مولانا ظفر احمد تھانوی فرماتے ہیں: مرفوع حدیث کے مقابلہ میں قول صحابی حجت نہیں ہے بالخصوص جب کہ وہ مسئلہ صحابہ کرام کے درمیان مختلف فیہ ہو (اعلاء السنن ج ا ص ۲۳۸، باب آداب الاستنجاء)۔ (مترجم)

(۱۸) مصنف ابن ابی شیبہ و طحاوی دونوں کی سند میں ابو اسحاق عمرو بن عبداللہ السبیعی ہے، اور ان کا آخر عمر=

طحاوی میں ابومجلز سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں فجر کے وقت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس کے ساتھ مسجد میں داخل ہوا، جماعت شروع ہوچکی تھی، تو عبد اللہ بن عمر سیدھے صف میں داخل ہوئے (یعنی شریک جماعت ہوکر امام کیساتھ فرض پڑھی) اور عبد اللہ بن عباس نے پہلے دو رکعت سنت فجر پھر امام کے ساتھ شریک جماعت ہوئے، نماز سے فراغت کے بعد عبداللہ بن عمر اپنی جگہ بیٹھے رہے، اور طلوع آفتاب کے بعد سنت فجر پڑھی۔

= میں حافظہ خراب ہوگیا تھا ''تقریب'' میں ہے: **ثقة عابد اختلط بآخره**، طحاوی میں سبیعی سے روایت کرنے والے راوی زہیر بن معاویہ ہیں اور ائمہ جرح وتعدیل نے صراحت کی ہے کہ زہیر بن معاویہ کی ابواسحاق سبیعی سے ملاقات حالت اختلاط میں ہوئی ہے ''تقریب'' میں ہے: **زهير بن معاويه ثقة ثبت الا ان سماعه عن ابی اسحق بآخره**''۔ اس لئے ازروئے اصول یہ روایت قابل قبول نہیں ضعیف ہے۔

اگر کوئی کہئے کہ زہیر کی سفیان ثوری نے متابعت کی ہے (طحاوی ج۱ص۲۵۷) تو جواب یہ ہے کہ یہ متابعت غیر مفید ہے کیونکہ اس کی سند میں خالد بن عبد الرحمٰن مخزومی ہے اور وہ متروک الحدیث اور منکر الحدیث ہے۔ (تہذیب وتقریب)

تیسرا اثر جو ابومجلز سے مروی ہے اس کی سند میں حسین بن واقد ہے، تقریب میں ہے:

''**ثقة له اوهام من السابعة**'' امام احمد نے اس کی بعض روایات کو منکر قرار دیا ہے (میزان ج۱ص ۵۴۹) ثانیا روایت مذکورہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سنت فجر کی بھی قضا ہے، مگر حنفیہ اس کو نہیں مانتے۔

پانچواں اثر جو ابوعثمان نہدی سے مروی ہے اس کی سند میں جعفر نامی راوی مجہول ہے جو طحاوی کی روایت میں ابوعثمان نہدی سے روایت کرتا ہے اور جس سے ہشام دستوائی روایت کرتے ہیں، تہذیب میں اس نام کا کوئی راوی نہ تو ابوعثمان نہدی کا شاگرد ہے نہ ہی امام دستوائی کا استاذ بتایا گیا ہے۔

امام مسروق کا اثر جس سند سے مروی ہے اس میں سعید بن ابی عروبہ مدلس ہیں اور انھوں نے بلفظ ''عن'' روایت کیا ہے اور مدلس کی معنعن روایت ضعیف ہوتی ہے نیز آخر عمر میں ان کا حافظہ بھی خراب ہوگیا تھا ''تقریب'' میں ہے: کثیر التدلیس واختلط، دوسرے راوی حصین بن عبد الرحمٰن حارثی ہیں امام احمد فرماتے ہیں یہ منکر روایات بیان کرتے ہیں (میزان وتہذیب)

حسن بصری کا اثر جس سند سے مروی ہے اس میں ایک راوی یونس بن اسحاق متکلم فیہ ہیں ''تقریب'' میں ہے: **صدوق یهم قلیلا**'' امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں: ان میں سخت غفلت پائی جاتی ہے (تہذیب) مترجم۔

طحاوی ہی میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ وہ فجر کے وقت مسجد میں داخل ہوئے اور جماعت شروع ہو چکی تھی تو مسجد میں کنارے سنت فجر پڑھی پھر لوگوں کے ساتھ جماعت میں شریک ہوئے۔

اسی طرح امام طحاوی نے بطریق ابو عثمان نہدی روایت کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عمر رضی اللہ کے پیچھے نماز فجر با جماعت پڑھنے کے لئے آئے، جماعت شروع ہو چکی تھی اور ہم ابھی سنت نہیں پڑھے ہوئے تھے تو ہم پہلے مسجد کے آخری کے حصہ میں سنت فجر پڑھتے پھر لوگوں کے ساتھ نماز میں داخل ہوتے، یعنی شریک جماعت ہو کر فرض پڑھتے۔

امام طحاوی نے حضرت امام شعبی سے امام مسروق تابعی کے بارے میں روایت کیا ہے کہ وہ نماز فجر کے وقت مسجد آتے جماعت شروع ہو چکی ہوتی اور سنت فجر نہ پڑھے ہوتے تھے تو مسجد میں سنت فجر پڑھنے کے بعد شریک جماعت ہوتے۔

اور یزید بن ابراہیم سے حضرت حسن بصری کے متعلق روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے ”تم جب مسجد پہونچو اور سنت فجر نہ پڑھی ہو تو سنت فجر پڑھو، اگر چہ امام نماز شروع کر چکا ہو، پھر امام کے ساتھ شریک جماعت ہو جاؤ۔

امام طحاوی ان آثار کی روایت کے بعد فرماتے ہیں: ”دیکھئے یہ صحابہ و تابعین بحالت جماعت مسجد میں کنارے سنت فجر پڑھنے کو مباح سمجھتے ہیں“۔ امام خطابی اور امام منذری فرماتے ہیں ایک جماعت نے اس کی رخصت دی ہے، یہ ابن مسعود، حسن بصری، مجاہد، مکحول اور حماد بن ابی سلیمان سے بھی مروی ہے۔

(مولف رحمۃ اللہ علیہ نے ان آثار پر سند اور اس کے صحیح اور ضعیف ہونے کے اعتبار سے کوئی کلام نہیں کیا ہے، صرف اس پہلو سے کلام کیا ہے کہ آثار صحابہ کے دلیل و حجت ہونے کے لئے ائمہ اصول نے جو دو شرطیں بیان فرمائی ہیں وہ دونوں

یہاں مفقود ہیں، صحابہ کا زیر بحث مسئلہ میں اختلاف بھی ہے، اور مذکورہ آثار کی احادیث صریحہ اور سنت صحیحہ سے نفی بھی ہوتی ہے اور ایسی صورت میں آثار صحابہ بالاتفاق حجت نہیں ہیں، مولف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:)

> میں یہ نہیں سمجھ پا رہا ہوں کہ میں کسی امتی کے فعل کی بنا پر جس کی سنت سے دلیل کا بھی پتہ نہیں ہے، حدیث رسول ﷺ کو کیسے چھوڑ دوں، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن بحینہ، حضرت عبد اللہ بن سرجس، ابو موسیٰ اشعری، اور حضرت انس بن مالک وغیرہ صحابۂ کرام کی احادیث ثابتہ صحیحہ صریحہ ہمارے سامنے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب اقامت شروع ہوگئی ہو یا جب جماعت شروع ہوگئی ہو تو سنت فجر اور کوئی سنت ونفل پڑھنے سے منع فرمایا ہے، اس پر نکیر فرمائی، ایسی حالت میں تو ہمارے لئے فرمان رسول کے خلاف عمل کرنا جائز نہیں ہے، "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" (احزاب-۲۱) تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کے اندر عمدہ نمونہ ہے، "فان تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللہ و الرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الآخر ذلک خیر واحسن تاویلا" (نساء-۵۹) پھر اگر کسی چیز میں تمہارے درمیان اختلاف ہو تو اسے لوٹاؤ اللہ کی طرف اور رسول کی طرف، اگر تم اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہت بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے بہت اچھا ہے۔

امام بیہقی "معرفۃ السنن" میں فرماتے ہیں: "جب نبی ﷺ سے حدیث ثابت ہوگئی تو پھر اس کے بعد کسی اور کا فعل حجت نہیں" علامہ ابن عبد البر وغیرہ فرماتے ہیں: "اختلاف کے وقت حجت سنت نبوی ہے، جس نے اسے اختیار کیا وہ کامیاب ہوا، اقامت کے وقت سنت ونفل نہ پڑھنا اور پھر اسے فرض کے بعد پڑھ لینا اتباع سنت سے قریب تر ہے" بایں معنی بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ اقامت میں موذن کہتا ہے "حی علی الصلوۃ" آؤ فرض نماز کے لئے جس کی اقامت ہو رہی ہے،

سو جو شخص اس امر کی تعمیل کرے اور اس وقت دوسری کسی سنت و نفل میں مشغول نہ ہو وہی سعادت مند ہے۔

علامہ ابن القیم ''اعلام الموقعین'' میں فرماتے ہیں: ''حماد بن سلمہ از ایوب سختیانی از نافع از ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ سنت فجر پڑھ رہا ہے حالانکہ اقامت شروع چکی تھی، تو اسے کنکری چلا کے مارا اور فرمایا نماز فجر چار رکعت پڑھو گے، اگر کہا جائے کہ حضرت ابو درداء اور اسی طرح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم جب فجر کے وقت مسجد اس وقت پہونچے کہ جماعت شروع ہو چکی تھی تو مسجد میں کنارے سنت فجر پڑھ کر امام کے ساتھ جماعت میں شریک ہوئے، تو کہا جائے گا کہ ان کے بالمقابل یہ عمر فاروق اور عبداللہ بن عمر ہیں جو ایسا کرنے والے کو مارتے تھے، اور سنت نبوی تو اپنی جگہ سالم ہے اس کا کوئی معارض نہیں''۔

امام نووی فرماتے ہیں اقامت ہوتے سنت سے رک جانے کی حکمت یہ ہے کہ نمازی فرض نماز کے لئے شروع نماز ہی سے متفرغ ہو جائے، اور فرض امام کے ساتھ شروع کر سکے، مکملات فرض کی محافظت سنت و نفل میں مشغول ہونے سے اولیٰ ہے،

(امام ابن حزم فرماتے ہیں: کسی دو کو بھی اس سے اختلاف نہیں ہوگا کہ نماز فرض، نماز نفل سے بہتر ہے، خیر ہے، اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "اتستبدلون الذی هو ادنی بالذی هو خیر" کیا خیر کی جگہ ادنی کو اختیار کرو گے، (محلی ج ۳ ص ۱۱)

حاصل یہ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت ابو درداء اور حضرت عبداللہ بن عباس اگر بوقت اقامت و بحالت جماعت مسجد میں سنت فجر پڑھ لینے کو جائز سمجھتے ہیں تو حضرت عمر فاروق، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو، ابو ہریرہ، ابو موسیٰ اشعری، اور حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہم اس کو جائز نہیں سمجھتے تھے

اس پر نکیر کرتے تھے،

اس طرح تابعین واتباع تابعین وغیرہم امام مسروق، امام حسن بصری، امام مجاہد، امام مکحول، امام حماد بن ابی سلیمان اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ اگر اس کو جائز سمجھتے ہیں تو امام سعید بن جبیر، امام ابن سیرین، امام عروہ بن الزبیر، امام ابراہیم نخعی، امام عطاء بن ابی رباح، امام شافعی، امام احمد، امام ابن المبارک، امام اسحاق بن راہویہ اور جمہور محدثین اس کو ناجائز کہتے ہیں۔

ابھی اوپر یہ اصول گذر چکا ہے کہ صحابی کا قول وفعل سنت نبوی کے مقابل ومعارض ہو، یا اقوال صحابہ باہم مختلف ہوں تو وہ حجت نہیں ہیں، حجت عند التنازع سنت نبوی ہی ہے، اور سنت نبوی سے بوقت اقامت یا بحالت جماعت سنت پڑھنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ صریح نہی وممانعت ہی وارد ہے،

اگر کوئی کہے کہ ابن ماجہ (باب ماجاء فی الرکعتین قبل الفجر ص ۷۱) میں بہ طریق ابو اسحٰق عن الحارث عن علی مروی ہے کہ "نبی ﷺ اقامت کے وقت سنت پڑھتے تھے"۔ تو عرض ہے کہ یہ نبی ﷺ سے ہرگز ثابت نہیں ہے، یہ حارث اعور کی کرشمہ سازی ہے، وہ سخت ضعیف بلکہ متہم بالکذب ہے،

اس سے روایت کرنے والے راوی ابو اسحٰق سبیعی ہیں وہ مدلس ہیں اور "عن" کے ذریعہ روایت کیا ہے مدلس کی معنعن روایت معتبر نہیں ہوتی،

اگر کوئی کہے کہ ائمہ حنفیہ میں شیخ علامہ برہان الدین محمود بن تاج الدین احمد ابن الصدر الشہید نے "المحيط البرهاني الفقه النعماني" میں لکھا ہے کہ:

قد صح ان رسول الله ﷺ خرج إلى حى من احياء العرب ليصلح بينهم بشئ بلغه منهم واستخلف عبد الرحمن بن عوف، فلما رجع وجده فى الصلاة فدخل منزله وصلى ركعتى الفجر ثم خرج وصلى

معه.

(صحیح روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ قبائل عرب میں سے ایک قبیلہ میں تشریف لے گئے کہ ان کے درمیان جو اختلاف واقع ہو گیا ہے اس میں صلح کرا دیں اور مدینہ میں عبد الرحمٰن بن عوف کو اپنا جانشیں بنا دیا، آپ جب واپس آئے تو عبد الرحمٰن بن عوف کو نماز فجر میں پایا، تو آپ گھر چلے گئے وہاں دو رکعت سنت فجر پڑھ کر مسجد آئے اور عبد الرحمٰن بن عوف کے ساتھ نماز فجر پڑھی۔)

اور شیخ قوام الدین امیر کاتب بن امیر عمر اتقانی نے ''غایۃ البیان'' میں لکھا ہے کہ: نبی ﷺ نے امام کے نماز فجر شروع کرنے کو جان لینے کے باوجود گھر میں سنت فجر پڑھی۔

جواب یہ ہے کہ یہ حدیث کتب حدیث میں سے کسی کتاب میں مروی اور موجود نہیں ہے، اسی طرح امیر کاتب اتقانی نے جو کہا ہے وہ حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ہے۔ شیخ برہان الدین صاحب ''المحیط البرہانی'' اور شیخ امیر کاتب اتقانی صاحب ''غایۃ البیان'' جیسے فقہاء کی نقل قابل اعتماد نہیں ہے یہ محدث نہیں ہیں، انھوں نے نہ حدیث کی سند بیان کی ہے نہ کسی محدث یا کسی کتاب کا حوالہ دیا ہے، غرض یہ بالکل بے بنیاد ہے۔

البتہ بخاری و مسلم وغیرہ میں ایک دوسرا واقعہ مروی ہے جو اس سے بالکل مختلف ہے صحیح مسلم میں اس کی تفصیل یہ ہے:

> حضرت مغیرہ بن شعبہ بیان کرتے ہیں کہ وہ غزوہ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، رسول اللہ ﷺ نماز فجر سے پہلے قضائے حاجت کے لئے گئے، میں ساتھ میں پانی لیکر گیا، آپ جب واپس آئے تو میں نے آپ کو وضو کرایا، برتن سے میں نے آپ کے ہاتھ پر پانی ڈالا آپ ﷺ نے تین بار ہاتھوں کو

> دھویا، پھر دھویا، پھر ہاتھ دھونے کے لئے جبہ کی آستین سرکانے لگے آستین تنگ تھی، آپ نے دونون ہاتھ جبہ کے نیچے سے نکالے اور انھیں کہنیوں تک دھویا، پھر موزوں پر مسح فرمایا، پھر میں آپ کے ساتھ آیا، آپ نے لوگوں کو پایا کہ عبد الرحمٰن بن عوف کو امامت کے لئے بڑھایا ہے وہ لوگوں کو نماز پڑھا رہے ہیں ایک رکعت نماز ہو چکی ہے آپ ﷺ نے دوسری رکعت پائی (ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ عبد الرحمٰن بن عوف نے آنحضرت ﷺ کے آنے پر پیچھے ہٹنا چاہا، آنحضرت ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ رہو نماز پڑھاؤ، چنانچہ عبدالرحمٰن بن عوف کے سلام پھیرنے کے بعد آپ ﷺ نے دوسری رکعت ادا فرمائی۔

یہ ہے صحیح واقعہ جس کو برہانی واتقانی وغیرہ نے مذہب کی بیجا پاسداری میں کچھ کا کچھ بنا دیا ہے، نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔

رہا یہ مسئلہ کہ اقامت شروع ہونے سے پہلے جو سنت شروع کر چکا ہو وہ سنت پوری کرے یا توڑ دے، اس میں اہل علم کا اختلاف ہے، اس فصل کی پہلی حدیث، حدیث ابو ہریرہ "اذا اقیمت الصلوة فلا صلوة الا المکتوبة" کی تشریح میں گذر چکا ہے کہ اس کا ظاہر اور راجح معنی یہ ہے کہ جب اقامت شروع ہوگئی ہو تو اس فرض نماز کے علاوہ جس کی اقامت ہو رہی ہے کوئی دوسری نماز فرض، سنت، نفل پڑھنی درست نہیں ہے، نہ شروع کرنی درست ہے نہ پہلے سے شروع کردہ کو پوری کرنی درست ہے بلکہ اسے درمیان ہی سے توڑ دینا چاہئے تاکہ امام کے ساتھ شروع سے شریک جماعت ہو سکے، تکبیر تحریمہ بھی فوت نہ ہونے پائے، حافظ منذری نے فرمایا ظاہریہ کا یہی مذہب ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: "لا صلوة الا المکتوبة" کا عموم اسی پر دلالت کرتا ہے، شافعیہ امام ابو حامد وغیرہ کا یہی قول ہے، حافظ عراقی فرماتے ہیں "یہ واضح ہے"، اس مسئلہ میں قول محقق یہی ہے، ہمارے شیخ علامہ نذیر

حسین محدث دہلوی بھی اسی کا فتویٰ دیتے ہیں،

تنبیہ: آیت کریمہ: ”**یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم**“ (سورہ محمد۔۳۳) سے مذکورہ مسئلہ میں شروع کردہ سنت کو نہ توڑنے اور پوری کرنے پر استدلال صحیح نہیں ہے، آیت کریمہ کا معنی ومقصود یہ ہے کہ اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو یعنی اللہ اور اس کے رسول کی خلاف ورزی کر کے، کفر ونفاق یا ریاء ونمائش کے ذریعہ، رہا کسی نفل کو درمیان میں چھوڑ دینا پورا نہ کرنا تو یہ ”**لا تبطلوا اعمالکم**“ کا مصداق نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ مثال کے طور پر صوم نفل درمیان میں توڑ دینا بالاتفاق مباح ہے، کوئی اختلاف نہیں، البتہ اختلاف اس میں ہے کہ توڑ دینے کے بعد اس کی قضا کا کیا حکم ہے، سو اکثر ائمہ وفقہاء کے نزدیک قضا کرنا ضروری نہیں ہے اور بعض ائمہ کے نزدیک ضروری ہے،

بوقت اقامت یا بحالت جماعت سنت پڑھنے کی اجازت جن لوگوں نے بھی دی ہے وہ فقط سنت فجر کے ساتھ مخصوص ہے، دیگر اوقات کی سنتیں اس حالت میں پڑھنا بہر حال بالاتفاق ممنوع ہے، اس کی اجازت کسی نے نہیں دی ہے۔

اعتراف حق: ((بریلوی مکتب فکر کے ممتاز عالم غلام رسول سعیدی شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی، ”شرح صحیح مسلم“ میں فرماتے ہیں:

> اس باب کی احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر کی اقامت کے وقت سنتیں پڑھنے سے منع فرمایا ہے، اور اس وقت سنتیں پڑھنے والے شخص کو فرض پڑھنے والا قرار دیا ہے، اور اس سے منع فرمایا ہے، اس میں یہ تنبیہ ہے کہ جس وقت فرض پڑھے جا رہے ہوں اس وقت فرض ہی پڑھنا چاہئے... اس لئے اتباع حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ اقامت فجر

کے وقت سنت پڑھنا شروع نہ کرے، کیونکہ جس کے حکم سے سنتیں پڑھی جاتی ہیں وہ خود منع فرما رہے ہیں، (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۲۰- ماخوذ از "دین الحق فی تنقید جاء الحق" ص ۴۷۹ مولفہ مولانا داؤد ارشد) مترجم))

یوم عید الفطر ۱۴۲۹

۲/۱ اکتوبر ۲۰۰۸ء

فصل ہشتم

وہ اوقات جن میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے

وہ اوقات جن میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے، ان کی دو قسم ہے، ایک قسم وہ ہے جس میں ممانعت و کراہتِ صلوۃ کا تعلق مصلی کے فعل سے ہے بایں معنی کہ اگر فعل موخر ہو تو نماز اس سے پہلے مکروہ نہ ہوگی اور اگر فعل وقت میں ادا ہو جائے تو اس کے بعد صلوۃ مکروہ ہوگی، جیسے صلوۃ فجر اور صلوۃ عصر کے بعد صلوۃ کی ممانعت، اس کی توضیح یہ ہے کہ مثلاً فجر یا عصر اول وقت میں با جماعت ادا ہوگئی ہو، لیکن کوئی متخلف ہو اس نے ابھی فجر یا عصر نہ پڑھی ہو تو ظاہر ہے کہ وہ سنت و فرض دونوں پڑھے گا تو اگر چہ یہ با جماعت فجر یا عصر کے بعد پڑھنا ہوا لیکن اس کے فعل اور اس کی صلوۃ فجر یا عصر کے بعد نہیں ہوا، اس لئے یہ جائز ہے، البتہ اس کے اس فعل یعنی فجر یا عصر پڑھ لینے کے بعد اب اس کے لئے بھی بلا سبب کوئی نفل و سنت پڑھنی جائز نہیں ہے، اس قسم میں وقتِ کراہت کم و بیش ہو سکتا ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جس میں ممانعت و کراہت کا تعلق تمام تر وقت سے ہے جیسے وقت طلوع آفتاب، وقت غروب آفتاب، وقت استواء نصف النہار۔

اس طرح اوقات ممنوعہ و مکروہہ جن میں نماز پڑھنے سے فی الجملہ منع کیا گیا ہے پانچ ہیں، وقت طلوع آفتاب تا آنکہ آفتاب بلند ہو جائے، وقت غروب آفتاب تا آنکہ پوری طرح غروب ہو جائے، وقت استواء شمس تا آنکہ زوال ہو جائے، نماز فجر کی ادائیگی کے بعد سے طلوع آفتاب تک، نماز عصر کی ادائیگی کے بعد سے غروب آفتاب تک۔

غور کیجئے تو اوقات ممنوعہ درحقیقت تین ہی ہیں وقت استواء، نماز فجر کے بعد سے آفتاب کے بلند ہونے تک، اس میں طلوع آفتاب کا وقت بھی آگیا، اور ایسے ہی نماز عصر کے بعد آفتاب کے پوری طرح غروب ہو کر چھپ جانے تک، اس میں غروب آفتاب کا وقت بھی آگیا،

(اوقات ممنوعہ کے بیان سے متعلق احادیث صحابہ کی ایک بڑی جماعت کم و بیش تیس (۳۰) صحابہ سے مروی ہیں، جن کے اسماء گرامی مع حوالہ کتب ایک مناسب ترتیب کے ساتھ نیچے درج کئے جا رہے ہیں:

(الف) کے تحت مذکور صحابہ کی حدیثوں میں چار اوقات ممنوعہ بعد الفجر، بعد العصر، طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کا ذکر ہے، (ب) کے تحت مذکور صحابہ کی احادیث میں پانچوں اوقات ممنوعہ کا ذکر ہے، (ج) کے تحت مذکور صحابہ کی حدیثوں میں تین اوقات ممنوعہ طلوع آفتاب، غروب آفتاب اور نصف النہار کا ذکر ہے، (د) کے تحت مذکور صحابہ کی حدیثوں میں دو اوقات ممنوعہ طلوع آفتاب و غروب آفتاب کا تذکرہ ہے، (ھ) کے تحت مذکور صحابہ کی حدیثوں میں ایک وقت طلوع آفتاب کا ذکر ہے، (و) کے تحت مذکور صحابہ کی حدیثوں میں ایک وقت بعد العصر کا ذکر ہے، مولف رحمۃ اللہ علیہ نے تمام احادیث کو ان کے الفاظ کے ساتھ تفصیل سے بیان کیا ہے، میں نے از راہ اختصار یہ صورت اختیار کی ہے، (مترجم)

(الف) مندرجہ ذیل صحابہ سے مروی احادیث میں چار اوقات ممنوعہ بعد الفجر، بعد العصر، وقت طلوع آفتاب اور وقت غروب آفتاب کا ذکر ہے:

۱۔ **حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ:** ائمہ ستہ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) احمد، دارمی، نیز طحاوی، بیہقی، ابن خزیمہ، ابوداؤد طیالسی، ابن ابی شیبہ،

۲۔ **حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ:** بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ، نیز احمد، ابن ابی

شیبہ، عبدالرزاق، دارقطنی، بیہقی،

۳۔ **حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ:** امام مالک، بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ، نیز احمد، طحاوی، ابن خزیمہ، ابوداؤد طیالسی، ابن ابی شیبہ، بیہقی،

۴۔ **حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ:** ائمہ ستہ، احمد، دارمی، نیز طحاوی، ابن خزیمہ، ابوداؤد طیالسی، طحاوی، ابن ابی شیبہ،

۵۔ **حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ:** احمد، ابویعلی،

۶۔ **حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ:** بزار، ابویعلی،

۷۔ **عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ:** طبرانی (معجم الاوسط)

۸۔ **حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ:** احمد، دارقطنی، رزین، طبرانی (معجم الاوسط) نیز بیہقی،

۹۔ **حضرت کعب بن مرہ رضی اللہ عنہ:** احمد، طبرانی (معجم الاوسط)

۱۰۔ **حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ:** اسحاق بن راہویہ فی مسندہ، بغوی بسند صحیح کما فی الاصابۃ

حضرت عمر فاروق اور حضرت عبداللہ بن عباس حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں ہے:

”ان النبی ﷺ نھی عن الصلوۃ بعد الصبح حتی تشرق الشمس وبعد العصر حتی تغرب الشمس“،

حضرت ابوسعید اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کی روایت میں ہے:

”لا صلوۃ بعد الصبح حتی ترتفع الشمس ولاصلوۃ بعد العصر حتی تغیب الشمس“.

دوسرے صحابہ کی احادیث میں بھی اسی کے ہم معنی مضمون ہے، خلاصہ معنی و مطلب یہ ہے کہ: "نبی ﷺ نے نماز فجر کے بعد سے آفتاب کے طلوع ہوکر بلند ہونے تک، اور نماز عصر کے بعد سے آفتاب پورے طور پر غروب ہو جانے تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے"۔

ظاہر ہے اس پورے وقت میں طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کا وقت بھی شامل ہے اس طرح ان حدیثوں میں چار اوقات ممنوعہ کا ذکر ہے، فجر کے بعد کا وقت، طلوع آفتاب کا وقت، عصر کے بعد کا وقت اور غروب آفتاب کا وقت۔

(ب): مندرجہ ذیل صحابہ سے مروی احادیث میں پانچوں اوقات ممنوعہ کا ذکر ہے:

۱۱۔ **حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ:** احمد، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، طحاوی،

۱۲۔ **حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ:** ابن ماجہ، مسند احمد، زیادات عبداللہ بن امام احمد، طبرانی کبیر،

حضرت عمرو بن عبسہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"صل صلوة الصبح ثم اقصر عن الصلوة حتى تطلع الشمس، حتى ترتفع فانها تطلع حين تطلع بين قرني الشيطان، وحينئذ يسجد لها الكفار، ثم صل الصلوة فان الصلوة مشهودة محضورة حتى يستقل الظل بالرمح، ثم اقصر عن الصلوة حتى تغرب الشمس، فانها تغرب بين قرني الشيطان، وحينئذ يسجد لها الكفار"، (لفظ مسلم مختصرا)

"نماز فجر پڑھنے کے بعد پھر کوئی نماز پڑھنے سے رکے رہو تا آنکہ آفتاب طلوع ہو جائے یہاں تک کہ بلند ہو جائے، کیونکہ وہ شیطان کے دو قرنوں (سینگوں) کے درمیان طلوع ہوتا ہے، اور اس وقت کفار اس کو سجدہ کرتے ہیں، آفتاب بلند ہو جانے کے بعد پھر نماز پڑھو کیونکہ مشہودہ و محضورہ ہے، (اس کے لئے فرشتے حاضر و

شاہد ہوتے ہیں) تا آنکہ کے نیزہ سے اس کا سایہ الگ ہو جائے یعنی ٹھیک نصف النہار ہو جائے تو پھر نماز سے رک جاؤ، کیونکہ اس وقت جہنم دہکائی جاتی ہے، پھر جب زوال ہو جائے تو نماز پڑھو کیونکہ نماز مشہودہ ومحضورہ ہے، تا آنکہ نماز عصر پڑھ لو، اس کے بعد پھر نماز سے رکے رہو تا آنکہ آفتاب غروب ہو جائے، کیونکہ اس وقت کفار آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں۔

اس حدیث میں پانچوں اوقات ممنوعہ کا ذکر ہے، نماز فجر کے بعد کا وقت، طلوع آفتاب کا وقت، نصف النہار کا وقت، عصر کے بعد کا وقت، غروب آفتاب کا وقت، صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اسی کے ہم معنی ہے،

(ج): مندرجہ ذیل صحابہ سے مروی احادیث میں تین اوقات ممنوعہ وقت طلوع آفتاب، وقت غروب آفتاب اور وقت استواء نصف النہار کا ذکر ہے،

۱۳۔ **حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ:** ائمہ ستہ (الا البخاری) دارمی، نیز احمد، طیالسی، بیہقی، ابن ابی شیبہ،

۱۴۔ **حضرت عبداللہ الصنابحی رضی اللہ عنہ:** مالک، نسائی، ابن ماجہ، نیز عبدالرزاق، بیہقی،

۱۵۔ **عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ:** طحاوی، ابویعلی، بزار، طبرانی (معجم کبیر)

۱۶۔ **ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ:** احمد، طبرانی (کبیر)

چاروں احادیث کا مضمون یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں ان اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، طلوع آفتاب کے وقت یہاں تک آفتاب بلند ہو جائے، غروب آفتاب کے وقت یہاں تک کہ آفتاب پوری طرح غروب ہو جائے، اور استواء نصف النہار کے وقت،

(د) مندرجہ ذیل صحابہ سے جو احادیث مروی ہیں ان میں دو وقتوں، آفتاب کے طلوع

وغروب کا ذکر ہے:

۱۷۔ **حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ:** مالک، بخاری، مسلم، نسائی، طحاوی، نیز احمد، عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ، طیالسی، بیہقی،

۱۸۔ **حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا:** مسلم، نسائی، طحاوی، ابن ابی شیبہ،

۱۹۔ **حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ:** طحاوی، احمد، ابن ابی شیبہ،

۲۰۔ **حضرت حلب طائی رضی اللہ عنہ:** طبرانی (معجم کبیر)

۲۱۔ **حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ:** احمد، بزار، طبرانی،

عبداللہ بن عمر کی روایت میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لا یتحری احدکم فیصلی عند طلوع الشمس و عند غروبھا"،

ایک روایت میں ہے **"ینھی عن الصلوۃ عند طلوع الشمس وعند غروبھا"**

رسول اللہ ﷺ نے طلوع آفتاب کے وقت اور غروب آفتاب کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، دیگر صحابہ کی حدیثوں کا بھی معنی و مفہوم یہی ہے،

(ھ) مندرجہ ذیل صحابہ کی حدیثوں میں کسی ایک وقت ممنوع کا ذکر ہے:

۲۲۔ **حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما:** بخاری، احمد، نیز طحاوی، ابن ابی شیبہ،

۲۳۔ **حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ:** نسائی، ابوداؤد، احمد، نیز طیالسی، بیہقی، ابن ابی شیبہ،

۲۴۔ **حضرت ابو بصرۃ غفاری رضی اللہ عنہ:** مسلم، طحاوی، نسائی، نیز احمد، عبد الرزاق،

۲۵۔ **حضرت ابواسید رضی اللہ عنہ:** طبرانی (معجم کبیر)

ان صحابہ کی حدیثوں میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عصر کے بعد نماز پڑھنے

سے منع فرمایا ہے،

۲۶۔ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ: احمد، طبرانی (معجم کبیر) نیز ابن ابی شیبہ،

آپ کی حدیث کے الفاظ ہیں: نہیں منع کیا جاتا تھا نماز سے مگر طلوع آفتاب کے وقت کیونکہ آفتاب شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے،

۲۷۔ حضرت ابو بشیر انصاری رضی اللہ عنہ: احمد، ابو یعلی، نیز طحاوی، ابن ابی شیبہ، ابن خزیمہ،

فرماتے ہیں میں صلوۃ ضحیٰ (نماز چاشت) پڑھ رہا تھا طلوع آفتاب کے وقت، رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس سے روکا اور فرمایا: طلوع آفتاب کے وقت نماز نہ پڑھو تا آنکہ بلند ہو جائے، کیونکہ آفتاب شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے۔ (۱)

۲۸۔ حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ: امام ترمذی نے ان کی حدیث کا اشارہ کیا ہے، متن مذکور نہیں،

۲۹، ۳۰، ۳۱۔ حضرت حفصہ ام المومنین، حضرت ابو قتادہ، حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہم:

حافظ ابن حجر نے ”تلخیص الحبیر“ میں ان کی حدیثوں کا اشارہ کیا ہے، الفاظ مذکور نہیں،

احادیث کے درمیان یہ اختلاف کوئی تعارض نہیں ہے، کیونکہ اقل کی تصریح

---

(۱) ہم جس طرح شیطان کی پوری حقیقت نہیں جانتے اسی طرح دو قرنوں اور ان کے درمیان آفتاب کے طلوع و غروب کی حقیقت بھی ہمارے دائرہ معلومات سے باہر کی چیز ہے۔ تاہم اکثر علماء نے یہ لکھا ہے کہ طلوع و غروب کے وقت شیطان آفتاب کے سامنے جس شکل میں آ کھڑا ہوتا ہے واقعی اس کے دو قرن (سینگ) ہوتے ہیں جن کے درمیان گویا سورج طلوع و غروب ہوتا اہل نظر کو محسوس ہوتا ہے۔ چونکہ شیطان ہی نے مشرکین کو گمراہ کر کے اس آفتاب پرستی پر لگایا ہے اس لئے وہ طلوع و غروب کے وقت خود سامنے آ کھڑا ہوتا ہے اور خوش ہوتا ہے کہ میری پرستش ہو رہی ہے، اسی واسطے دین توحید خالص اسلام نے ان اوقات میں نماز پڑھنے کے قصد و اہتمام سے منع فرمایا ہے کہ وقت عبادت میں کفار و مشرکین کے ساتھ تشبہ نہ ہو، واللہ اعلم بالصواب۔ مترجم۔

سے ما زاد کی نفی لازم نہیں آتی۔

اس مسئلہ میں اہل علم کے اقوال:

اس مسئلہ میں کہ اوقات ممنوعہ واقعی کون کون ہیں اور ان میں نماز کی ممانعت عام ہے اور یکساں ہے یا کچھ تخصیص اور تحدید ہے، بلکہ یہ ممانعت محکم ہے یا منسوخ ہے، وغیرہ وغیرہ، علماء کے درمیان بہت کچھ اختلاف ہے، کامل استقراء تتبع سے میں نے پایا کہ اس مسئلہ میں آٹھ قسم کے اقوال ومذاہب ہیں:

پہلا قول: بعض علماء کا مذہب یہ ہے کہ نماز فجر اور نماز عصر کے بعد نفل پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ ان اوقات میں نماز کی ممانعت سے اصل مقصود آفتاب کے طلوع وغروب کے وقت نماز سے روکنا ہے، اس سے پہلے پہلے پڑھ کر فارغ ہو جائے تو کوئی مذائقہ نہیں ہے، نہی وممانعت کا اس صورت سے تعلق نہیں ہے، وہ تو بس سداً للذریعہ نماز فجر وعصر کے بعد بھی نماز سے روک دیا گیا ہے کہ یہ سلسلہ طلوع فجر وغروب آفتاب تک ممتد اور مفضی نہ ہو جائے، ان علماء کے دلائل درج ذیل ہیں:

☆ ان کا استدلال ان احادیث سے ہے جن میں صرف بوقت طلوع وغروب ممانعت صلوۃ کی تصریح ہے،

☆ نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے بھی استدلال کیا گیا ہے جو ابوداؤد اور نسائی میں باسناد حسن مروی ہے جس میں یہ لفظ وارد ہے:

”لا تصلو بعد الصبح و لا بعد العصر الا ان تکون الشمس نقیة، (وفی روایة) مرتفعة“،

یعنی نماز نہ پڑھو نماز فجر کے بعد، نہ نماز عصر کے بعد الا یہ کہ آفتاب روشن اور بلند ہو، معلوم ہوا کہ بعدیت سے مطلق بعدیت مراد نہیں ہے بلکہ خاص بعدیت مراد ہے، اور وہ ہے وقت طلوع وغروب آفتاب، سو اس سے پہلے کوئی پڑھے تو کوئی مذائقہ

نہیں،

☆ اور یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ فجر و عصر کے بعد وقتِ طلوع و غروب سے پہلے نماز جنازہ پڑھنا بالاتفاق جائز ہے،

☆ علامہ ابن عبد البر فرماتے ہیں: ”حدیث رسول **”لا تحروا بصلوتکم طلوع الشمس ولا غروبھا“** کے معنی مراد کے بیان میں اہل علم کا اختلاف ہے، بعض اہل علم فقرہ سابقہ **”لا تصلوا بعد الصبح وبعد العصر“** کو مستقل ایک حکم اور **”لا تحروا...“** کو دوسرا علیحدہ حکم قرار نہیں دیتے، وہ کہتے دوسرا فقرہ پہلے کی تفسیر ہے، اور اس سے پہلے فقرہ کی مراد بیان کی گئی ہے، اور مقصود یہ ہے کہ نماز فجر و نماز عصر کے بعد اس شخص کے لئے نماز مکروہ ہے جو طلوع و غروب کے وقت تک نماز پڑھنے کا قصد کئے ہوئے ہو، اگر یہ قصد نہ ہو تو اس کے لئے مکروہ نہیں ہے۔

☆ ”حدیث میں ہے کہ طلوع آفتاب سے پہلے جو شخص فجر ایک رکعت پالے، یا اسی طرح غروب آفتاب سے پہلے جو ایک رکعت پالے تو اسے چاہئے کہ نماز پوری کرے“، یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ طلوع و غروب کے وقت بھی نماز اس کے لئے ممنوع ہے جو ان اوقات میں بالقصد پڑھے، اتفاقاً ایسی صورت پیدا ہو جائے تو ان اوقات میں بھی منع نہیں ہے، تو اس سے پہلے بالقصد بھی پڑھنی منع نہ ہوگی“۔

☆ ”صحیح بخاری کتاب الحج میں بطریق عبد العزیز بن رفیع روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں ”میں نے دیکھا کہ عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہم عصر کے بعد دو رکعت پڑھتے تھے، اور کہتے تھے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے ان سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان کے حجرہ میں ہوتے تو عصر کے بعد دو رکعت پڑھتے تھے“، اور خود حضرت عائشہ بھی عصر کے بعد نفل پڑھتی تھیں اور انھوں نے حضرت عمر کے عصر کے بعد نفل کی ممانعت پر نقد بھی فرمایا کہ عمر کو وہم ہو گیا ہے“ (اگر چہ یہ نقد و نکیر درست نہیں ہے)

☆ مصنف عبد الرزاق (ج ۲ ص ۴۳۰) میں بطریق ابن جریج از نافع روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں عبد اللہ بن عمر فرماتے تھے: شب و روز میں جس وقت کوئی چاہے نماز پڑھے میں منع نہیں کروں گا، مگر طلوع یا غروب کے وقت کہ اس وقت نماز پڑھنے سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے،

☆ مصنف عبد الرزاق میں زید بن زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق نے انھیں دیکھا کہ نماز عصر کے بعد دو رکعت نفل پڑھ رہے ہیں، لپک کر ان کے پاس پہونچے اور بطور تنبیہ و تادیب درہ رسید کیا، حضرت زید نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد کہا: امیر المومنین! ہر چند آپ ماریں لیکن میں اسے چھوڑوں گا نہیں، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے دیکھا ہے، حضرت عمر نے زید بن خالد سے کہا دراصل مجھے اندیشہ ہے کہ لوگ عصر بعد نماز پڑھنے کو غروب آفتاب کے وقت تک نماز پڑھنے کا ذریعہ بنالیں گے، ورنہ میں نہ مارتا، (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۲۳، وقال رواہ احمد والطبرانی فی الکبیر واسنادہ حسن)

☆ مسند احمد میں عروہ بن الزبیر سے حضرت عمر کا حضرت تمیم داری کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ و مکالمہ مروی ہے، لیکن حضرت عروہ کی حضرت عمر سے سماع نہیں ہے،

طبرانی نے "معجم کبیر" اور "معجم اوسط" میں یہ واقعہ بطریق عروہ قال اخبرنی تمیم الداری روایت کیا ہے، لیکن اس کی سند میں عبد اللہ بن صالح ہیں وہ مختلف فیہ ہیں عبد المالک بن سفیان نے انھیں ثقہ مامون کہا ہے، اور امام احمد وغیرہ نے انھیں ضعیف کہا ہے،

حافظ ابن حجر فتح الباری میں تحریر فرماتے ہیں: حضرت عمر (اسی طرح حضرت عائشہ، حضرت ابن زبیر، حضرت ابن عمر، حضرت زید بن خالد جہنی، حضرت تمیم داری) نے یہ سمجھا ہے کہ دراصل عصر کے بعد نماز سے روکنا مقصود نہیں ہے، بلکہ ان کا خیال یہ

ہے کہ اس وقت نماز پڑھنے سے اس لئے روکا گیا ہے کہ لوگ اسے ممنوع وقت میں یعنی غروب آفتاب کے وقت تک نماز پڑھنے کا ذریعہ نہ بنالیں،

علامہ ابن عبدالبر نے ”التمہید شرح موطا مالک“ میں بیان کیا ہے کہ تابعین عطاء بن ابی رباح، طاؤس، عمرو بن دینار اور ابن جریج کا یہی قول ہے، (مذکورہ صحابہ کے علاوہ) عبداللہ بن مسعود سے بھی ایسا ہی مروی ہے، بعض اہل ظاہر کا بھی رجحان اسی طرف ہے، امام ابن المنذر نے بھی اسی کو قوی قرار دیا ہے،

دوسرا قول: دوسرا قول یہ ہے کہ اوقات ممنوعہ میں نہی عن الصلوۃ کا تعلق تمام نمازوں سے نہیں ہے، بلکہ عام نوافل سے ہے کہ ان اوقات میں خواہ مخواہ کوئی نفل پڑھنے کا قصد و اہتمام ممنوع ہے، رہیں فوت شدہ فرض نمازیں، یا مسنون نمازیں جیسے سنن رواتب، تحیۃ المسجد وغیرہ یا ایسی نوافل جس پر رسول اللہ ﷺ نے مواظبت فرمائی ہو تو وہ سب نمازیں ان اوقات ممنوعہ میں بھی پڑھی جاسکتی ہیں، اس قسم کی نمازیں نہی وممانعت سے مستثنیٰ ہیں، امام ترمذی فرماتے ہیں:

> ”اکثر فقہاء، صحابہ وتابعین کا قول یہ ہے کہ نماز فجر و نماز عصر کے بعد آفتاب کے طلوع وغروب ہوجانے تک عام نوافل پڑھنا مکروہ ہے، لیکن فوت شدہ فرائض وسنن اور ذات السبب نوافل جیسے تحیۃ المسجد (دوگانہ طواف) سجدہ شکر، سجدہ تلاوت، نماز عید، نماز گہن، نماز جنازہ، وغیرہ پڑھی جائیں گی، امام شافعی اور ایک جماعت کا یہی مذہب ہے، امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے نماز عصر کے بعد سنت ظہر کی قضا فرمائی ہے، یہ صریح دلیل ہے کہ سنت کی بھی قضا ہے، اور اسے عصر کے بعد بھی پڑھا جاسکتا ہے، تو کسی سنت حاضرہ کو اس وقت بدرجہ اولیٰ پڑھا جاسکتا ہے، اور فوت شدہ فرض کی قضا تو اور بدرجہ اولیٰ اس وقت میں پڑھی جاسکتی ہے، وعلی ہذا القیاس دیگر اوقات مکروہہ میں بھی، اور

اسی طرح ایسی تمام نمازیں بھی ان اوقات مکروہہ میں بھی پڑھی جا سکتی ہیں جن کا سبب انہی اوقات میں پیش آجائے، (جیسے کوئی نماز عصر کے بعد یا نماز فجر کے بعد مسجد میں داخل ہو اور بیٹھنا چاہے تو یہ دخول و جلوس جو تحیۃ المسجد کا سبب ہے، عصر یا فجر کے بعد پیش آیا ہے، تو وہ اسی وقت تحیۃ المسجد پڑھے گا، علی ہذا القیاس نماز جنازہ، وفوت شدہ نمازوں کا ان اوقات مکروہہ میں ہی یاد آنا، یا سجدہ تلاوت وغیرہ) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام نووی نے اجماع و اتفاق کا جو دعویٰ کیا ہے، وہ محل نظر ہے،

اس قول کے قائلین کی ایک دلیل تو یہی ہے کہ نماز عصر و نماز فجر کے بعد نماز جنازہ کے جائز ہونے پر اجماع ہے،

دوسری دلیل وہ مشہور حدیث ہے جو بخاری، مسلم وغیرہ کے اندر مروی ہے کہ کوئی غروب آفتاب سے پہلے ایک رکعت نماز عصر کے بقدر وقت پالے یا طلوع آفتاب سے پہلے ایک رکعت فجر پڑھنے کے بقدر وقت پالے تو وہ اس وقت بھی نماز عصر و فجر پڑھے اور پوری کرے، خواہ آفتاب طلوع و غروب ہو رہا ہو، تو دیکھئے اوقات مکروہہ میں ان نمازوں کو پڑھنے کی شرعاً اجازت بلکہ حکم ہے،

تیسری دلیل یہ ہے کہ مشہور حدیث ہے جو بخاری اور سنن اربعہ وغیرہ کے اندر مروی ہے کہ جب کوئی نماز بھول جائے یا سو جائے تو جب یاد آئے اسے پڑھ لے، بعض روایتوں میں یہ بھی اضافہ ہے کہ یہی اس کا وقت ہے،

چوتھی دلیل قیس بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، (جس پر تفصیلی بحث فصل نہم میں آرہی ہے) نبی اکرم ﷺ نے انھیں نماز فجر کے بعد سنت فجر پڑھتے دیکھا اور اسے برقرار رکھا،

پانچویں دلیل حضرت عائشہ صدیقہ و حضرت ام سلمہ کی حدیث ہے، جس میں

رسول اللہ ﷺ کے عصر کے بعد دو رکعتیں برابر پڑھنے کا ذکر ہے، اس طرح کی اور بھی احادیث میں جو عموم نہی کی مخصص ہیں ان مخصصات کا تفصیلی بیان فصل نہم میں آ رہا ہے،

مذکورہ قول کے قائلین کہتے ہیں: نماز فجر کے بعد قضائے سنت پر رسول اللہ ﷺ کی خاموشی اور خود آنحضرت کا نماز کے بعد سنت ظہر کی قضا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اوقات مکروہہ میں، نماز کی ممانعت عام نہیں ہے، مسنون نمازیں اور فرض نمازیں اس سے مستثنیٰ ہیں، اس نہی و ممانعت کا تعلق عام نوافل و تطوعات سے ہے، کہ انھیں ان اوقات میں قصداً پڑھنا بہر حال منع ہے،

اور جیسا کہ امام ترمذی اور امام نووی نے بیان فرمایا ہے اکثر اہل علم صحابہ و تابعین وائمہ دین، امام شافعی امام احمد اور ان کے اصحاب اور اصحاب الحدیث کا یہی مذہب ہے، اور ان شاء اللہ یہی حق و صواب ہے، فصل نہم میں اس کی مزید توضیح و تفصیل ہوگی، (۲)

تیسرا قول: تیسرا قول مطلق اباحت کا ہے یعنی کسی وقت کوئی نماز پڑھنا منع نہیں

---

(۲) اسی طرح اوقات مکروہہ میں نماز کی کراہت و ممانعت سے حرم مکی بھی مستثنیٰ ہے……………، دلیل حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی وہ مشہور حدیث ہے جو مسند احمد اور سنن اربعہ وغیرہ میں بسند صحیح مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عبد مناف اس بیت اللہ کا طواف کرنے اور یہاں نماز پڑھنے سے کبھی کسی کو مت روکنا جو جس وقت چاہے طواف کرے اور جس وقت چاہے نماز پڑھے،

علامہ امیر یمانی صاحب سبل السلام فرماتے ہیں کہ یہ دوگانہ طواف کے ساتھ خاص نہیں ہے عام ہے ہر نماز کا یہی حکم ہے، لیکن جمہور اہل علم کے نزدیک یہ استثناء صرف دوگانۂ طواف (طواف کے بعد پڑھی جانے والی دو رکعت) کیلئے ہے، امام شافعی امام احمد امام اسحٰق بن راہویہ، امام ابوثور، امام داود ظاہری، اور ائمہ حنفیہ میں امام طحاوی کا یہی مذہب ہے، مولانا عبدالحیؒ لکھنوی نے بھی نے اس کو ترجیح دیا ہے۔

صحابہ میں عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، حسن و حسین رضی اللہ عنہما، اور تابعین میں طاؤس، مجاہد، قاسم بن محمد اور عروہ بن الزبیر کے بارے میں مروی ہے کہ وہ لوگ عصر کے بعد اور بعض فجر کے بعد بھی طواف کرتے تھے اور طواف سے فراغت کے بعد اسی وقت سنت طواف بھی پڑھتے تھے (مرعاۃ شرح مشکوۃ ج ۲ ص ۵۹)

نیز جمعہ کے روز نصف النہار کے وقت عام نوافل کا پڑھنا بھی جائز ہے، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ اور

ہے، کوئی وقت مکروہ و ممنوع نہیں ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: یہ بھی سلف کی ایک جماعت کا مذہب ہے، امام داؤد ظاہری اور دیگر علمائے ظاہر یہ امام ابن حزم کا بھی یہی مذہب ہے، وہ کہتے ہیں کہ احادیث نہی منسوخ ہیں، اور یہ دلیل دیتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ان اوقات ممنوعہ میں نماز پڑھنے کی اجازت بلکہ حکم دیا ہے، چنانچہ مشہور حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس نے طلوع آفتاب سے پہلے ایک رکعت پالیا یا غروب آفتاب کے پہلے ایک رکعت پالیا تو وہ نماز پوری کرے، یعنی خواہ وہ آفتاب کے طلوع و غروب کے وقت میں پڑھنی پڑے، بہرحال نماز پوری کرے، معلوم ہوا کہ ان اوقات میں نماز پڑھنے کی نہی و ممانعت پہلے تھی بعد میں وہ منسوخ ہوگئی، علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''نیل الاوطار'' میں اس موضوع پر تفصیلی بحث کی ہے، اور قائلین اباحت کے دلائل کا جواب دیا ہے،

چوتھا قول: چوتھا قول یہ ہے کہ پانچ اوقات ممنوعہ میں سے تین اوقات میں یعنی نماز عصر کے بعد، نماز فجر کے بعد اور نصف النہار کے وقت کوئی نماز پڑھنا مکروہ ہے، اور باقی دو وقت یعنی طلوع آفتاب کے وقت تا آنکہ آفتاب پوری طرح طلوع ہو جائے اور اصفرار شمس یعنی آفتاب کی روشنی کے زرد ہونے سے لے کر پوری طرح آفتاب کے غروب ہونے تک کوئی نماز پڑھنی حرام ہے... حافظ ابن عبدالبر اور حافظ ابن حجر فرماتے ہیں اس قول کے قائلین امام محمد بن سیرین اور امام محمد بن جریر طبری ہیں،

پانچواں قول: یہ ہے کہ نماز عصر کے بعد فوت شدہ فرض و سنت کی قضا، مسنون نمازیں اور عام نوافل بھی پڑھی جا سکتی ہیں، لیکن نماز صبح کے بعد عام نوافل یا سنت پڑھنی

ابوقتادہ کی حدیث میں مذکور ہے جو اپنے شواہد کے تعاضد سے دلیل بننے کے قابل ہے اور اس کی تائید اہل مدینہ کے تعامل سے بھی ہوتی ہے، امام شافعی، امام اوزاعی، اور امام ابو یوسف کا بھی یہی مذہب ہے، امام احمد نے صرف تحیۃ المسجد پڑھنے کی اجازت دی ہے، (مرعاۃ شرح مشکوۃ ج ۲ ص ۶۰) تفصیل فصل نہم میں آئے گی ان شاء اللہ ۔ مترجم)

درست نہیں، البتہ فرض نمازوں کی قضا یا نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے، دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے نماز فجر کے بعد نماز سے جو ممانعت فرمائی ہے وہ مطلق ہے، لیکن اس سے فرض نماز مستثنیٰ ہے فرض عین ہو یا فرض کفایہ (نماز جنازہ) حدیث میں ہے جس نے نماز صبح کی ایک رکعت طلوع آفتاب سے پہلے پالی اس نے نماز فجر پالی وہ نماز پوری کرے، صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہی مذہب ہے، علامہ ابن عبد البر نے ''تمہید'' میں اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ ''قدامہ بن ابراہیم بن محمد بن حاطب بیان کرتے ہیں کہ ہماری پھوپھی نے وصیت کی تھی کہ میری نماز جنازہ عبداللہ بن عمر پڑھائیں گے، چنانچہ پھوپھی کی وفات کے بعد نماز فجر پڑھ کر میں عبداللہ بن عمر کے پاس گیا انھیں خبر دی، انھوں نے فرمایا بیٹھو انتظار کرو، انتظار کیا گیا، جب آفتاب طلوع ہو گیا اور بلند ہو گیا تب حضرت ابن عمر آئے اور نماز جنازہ پڑھائی، دیکھئے یہ عبداللہ بن عمر جو نماز عصر کے بعد نماز مباح سمجھتے ہیں، وہ نماز صبح کے بعد نماز پڑھنے کو مکروہ سمجھ رہے ہیں، اس لئے نماز عصر کے بعد تو کوئی بھی نماز عام نوافل بھی جائز ہے، جب تک آفتاب بلند اور روشن رہے زرد نہ ہو، آنحضرت ﷺ سے عصر کے بعد نوافل پڑھنا ثابت ہے، لیکن نماز فجر کے بعد نفل یا کوئی دوسری مسنون نماز پڑھنا ثابت نہیں ہے''

''نماز عصر کے بعد نفل پڑھنے کی رخصت صحابہ میں علی بن ابی طالب، زبیر بن العوام، عبداللہ بن الزبیر، عبداللہ بن عمر، تمیم داری، نعمان بن بشیر، ابو ایوب انصاری، ام المومنین عائشہ صدیقہ اور ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے اسی طرح متعدد تابعین وائمہ دین اسود بن یزید، عمرو بن میمون، مسروق قاضی شریح، عبداللہ بن ابی الہذیل، ابو بردہ، عبدالرحمٰن بن الاسود، عبدالرحمٰن بن البلیمانی، احنف بن قیس، اور داؤد ظاہری سے منقول ہے، امام احمد بن حنبل نے فرمایا، میں عصر کے بعد

نفل نہیں پڑھتا لیکن پڑھنے والے پر نکیر بھی نہیں کرتا''۔

''امام عبدالرزاق نے از معمر از ابن طاؤس از طاؤس روایت کیا ہے حضرت طاؤس بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو ایوب انصاری خلافت عمر سے پہلے نماز عصر کے بعد دو رکعت نفل پڑھا کرتے تھے، عمر فاروق کے خلیفہ ہونے کے بعد پڑھنا چھوڑ دیا، آپ کی وفات کے بعد پھر پڑھنے لگے، اس بارے میں ان سے پوچھا گیا تو بتایا کہ عمر فاروق عصر کے بعد نفل پڑھنے پر مارتے تھے''۔ تمہید میں علامہ ابن عبدالبر کی اس موضوع پر تحریر کا یہ خلاصہ ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ و ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایات جن میں رسول اللہ ﷺ کے نماز ظہر کی سنت بعد یہ کو نماز عصر کے بعد پڑھنے اور پھر اسے برابر پڑھتے رہنے کا ذکر ہے کی شرح کے تحت لکھا ہے کہ ان روایات سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو نماز عصر کے بعد مطلقاً نفل پڑھنے کو جائز کہتے ہیں بشرطیکہ غروب آفتاب تک سلسلہ نماز ممتد نہ ہو— لیکن جو لوگ نماز عصر کے بعد مطلقاً کراہت کے قائل ہیں وہ اس حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ آپ ﷺ کا یہ فعل اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ فوت شدہ سنن رواتب کی قضا ہے اور وہ نماز عصر کے بعد بھی پڑھی جا سکتی ہے، رہا نماز عصر کے بعد دو رکعت پڑھنے پر مواظبت کرنا اور اسے برابر پڑھنا تو یہ نبی ﷺ کے خصائص میں سے ہے، اس تخصیص کی دلیل مسلم، ابو داؤد، نسائی وغیرہ میں مروی حضرت عائشہ صدیقہ ہی کی حدیث ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز عصر کے بعد خود تو نفل پڑھتے تھے لیکن لوگوں کو اس سے منع فرماتے تھے،— ایک دوسری روایت میں ہے حضرت عائشہ صدیقہ آگے مزید یہ بھی بیان کرتی ہیں کہ آپ ﷺ جب کوئی نماز پڑھتے تو اسے برابر پڑھتے تھے''، امام بیہقی فرماتے ہیں: نبی ﷺ کے خصائص میں یہی مداومت ہے، نہ کہ نماز عصر کے بعد سنت کی قضا کرنا، یہ ہر ایک کے

لئے عام اور جائز ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے عصر کے بعد دو رکعت نفل پڑھی تو حضرت عمر فاروق اس پر سخت غصہ ہوئے اور فرمایا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس سے منع فرماتے تھے۔ لیکن اس کی سند منقطع ہے۔

چھٹواں قول: اس مسئلہ میں ایک قول یہ ہے کہ نماز عصر و نماز فجر کے بعد فوت شدہ فرض نمازیں اور نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے، لیکن طلوع و غروب کے وقت انھیں بھی پڑھنا جائز نہیں، باقی دیگر نمازیں عام نوافل یا سنن رواتب یا اور کوئی مسنون نماز جیسے تحیۃ المسجد وغیرہ تو ان کا نہ طلوع و غروب کے وقت پڑھنا جائز ہے نہ نماز فجر و نماز عصر کے بعد پڑھنا درست ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر کے بعد سے آفتاب کے طلوع ہو جانے تک اور نماز عصر کے بعد سے آفتاب کے غروب ہو جانے تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، یہ نہی و ممانعت ثابت ہے اور عام ہے، البتہ فرض نمازیں اور نماز جنازہ

فائدہ: عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا اثر سے نماز صبح کے بعد نماز جنازہ یا عام نوافل کی کراہت پر استدلال وقیع نہیں ہے، کیونکہ عبد اللہ بن عمر سے اس کے معارض عمل بھی مروی ہے، چنانچہ بیہقی (ج ۲ ص ۴۵۹) میں بہ طریق امام مالک از نافع مروی ہے کہ عبد اللہ بن عمر نماز عصر اور نماز صبح کے بعد نماز جنازہ پڑھتے تھے، جبکہ عصر اور فجر وقت سے پڑھ لی گئی ہوں''۔ معلوم ہوا کہ ابن عمر نماز عصر و فجر کے بعد نماز جنازہ پڑھنا مکروہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ طلوع و غروب آفتاب کے وقت پڑھنا مکروہ سمجھتے تھے، چنانچہ طبرانی میں ہے عمر بن دینار بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا عبد اللہ بن عمر نے صلوۃ صبح کے بعد طواف کیا اور دو رکعت سنت طواف پڑھی پھر فرمایا نماز طلوع آفتاب کے وقت مکروہ ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے ''آفتاب شیطان کے دو قرنوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے'' علامہ ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' (ج ۲ ص ۲۲۱) میں اس کو ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس کی اسناد حسن ہے، یہ اثر امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے، اور کہا ہے کہ ابن عمر نماز عصر و نماز فجر کے بعد نماز جنازہ اور دوگانہ طواف پڑھنے کو جائز سمجھتے تھے (ج ۲ ص ۴۶۲)۔ ابن عبد البر نے ابن عمر کا مذکورہ بالا اثر جس سند نے روایت کیا ہے اس میں عبد اللہ بن مصعب الزبیری ہیں ابن معین نے انھیں ضعیف کہا ہے ابن ابی حاتم نے بھی ان کی جرح و تعدیل نہیں کی ہے نام کے آگے بیاض چھوڑ دیا ہے، اس لئے اس اثر سے استدلال صحیح نہیں ہے۔

دلیل قوی غیر معارض کی بنا پر اس نہی عام سے مستثنیٰ ہیں،

اس قول کے قائلین میں امام مالک، امام احمد، امام اسحٰق بن راہویہ، وغیرہ ہیں، صحابہ میں حضرت عمر فاروق، حضرت ابوسعید خدری، حضرت ابو ہریرہ، حضرت معاذ بن عفراء، حضرت عبداللہ بن عباس کا یہی مذہب ہے، امام زہری نے سائب بن یزید سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر نے حضرت منکدر کو نماز عصر کے بعد نماز پڑھنے پر درہ سے مارا (۳) اسی طرح بطریق سفیان ثوری از عاصم از زِرّ بن حُبیش مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر لوگوں کو عصر کے بعد نماز پڑھنے پر مارتے تھے (۴) امام عبد الرزاق نے بطریق ابن جریج از عامر بن مصعب از طاؤس روایت کیا ہے کہ حضرت طاؤس نے عبداللہ بن عباس سے عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھنے کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے اس سے منع فرمایا، میں نے عرض کیا میں تو اسے نہ چھوڑوں گا، تو حضرت ابن عباس نے کہا "ما کان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضی اللہ و رسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم" (الاحزاب/۳۶) (کسی مومن اور مومنہ کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول کسی امر کا حکم دیدیں تو ان کو اپنے امر میں کوئی اختیار باقی رہ جائے۔) دیکھئے حضرت ابن عباس اپنی وسعت علم کے باوصف نہی کو عام سمجھتے ہیں، یہ جو کچھ بیان کیا گیا علامہ ابن عبدالبر کی تحریر کا خلاصہ ہے جو انھوں نے "تمہید" میں اس قول کے تعلق سے لکھا ہے،

ساتواں قول: ساتواں قول و مذہب اس مسئلہ میں یہ ہے کہ پانچوں اوقات ممنوعہ میں

(۴،۳) مصنف عبد الرزاق (ج ۲ ص ۴۳۳) مطبوعہ "مصنف" میں عامر بن مصعب کے بجائے عمرو بن المصعب ہے یہ صحیح نہیں ہے، صحیح عامر بن المصعب ہے یہی ابن جریج کے شیخ اور طاؤس کے شاگرد ہیں جیسا کہ "تہذیب" (ج ۵ ص ۸۱) میں ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: عامر بن مصعب شیخ لابن جریج لا یعرف.

سے کسی وقت میں کوئی نماز پڑھنی جائز نہیں ہے نہ نفل نہ سنت، نہ فرض نہ قضا نہ اداء الا ”عصر یومہ“ سوائے موجودہ روز کی عصر کے کہ اگر کسی نے آخر وقت میں غروب آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی تو وہ اس نماز عصر کو غروب آفتاب کے وقت بھی پڑھے گا پوری کرے گا یہ نماز عصر فاسد نہیں ہوگی ادا ہو جائیگی، لیکن کوئی سورج طلوع ہونے سے پہلے فجر کی نماز ایک رکعت ہی پائے اور سورج طلوع ہونے لگے تو یہ نماز فجر فاسد ہوگئی، اسے آفتاب کے طلوع و بلند ہونے کے بعد اب قضا پڑھنی ہے،

یہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے، گویا ان لوگوں کے نزدیک ان اوقات مکروہہ میں نماز سے متعلق جو نہی و ممانعت ہے وہ عام ہے، تمام صلوات کو شامل ہے، اور جو مثلاً حدیث میں یہ فرمایا گیا ہے کہ ”جب تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز بھول جائے یا سو جائے اور بروقت نہ پڑھ سکے تو جب اسے یاد آئے پڑھ لے“ اس کا مطلب یہ ہے کہ اوقات مکروہہ کے علاوہ وقت میں بلا تاخیر پڑھ لے، ---- تاہم حنفیہ کے نزدیک جنازہ اگر حاضر ہو تیار ہو مزید تاخیر مناسب نہ ہو تو اوقات مکروہہ میں پڑھی جا سکتی ہے۔

علامہ ابوعمر ابن عبدالبر فرماتے ہیں: حدیث رسول ﷺ ”جو شخص نماز پڑھنا بھول جائے یا سو جائے تو وہ جب یاد آئے اسے پڑھ لے“ اور حدیث رسول ﷺ: جس نے نماز فجر ایک رکعت طلوع آفتاب سے پہلے پالی تو اس نے نماز فجر پالی اور جس نے عصر ایک رکعت غروب آفتاب سے پہلے پالیا تو اس نے نماز عصر پالیا یعنی وہ نماز فجر و عصر پوری پڑھے خواہ آفتاب کے طلوع یا غروب کا وقت ہو، ان حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اوقات مکروہہ میں نماز کی نہی و ممانعت کا تعلق فرائض اور اس کی ادا و قضا سے نہیں ہے یہ نہی و ممانعت سے مستثنیٰ ہے۔

آٹھواں قول: اس مسئلہ میں آٹھواں قول یہ ہے کہ پانچوں اوقات ممنوعہ میں سے کسی میں عام نوافل پڑھنی درست نہیں ہے، البتہ فوت شدہ نمازوں کی قضا، نماز جنازہ، دوگانۂ طواف، سجدہ تلاوت اور صلوۃ نذر تو وہ سب پانچوں اوقات مکروہہ میں سے کسی وقت میں بھی پڑھی جاسکتی ہے، علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں: اس قول کے قائلین کا استدلال حضرت عمرو بن عبسہ، حضرت کعب بن مرۃ، حضرت عبداللہ الصنابحی رضی اللہ عنہم کی حدیثوں سے ہے، عموم نہی کے مخصصات میں سے یہ حدیث بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اے بنی عبد مناف! دن و رات میں جس وقت جو چاہے بیت اللہ کا طواف کرے اور نماز پڑھے کسی کو کسی وقت طواف وصلوۃ سے روکنا مت (۵) اسی طرح یہ حدیث بھی عموم نہی کے اندر تخصیص کی دلیل ہے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میرے کانوں نے سنا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نماز فجر کے بعد کوئی نماز نہیں تا آنکہ آفتاب طلوع ہو جائے اور نماز عصر کے بعد کوئی نماز نہیں تا آنکہ آفتاب غروب ہو جائے، مگر مکہ میں (٦) (یعنی مکہ مکرمہ میں کسی وقت کی ممانعت نہیں ہے ہر وقت نماز پڑھی جاسکتی ہے)

ان اقوال میں دوسرا قول ہی جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے حق وصواب ہے، احادیث مخصصہ سے عمومات نہی کی تخصیص کر لینا اور اس طرح احادیث مختلفہ کے

---

(۵) ابو داؤد ج۲ ص ۱۱۹ باب الطواف بعد العصر. ترمذی ج۲ ص۹۴ باب ماجاء فی الصلوۃ بعد العصر و بعد الصبح لمن یطوف، نسائی ج۱ ص ۶۸ المواقیت، ابن ماجہ ص ۹۰ باب الرخصۃ فی الصلوۃ بمکۃ فی کل وقت، حاکم ج۱ ص ۴۴۸، طحاوی ج۱ ص ۴۶۰، دارمی ج۲ ص ۷۰، بیہقی ج۲ ص ۴۶۱، دارقطنی ج۱ ص ۴۲۳، مسند شافعی ترتیب محمد عابد سندھی ص ۵۷، ابو یعلی، ابن خزیمہ، ابن حبان، امام حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے، مسلم کی شرط کے مطابق ہے، لیکن بخاری ومسلم نے اس کی تخریج نہیں کی ہے، امام ترمذی اسی طرح امام بغوی نے "شرح السنۃ" (ج۳ ص ۱۳۳) میں فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے،

(٦) بیہقی ج۲ ص ۴۶۱، دارقطنی ج۱ ص ۴۲۴، آئندہ فصل میں اس پر تفصیلی کلام آرہا ہے، ان شاء اللہ

درمیان جمع و تطبیق کرکے سب پر عمل کرنا ہی اولی ہے، یہ اس سے بہتر ہے کہ بعض احادیث کو بعض کے معارض قرار دے کر کسی کو رد کر دیا جائے اور اسے ناقابل عمل ٹھہرایا جائے، احادیث مخصصہ کا تفصیلی بیان آئندہ فصل نہم میں آرہا ہے۔

فصل نہم

سنتِ فجر نمازِ فجر سے پہلے نہ پڑھی جا سکی تو اسے فرض کے بعد معاً طلوع آفتاب سے پہلے پڑھنا جائز و اولیٰ ہے نیز اوقات مکروہہ میں نماز کی نہی و ممانعت عام نہیں مخصوص ہے

(گزشتہ فصل ہشتم میں پانچوں اوقات مکروہہ بعد نماز عصر، بعد نماز فجر، آفتاب کے طلوع، غروب، اور نصف النہار، اوران اوقات میں نماز کی نہی و ممانعت کے بارے میں وارد احادیث اوراس مسئلہ میں اہل علم کے اقوال و مذاہب کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، ایک طرف یہ احادیث ہیں جن میں سے کسی میں پانچوں اوقات ممنوعہ میں، اور کسی میں بعض اوقات میں اطلاق و عموم کے ساتھ نماز پڑھنے کی نہی و ممانعت ہے، کسی نماز کا استثناء اوراس کی تخصیص نہیں ہے، دوسری طرف بہت سی وہ احادیث ہیں جن میں بعض بعض نمازوں سے متعلق عموم و اطلاق کے ساتھ کسی وقت میں بھی انھیں پڑھنے کی اباحت یا اس کا حکم وارد ہے، کسی وقت کا استثناء و تخصیص نہیں ہے، جیسے مثال کے طور پر فوت شدہ نمازوں کی قضا، تحیۃ المسجد، دوگانہ طواف، نماز جنازہ، وغیرہ، گویا ایک طرف عموم صلوات یا عموم نہی ہے تو دوسری طرف عموم اوقات یا عموم اباحت ہے، اس کو علامہ شوکانی نے یوں بیان فرمایا ہے کہ "دونوں قسم کی حدیثیں ایک دوسرے سے اعم من وجہ ہیں، اب کسی ایک کی بلا قرینہ و دلیل تخصیص کرنا تحکم ہوگا، اس لئے توقف کرنا متعین ہے تا آنکہ کسی خارجی دلیل سے عمومین میں سے کسی ایک کی ترجیح ثابت ہو جائے"۔

اوقات مکروہہ میں نماز کی نہی عام نہیں مخصوص ہے:

اس سلسلہ میں اس فصل نہم میں آپ تفصیل سے پڑھیں گے اور گزشتہ فصل

ہشتم میں بھی پڑھ چکے ہیں کہ بکثرت نصوص ہیں، جو فی الجملہ اوقات مکروہہ میں نماز پڑھنے کی اباحت پر دلالت کرتی ہیں، یعنی بلفظ دیگر عموم صلوات یا عموم نہی کی تخصیص کرتی ہیں، اسی طرح مذاہب ائمہ کے بیان میں آپ نے دیکھا ہے کہ کسی کے نزدیک بھی نہی عام اپنے عموم پر باقی نہیں ہے ہر ایک کے نزدیک کسی نہ کسی نماز کی تخصیص اور اسے وقت مکروہ میں پڑھنے کی اباحت واجازت موجود ہے، گویا نہی وممانعت بالاتفاق عام باقی علی عمومہ نہیں ہے، بلکہ بالاتفاق مخصوص منہ البعض ہے، اس لئے ہمارا کہنا یہ ہے کہ عموم اوقات کے بجائے عموم نہی کی دلائل مخصصہ کی بنا پر تخصیص تحکم نہیں بلکہ راجح اور اولیٰ ہے، (مترجم)

آئندہ صفحات میں ہم پہلے ان مخصصات یعنی احادیث نبویہ کو جن سے عموم نہی کی تخصیص ثابت ہوتی ہے تفصیل سے بیان کریں گے، ان مخصصات کے بیان سے آپ کے لئے واضح ہو جائے گا کہ ازانجملہ مخصصات ایک زیر بحث مسئلہ بھی ہے یعنی نماز فجر کے بعد نماز کی ممانعت سے سنت فجر بھی مستثنیٰ ہے نہی اس کو شامل نہیں ہے، اگر کوئی نماز فجر سے پہلے سنت نہ پڑھ سکا تو وہ نماز فجر کے بعد متصلا، طلوع آفتاب سے پہلے پڑھ سکتا ہے، اب آگے ان مخصصات یعنی نصوص مخصصہ اور دلائل تخصیص کو پڑھئے:

(۱) پہلی دلیل تخصیص: بوقت طلوع نماز فجر وبوقت غروب نماز عصر کے اتمام کا حکم:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی مشہور حدیث ہے جسے بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور دارمی وغیرہ نے روایت کیا ہے، امام بخاری نے "باب من ادرک رکعة من العصر قبل الغروب" اور "باب من ادرک رکعة من الفجر" میں روایت کیا ہے، پہلے باب میں ہے:

قال رسول اللہ ﷺ: اذا ادرک احدکم سجدة من صلوة العصر قبل

ان تغرب الشمس فلیتم صلوته واذا ادرک سجده من صلوة الصبح ان تطلع الشمس فلیتم صلوته.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جب کوئی غروب آفتاب سے پہلے نماز عصر کا ایک سجدہ -یعنی رکعت- پالے تو اسے اپنی یہ نماز پوری کرنی چاہیئے، اور جب طلوع آفتاب سے پہلے نماز فجر کا ایک سجدہ -یعنی رکعت- پالے تو اسے اپنی یہ نماز پوری کرنی چاہیئے۔

اور دوسرے باب میں ہے:

ان رسول اللہ ﷺ قال: من ادرک من الصبح رکعة قبل ان تطلع الشمس فقد ادرک الصبح ومن ادرک رکعة من العصر قبل أن تغرب الشمس فقد ادرک العصر.

بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے فجر کی ایک رکعت طلوع آفتاب سے پہلے پالیا اس نے نماز فجر پالیا، اور جس نے عصر کی ایک رکعت غروب آفتاب سے پہلے پالیا اس نے نماز عصر پالیا،

یہ حدیث مسلم، نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد اور طحاوی میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے،

"**فقد ادرک الصلوة**" نماز کو پالیا کا بالاتفاق معنی یہ ہے کہ وقت نماز پالیا، اسے بقیہ پڑھنی اور نماز پوری کرنی چاہیئے، بیہقی کی روایت میں اس کی صراحت ہے، چنانچہ اس میں یہ الفاظ ہیں:

من ادرک من الصبح رکعة قبل ان تطلع الشمس ورکعة بعد ما تطلع الشمس فقد ادرک الصلوة

جس نے نماز فجر کی ایک رکعت طلوع آفتاب سے پہلے اور دوسری رکعت طلوع آفتاب

کے وقت پایا اس نے نماز پالیا۔

اس سے بھی زیادہ صریح دوسری روایت جو بطریق ابی غسان محمد بن مطرف از زید بن اسلم از عطاء بن یسار از ابی ہریرہ بایں لفظ مروی ہے:

من صلی رکعة من العصر قبل ان تغرب الشمس ثم صلی مابقی بعد غروب الشمس فلم یفته العصر (۱)

جس نے نماز عصر کی ایک رکعت غروب آفتاب سے پہلے پالیا اور بقیہ رکعتیں غروب آفتاب کے بعد پڑھیں تو اس کی نماز عصر فوت نہیں ہوئی یعنی ادا ہوگئی۔

امام طحاوی کی تاویل اور اس کی تردید:

امام طحاوی نے اپنے مذہب کی تائید کی خاطر مذکورہ حدیث صحیحین کی بیجا تاویل کی ہے فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کسی نماز کے آخر وقت میں

---

(۱) اسے حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" میں "باب من ادرک رکعة من الفجر" کی شرح کے تحت ذکر کیا ہے، اس کی تائید حضرت ابو ہریرہ کی حدیث مندرجہ ذیل روایتوں سے بھی ہوتی ہے: ابن حبان: من ادرک رکعة من الفجر قبل ان تطلع الشمس ورکعة بعد ما تطلع الشمس فقد ادرکها" (الموارد ص ۹۳) بیہقی (ج ۱ ص ۳۷۹) دار قطنی (ج ۱ ص ۳۸۲): "اذا صلی احدکم رکعة من صلاة الصبح ثم طلعت الشمس فلیصل الیها اخری".

حاکم (ج ۱ ص ۳۷۹) "من صلی رکعة من صلوة الصبح ثم طلعت الشمس فلیتم صلوته".

قال الحاکم صحیح علی شرط الشیخین، ووافقه الذهبی.

احمد (ج ۲ ص ۲۵۴) "من صلی رکعة من صلوة العصر قبل ان تغرب الشمس فلم تفته".

واسناده صحیح.

حافظ زیلعی فرماتے ہیں: یہ سب الفاظ وروایات اس شخص کی تردید کرتی ہیں جو مذکورہ حدیث صحیحین کا یہ معنی بیان کرتا ہے کہ یہ اس کافر کے بارے میں ہے جس نے کسی نماز کے آخر وقت میں اسلام قبول کیا کہ ایک رکعت پڑھنے کے بقدر وقت باقی تھا تو اس نے اس نماز کو پالیا یعنی وہ نماز اس کے ذمہ عائد اور فرض ہوگئی، لیکن طلوع وغروب کے اوقات میں نماز پڑھنا چونکہ منع ہے، اس لئے وہ وقت کراہت نکلنے کے بعد پڑھے گا، نماز کو پالیا کا یہی مطلب ہے، یہ امام طحاوی وغیرہ کی تاویل ہے حافظ زیلعی نے انھیں کے رد کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ (نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۲۹)

کہ ایک رکعت پڑھنے کے بعد بقدر وقت باقی ہو، کسی جنون زدہ کو افاقہ ہو جائے، یا کوئی لڑکا بالغ ہو جائے، یا کوئی نصرانی (یعنی غیر مسلم) اسلام قبول کرے، یا حائضہ کو پاکی حاصل ہو جائے، تو انھوں نے اس نماز کو پالیا مطلب یہ کہ اس نماز کی فرضیت ان پر عائد ہوگئی وہ اس کے مکلف ہو گئے، نماز کو پالیا کا یہی مطلب ہے، لیکن وقت کراہت میں نماز پڑھنا چونکہ منع ہے اس لئے وہ یہ نماز وقتِ کراہت نکلنے کے بعد پڑھیں گے۔-

امام طحاوی کی اس تاویل کی ہماری ذکر کردہ روایات سے بخوبی تردید ہوتی ہے، اور ان کے اقوال کا باطل ہونا ثابت ہو جاتا ہے، اسی طرح امام طحاوی کا یہ دعویٰ کہ اوقات مکروہہ میں نماز کی نہی وممانعت کی احادیث مذکورہ حدیث ادراک کے لئے ناسخ ہیں، دعویٰ بلا دلیل ہے، نیز نسخ محض احتمال کی بنا پر اختیار نہیں کیا جا سکتا، قوی اور واضح دلیل چاہئے، پھر یہاں حدیثوں کے درمیان جمع وتطبیق ممکن ہے وہ یوں کہ عموم نہی کی حدیثِ ادراک مخصص ہے یہ صورت عموم نہی سے مستثنیٰ ہے، عام اور خاص میں درحقیقت کوئی تعارض نہیں ہوتا، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تخصیص ادعاء نسخ سے اولیٰ اور بہتر ہے،

امام بیہقی ''معرفۃ السنن والا آثار'' میں فرماتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مذکورہ حدیث ''من ادرک رکعۃ ...'' کے مطابق فتویٰ دیتے تھے، امام بیہقی نے اپنی سند سے بطریق سعید بن ابی سعید المقبر ی روایت کیا ہے، حضرت ابو ہریرہ فرماتے تھے:

''جو شخص سو گیا یا غافل ہو گیا اور نماز فجر طلوع آفتاب سے پہلے ایک رکعت ہی پا سکا اور دوسری رکعت طلوع آفتاب کے وقت پڑھا تو اس کی نماز فجر ادا ہو گئی، اور جو شخص سو گیا یا بھول گیا اور نماز عصر کی دو رکعت غروب آفتاب سے پہلے پایا اور دو

رکعت غروب آفتاب کے وقت اور اس کے بعد پڑھا تو اس نے نماز عصر پالیا نماز ادا ہوگئی''۔

''یہ حضرت ابو ہریرہ ہیں جو اوقات مکروہہ میں ممانعت نماز کی حدیث کے راوی ہیں اور پھر آپ ہی ان اوقات میں نماز پڑھنے کو جائز بھی کہتے ہیں، تو پھر احادیث نہی سے احادیث ادراک کے نسخ کا دعویٰ کیسے درست ہوسکتا ہے، بالخصوص جب کہ ایسا کچھ بھی ثابت نہیں ہے کہ مذکورہ دونوں قسم کی احادیث میں کون متقدم ہے کون متاخر ہے، نہ کوئی ایسا سبب وارد ہے جو نسخ پر دلالت کرے''۔

امام ترمذی ''جامع'' میں فرماتے ہیں: حدیث ابو ہریرہ ''**من ادرک رکعة ...**'' حسن صحیح ہے، ہمارے اصحاب امام شافعی، امام احمد، امام اسحٰق بن راہویہ اسی کے قائل ہیں، اصحاب الحدیث کے نزدیک اس کا محمل یہ ہے کہ کوئی واقعی نماز کے وقت میں سو یا رہ گیا یا بھول گیا اور بیدار ہوا یا اسے یاد آیا طلوع وغروب آفتاب کے وقت تو اسے وہ نماز اس وقت مکروہ میں سہی پڑھنی ہے، مزید تاخیر نہیں کرنی ہے۔

امام بیہقی ''معرفۃ السنن والآثار'' میں ''**باب مایستدل به علی اختصاص هذا النهی ببعض الصلوات دون بعض**'' کے تحت بسندہ امام شافعی سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

''نبی ﷺ نے ان اوقات مکروہہ میں جو نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے تو یہ ہر نماز کے متعلق نہیں ہے، فرائض وسنن موکدہ وغیرہ نمازیں ان اوقات میں پڑھنا خود نبی اکرم ﷺ کے ارشاد کے مطابق جائز ہیں، نیز اس بنا پر بھی کہ فجر وعصر کے بعد نماز جنازہ پڑھنے کے جواز پر اجماع ہے،- مزید فرمایا کہ یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ نبی ﷺ نے رمضان سے ایک دو روز قبل رمضان کے استقبال میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا

ہے، لیکن اگر وہ کسی کے لئے حسب وظیفہ سابقہ روزہ رکھنے کے ایام ہوں تو وہ ان دنوں میں روزہ رکھ سکتا ہے، ''

امام شافعی فرماتے ہیں ''جب طلوع وغروب آفتاب کے قبل ایک رکعت پڑھنے اور بقیہ رکعت یا رکعتوں کو طلوع وغروب کے وقت مکروہ میں پڑھنے والے کو مدرک فجر وعصر قرار دیا گیا، تو اس سے ہم نے اس امر پر استدلال کیا کہ ان اوقات مکروہہ میں نماز کی نہی وممانعت کا تعلق عام نوافل سے ہے جو موکد اور لازم قسم کی نہیں ہیں''۔

امام نووی فرماتے ہیں: یہ (مذکورہ حدیث ''من ادرک رکعة ...'') اس مسئلہ کی صریح دلیل ہے کہ جس نے فجر یا عصر کی ایک رکعت وقت میں پایا اور سلام سے پہلے ہی وقت نکل گیا تو اسکی یہ نماز باطل نہیں ہوگی بلکہ وہ یہ نماز اسی وقت حرام میں یعنی بوقت طلوع یا غروب پوری کرے گا، اور یہ نماز ادا ہوگی، یہ صحیح ہے، نماز عصر کے بارے میں تو یہ متفق علیہ ہے، نماز فجر کے بارے میں بھی امام مالک، اما شافعی، امام احمد، تمام ائمہ کا مسلک یہی ہے، سوائے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے، وہ کہتے ہیں کہ طلوع آفتاب سے یہ نماز فجر باطل ہو جائے گی، کیونکہ طلوع آفتاب کے وقت نماز پڑھنا حرام ہے، بخلاف قبل از غروب شروع کردہ نماز عصر کے کہ غروب آفتاب کے وقت اس کا پڑھنا حرام نہیں، لیکن حدیث امام صاحب کے خلاف حجت ہے''۔ (☆)

حاصل یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں کہ کسی نے طلوع آفتاب سے پہلے فجر کی ایک رکعت پالی یا غروب آفتاب سے پہلے نماز عصر کی ایک رکعت پالی تو اس کے لئے بقیہ رکعت طلوع وغروب کے وقت میں پڑھنے کی اجازت خود شارع نے دی ہے، جس نے کہ ان اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ

اور اس طرح کی نمازیں نہی کے عموم میں داخل ہی نہیں ہیں یہ حدیث عموم نہی کیلئے مخصص ہے،

(۲) دوسری دلیل تخصیص: حدیث من نسی صلاۃ اونام عنھا ...:

اوقات مکروہہ میں نماز کی نہی وممانعت تمام نمازوں سے متعلق عام نہیں ہے، بلکہ وہ مخصوص ہے عام نوافل کے ساتھ، تخصیص کے متعدد دلائل میں سے ایک دلیل وہ معروف حدیث بھی ہے جو حضرت انس، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے:

حدیث انس رضی اللہ عنہ: ائمہ ستہ (بخاری، مسلم، ابوداود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) احمد، دارمی، طحاوی وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من نسی صلاۃ فلیصل اذا ذکر لا کفارۃ لھا الا ذلک، ”واقم الصلوۃ لذکری“ (واللفظ للبخاری) وعند مسلم وابی داؤد: فلیصلھا اذا ذکرھا، وفی روایۃ لمسلم: اذا رقد احدکم عن الصلاۃ اوغفل عنھا فلیصلھا اذا ذکرھا، (۲)

جو نماز بروقت پڑھنا بھول جائے تو اسے چاہئے کہ جب یاد آجائے اسی وقت پڑھ لے، یہی اس کا کفارہ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا نماز قائم کرو میرے اس کو یاد دلانے پر،

---

(۲) مذکورہ کتب حدیث میں اس حدیث کے ابواب ومواقع معروف ہیں تفصیلی تخریج کی کوئی خاص حاجت نہیں۔

(☆) صاحب شرح وقایہ وغیرہ نے حدیث ادراک اور حدیث نہی کو باہم متعارض قرار دے کر قیاس کی طرف رجوع کرنے اور اس حیلہ سے امام صاحب کے مذہب کی تصویب کی ہے وہ صحیح نہیں ہے، حقیقت میں دونوں حدیثوں میں تعارض ہی نہیں ہے، جمع وتطبیق واضح ہے، تفصیلی بحث کے لئے مولانا عبدالحیٔ صاحب لکھنوی کی ”سعایہ حاشیہ شرح وقایہ“ کی طرف رجوع کیا۔

(یا میری یاد کے لئے) مسلم میں ہے: جب تم سے کوئی نماز سے سو جائے یا بھول جائے تو چاہیئے کہ اسے پڑھ لے وہ جب یاد آئے،

حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ: اسے مسلم، ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے، حدیث انس ہی کے مثل و ہم معنی ہے،

حدیث ابو قتادہ رضی اللہ عنہ: اسے مسلم، ابو داؤد، ترمذی اور نسائی نے حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اما انه ليس في النوم تفريط، انما التفريط على من لم يصل الصلوة حتى يجيئ وقت الصلاة الأخرى، فمن فعل ذلك فليصلها حين ينتبه لها، (واللفظ لمسلم، وفي الترمذي والنسائي: فاذا نسي احدكم صلاة اونام عنها فليصلها اذا ذكرها،

تفریط نیند میں نہیں ہے، تفریط یہ ہے کہ بیداری میں کوئی نماز نہ وقت سے پڑھے یہاں تک کہ دوسری نماز کا وقت آجائے، سو جو سو جائے وہ جس وقت بھی بیدار ہو اسی وقت پڑھ لے، ترمذی، نسائی میں ہے: سو تم میں سے جو کوئی نماز بروقت بھول جائے یا سو جائے، تو چاہیئے کہ جب اسے یاد آئے پڑھ لے،

امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے، اہل علم کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جب کوئی بھول جانے یا سو جانے کی وجہ سے بروقت نماز نہ پڑھ سکے اور وہ بیدار ہو یا اسے یاد آئے ایسے وقت میں جس میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے، غروب آفتاب کے وقت یا طلوع آفتاب کے وقت تو وہ کیا کرے، بعض اہل علم نے کہا جس وقت بیدار ہو یا یاد آئے تو اسی وقت پڑھ لے غروب آفتاب کا وقت ہو یا طلوع آفتاب کا، یہی امام احمد، امام اسحٰق بن راہویہ، امام شافعی، امام مالک کا قول ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا ہی روایت کیا

گیا ہے (۳)

”اور بعض اہل علم کا قول یہ ہے کہ طلوع و غروب آفتاب کے وقت نہیں پڑھے گا، اس کے بعد پڑھے گا، حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ وہ نماز عصر سے سو گئے بیدار ہوئے غروب آفتاب کے وقت، (تو انتظار کیا اور) غروب آفتاب کے بعد نماز پڑھی (۴)

امام بیہقی ”معرفۃ السنن والآثار“ میں امام شافعی سے نقل کرتے ہیں انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے جس وقت کوئی بیدار ہو یا یاد آئے اسی وقت کو اس نماز کا وقت قرار دیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے اسی کی خبر دی گئی ہے، اور آنحضرت ﷺ نے کسی وقت کا استثناء نہیں کیا ہے کہ فلاں وقت میں یاد آنے کے باوجود نہ پڑھے،

بعض علمائے محققین نے ”شرح عمدۃ الاحکام“ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ ”اقرب احوال یہ ہے کہ اوقات مکروہہ میں نماز سے نہی فرض و نفل دونوں کو عام ہو، اور حدیث ”من ادرک رکعۃ “اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ فرض نماز اوقات مکروہہ میں بھی ادا کی جائے، یہ دلالت صریح ہے جس میں تاویل کی گنجائش نہیں ہے، سو یہ حدیث مذکورہ احادیث نہی کی مخصص ہوگی اور نہی کا تعلق فرض نمازوں سے نہیں بلکہ نوافل سے ہے خواہ ذات السبب ہوں یا غیر ذات السبب ہوں، سوائے سنت فجر کے کہ اسے نماز فجر کے بعد پڑھنا بطور خاص جائز ہے کیونکہ اس کے بارے میں دلیل خاص وارد ہے جو عموم نہی سے اس کو مخصوص و مستثنیٰ کرتی ہے، رہا نبی اکرم ﷺ کا سنت

---

(۳) ابن ابی شیبہ (ج ۲ ص ۶۴) بہ طریق ابی اسحاق عن الحارث عن علی..، یہ حارث بن عبداللہ الاعور ہے جو سخت ضعیف ہے، اور ابو اسحاق مدلس ہے اور بطریق عن روایت کیا ہے، مدلس کا عنعنہ معتبر نہیں۔

(۴) ابن ابی شیبہ (ج ۲ ص ۶۶) اسناد میں ”بعض بنی ابی بکر“ ہے، متعین نہیں کون مراد ہے، اگر عبدالرحمٰن ہو تو وہ ثقہ ہے، اور اگر کوئی اور ہو تو وہ مبہم ہے تحقیق کی ضرورت ہے۔

ظہر کو نماز عصر کے بعد قضا کرنا تو بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہے‘‘ (اسے آپ ﷺ کیساتھ خاص قرار دینے کی بات صحیح نہیں تفصیل آگے آرہی ہے)

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ بعض احادیث میں مروی خود نبی اکرم ﷺ کا طرز عمل اس پر دلالت کرتا ہے کہ اوقات ممنوعہ طلوع وغروب آفتاب کے وقت نماز کی نہی و ممانعت میں فوت شدہ فرض نمازیں بھی داخل ہیں، پھر انھوں نے ثبوت میں احادیث تعریس کو بیان کیا ہے (جس کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ غزوۂ خیبر (۷ھ) یا غزوۂ تبوک (۹ھ) سے واپسی میں رسول اللہ ﷺ صحابہ کے ساتھ دیر رات گئے تک رواں دواں رہے اور آخر شب میں نزول فرمایا، سب لوگ نیند سے سو گئے، حضرت بلال نے ذمہ داری لی تھی کہ جاگتے رہیں گے اور فجر کے وقت لوگوں کو جگا دیں گے، لیکن فجر سے پہلے ان کو بھی نیند آگئی، اور سب لوگ سوئے رہ گئے، تا آنکہ آفتاب طلوع ہو گیا اور دھوپ کی گرمی لگی تو سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے، آپ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ اس وادی سے نکل چلیں، یہاں شیطان حاضر ہو گیا ہے، تھوڑا آگے دوسری وادی میں پہونچ کر آنحضور ﷺ فروکش ہوئے، آپ ﷺ کے حکم سے بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی، سب لوگوں نے سنت پڑھی، پھر اقامت ہوئی اور آپ ﷺ نے نماز فجر پڑھائی۔ تعریس کا معنی ہے مسافر یا قافلہ کا آخر شب میں فروکش ہونا۔ یہ واقعہ متعدد صحابہ نے روایت کیا ہے، جیسا کہ تفصیل فصل دہم میں آرہی ہے۔ مترجم)

امام طحاوی ان احادیث کو روایت کرنے بعد فرماتے ہیں: ہم نے دیکھا کہ نبی ﷺ نے نماز فجر کو طلوع آفتاب کے وقت نہیں پڑھا موخر کر دیا آفتاب جب بلند ہو گیا تب پڑھا، حالانکہ ایک دوسری حدیث میں آنحضو ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ ’’جب کوئی شخص نماز بھول جائے یا سو جائے تو جس وقت یاد آئے اسے پڑھ لے‘‘ آپ کا یہ

طرز عمل اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ طلوع و غروب آفتاب کے وقت نماز کی ممانعت میں فرائض و نوافل سب داخل ہیں سب ممنوع ہیں، یہ وقت طلوع آفتاب نماز فجر کا وقت نہیں ہے جس میں اسے پڑھا جائے۔

جواب یہ ہے کہ واقعہ مذکورہ سے متعلق متعدد احادیث میں یہ تصریح ہے وارد ہے کہ نقل مکانی اور جگہ کی تبدیلی اس بنا پر نہیں کی گئی کہ نماز کی ادائیگی میں تاخیر ہو سکے بلکہ یہ اس جگہ میں نماز کی کراہت کی بنا پر تھی نہ کہ اس وقت میں نماز کی کی کراہت کی بنا پر، چنانچہ مسلم، نسائی میں مروی حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں ہے: ''ہم نہیں بیدار ہوئے حتی کہ آفتاب طلوع ہو گیا، تو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہر شخص اپنی اپنی سواری سنبھال لے، کیونکہ اس جگہ ہمارے بیچ شیطان آ گیا ہے'' طحاوی کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اس جگہ شیطان ہے، اس بنا پر آپ ﷺ نے جگہ کو چھوڑنے کا حکم دیا اور آپ اور صحابہ وہاں سے منتقل ہو گئے، امام نووی فرماتے ہیں: اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ مواضع شیطان سے دوری اختیار کرنا چاہئے۔

علامہ محمد بن اسماعیل امیر یمانی ''سبل السلام شرح بلوغ المرام'' میں فرماتے ہیں: امام طحاوی وغیرہ کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ:

اولاً: نبی ﷺ اور صحابہ اس وقت بیدار ہوئے جب دھوپ کی گرمی لگی، جیسا کہ حدیث میں ثابت ہے، اور دھوپ کی گرمی اس وقت لگے گی جب آفتاب طلوع ہو کر بلند ہو جائے اور وقتِ کراہت نکل جائے، اس لئے مقام کی تبدیلی تاخیر کرنے اور وقت کراہت نکل جانے کے لئے نہ تھی، وقت کراہت تو نکل ہی چکا تھا بلکہ دوسری وجہ سے تھی اور وہ یہ کہ:

ثانیاً: رسول اللہ ﷺ نے بوقت بیداری فوراً نماز ادا نہ کرنے کے بجائے تاخیر کرنے

کی وجہ خود بیان فرمادی ہے کہ اس وادی میں ہمارے بیچ شیطان آ گیا ہے، اس لئے پہلے یہ وادی چھوڑو، یہاں سے کوچ کرو، سو وہاں سے نکلنے کے بعد آپ نے دوسری وادی میں نماز پڑھی، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بیداری بالفرض وقت کراہت میں ہوئی ہو تب بھی تاخیر وقت کی کراہت کی بنا پر نہ تھی جگہ کی مکروہیت کی بنا پر تھی''۔

(۳) تیسری دلیل تخصیص: جمعہ کو بوقت نصف النہار نماز پڑھنا جائز ہے:

اوقات مکروہہ میں نماز کی نہی و ممانعت کے عام نہ ہونے بلکہ عام نوافل کے ساتھ مخصوص ہونے کی دلیل یہ بھی ہے کہ جمعہ کے روز بوقت نصف النہار نماز پڑھنے کا جواز حدیث سے ثابت ہے، چنانچہ امام بیہقی ''معرفۃ السنن والآثار'' میں امام شافعی کے طریق سے روایت کرتے ہیں: قال (الشافعی): وروی عن اسحاق بن عبداللہ عن سعید بن ابی سعید عن ابی ہریرہ:

ان رسول اللہ ﷺ نہی عن الصلوۃ نصف النہار حتی تزول الشمس الا یوم الجمعۃ، ھکذا رواہ فی کتاب "اختلاف الحدیث" ورواہ فی کتاب "الجمعۃ" عن ابراھیم بن محمد عن اسحاق...،

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے بوقت نصف النہار نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے تا آنکہ زوال شمس ہو جائے، مگر جمعہ کے روز (یعنی جمعہ کے روز نصف النہار میں نماز پڑھنا منع نہیں ہے)

حافظ ابن حجر ''تلخیص الحبیر'' میں فرماتے ہیں: ''اسحاق بن عبداللہ بن فروہ اور ابراہیم بن محمد دونوں ضعیف ہیں،- امام بیہقی نے بہ طریق ابو خالد الاحمر عن عبد اللہ شیخ من اھل المدینۃ عن سعید عن ابی ہریرہ روایت کیا ہے، (اس سند میں بھی ضعف ہے، تقریب میں ہے ابو خالد الاحمر صدوق یخطی) امام اثرم نے اسے ایک

دوسری سند سے روایت کیا ہے مگر اس میں واقدی ہے اور وہ متروک ہے، امام بیہقی نے بھی ایک اور سند سے اسے روایت کیا ہے، مگر اس میں عطاء بن عجلان ہیں اور وہ بھی متروک ہیں"۔

امام بیہقی نے "معرفة السنن والآثار" میں بہ طریق **عطاء بن عجلان البصری انه حدثه عن ابی نضره العبدی انه حدثه عن ابی سعید الخدری وابی هریرة** روایت کیا ہے

كان رسول الله ﷺ نهى عن الصلاة نصف النهار الا يوم الجمعة.

حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بوقت نصف النہار نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے مگر جمعہ کے روز (یعنی جمعہ کو نصف النہار میں، نماز پڑھنا منع نہیں)

امام ابوداؤد نے "سنن" میں اور ابوداؤد ہی کے طریق سے امام بیہقی نے "معرفة السنن" میں بہ طریق لیث بن ابی سلیم عن مجاہد عن ابی الخلیل عن ابی قتادة عن النبی ﷺ روایت کیا ہے،

كان النبى ﷺ كره الصلوة نصف النهار الا يوم الجمعة، او قال ان جهنم تسجر الا يوم الجمعة،

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے نصف النہار میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا کہ جمعہ کو جہنم نہیں دھکائی جاتی،

امام ابوداؤد اور امام بیہقی فرماتے ہیں "یہ حدیث مرسل یعنی منقطع السند ہے، ابوالخلیل (صالح بن ابی مریم الضبعی البصری) (☆) کو حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے سماع حاصل نہیں ہے"۔-- نیز سند میں لیث بن ابی سلیم بھی ضعیف ہیں۔

☆ من رواة الستة وثقة ابن معين وابوداؤد والنسائى (مرعاة ج۲ص۵۹)

امام بیہقی فرماتے ہیں ابوہریرہ و ابو سعید خدری سے مروی حدیث کی سند میں بعض ایسے راوی ہیں جو حجت نہیں، لیکن حدیث ابو قتادہ کے انضمام سے حدیث کو قدرے قوت حاصل ہو جاتی ہے، امام طاؤس اور امام مکحول رخصت کے قائل ہیں۔

حافظ ابن القیم ''زاد المعاد'' میں جمعہ کے خصائص کو بیان کرتے ہوئے گیارہویں خصوصیت یہ بیان کرتے ہیں کہ امام شافعی اور ان کے اصحاب (اسی طرح امام اوزاعی اور حنفیہ میں امام ابو یوسف) کے نزدیک جمعہ کے روز نصف النہار میں کوئی نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے، بلکہ پڑھنے کی رخصت ہے، اسی کو ہمارے شیخ امام ابن تیمیہ نے بھی اختیار فرمایا ہے، (امام مالک کے نزدیک نصف النہار اوقات مکروہہ میں ہے ہی نہیں) حدیث ابو قتادہ اگرچہ مرسل ہے، لیکن حدیث مرسل کی تائید اگر صحابہ کے قول و عمل، یا قیاس سے ہو رہی ہو یا مرسل راوی شیوخ کے انتخاب و اختیار، اور ضعفاء و متروکین سے روایت کرنے سے اجتناب کے لئے معروف ہو، یا ایسی اور کوئی بات پائی جائے جس سے اس حدیث مرسل کی تقویت ہوتی ہو تو ایسی حدیث مرسل قابل عمل ہوتی ہے، کتاب ''امام'' کے مولف فرماتے ہیں امام شافعی کے مذہب کی تقویت و تائید صحابہ کرام کے تعامل سے بھی ہوتی ہے چنانچہ امام شافعی نے ثعلبہ بن مالک سے روایت کیا ہے کہ عام صحابہ جمعہ کے روز نصف النہار کے وقت نماز پڑھتے تھے،

امام بیہقی (سنن کبریٰ ج ۱ ص ۴۶۵ میں) اسی طرح حافظ ابن القیم نے ''زاد المعاد'' میں اور حافظ ابن حجر نے ''فتح الباری'' میں لکھا ہے کہ امام شافعی وغیرہ کی اس مسئلہ میں اصل دلیل جس پر ان کا اعتماد ہے وہ صحیح مشہور حدیث ہے جس میں جمعہ کے لئے سویرے مسجد پہونچنے اور امام کے منبر پر آنے تک حسب

توفیق نفل پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے اور کسی وقت کی تخصیص اور اس کا استثناء نہیں کیا گیا ہے، اس میں نفل سے مانع امام کے منبر پر آنے اور خطبہ کو قرار دیا گیا ہے نہ کہ نصف النہار کو، معلوم ہوا کہ جمعہ کے روز نصف النہار کے وقت بھی نفل پڑھی جاسکتی ہے،

(۴) چوتھی دلیلِ تخصیص: اوقات مکروہہ میں سنتِ طواف پڑھنا جائز ہے:

اوقات ممنوعہ میں نماز کی نہی و ممانعت کے عام نہ ہونے اور بعض صلوات و مقامات کے اس نہی سے مخصوص و مستثنیٰ ہونے کی ایک دلیل وہ حدیثیں ہیں جو بلا تخصیص کسی بھی وقت بیت اللہ کا طواف کرنے اور سنت طواف پڑھنے سے متعلق وارد ہیں، یہ حدیثیں، حضرت جبیر بن مطعم، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابوذر غفاری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں:

☆ **حدیث جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ:** اسے امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے سفیان بن عیینہ از ابی الزبیر از عبداللہ بن باباہ از جبیر بن مطعم کے طریق سے روایت کیا ہے، حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

یا بنی عبد مناف لا تمنعوا احدا طاف بهذا البیت وصلی ایة ساعة شاء من لیل او نهار.

اے عبد مناف! کسی کو منع مت کرنا رات یا دن کے جس وقت جو چاہے اس بیت اللہ کا طواف کرے اور نماز پڑھے۔

یہ حدیث صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، سنن دار قطنی، مستدرک حاکم اور سنن کبریٰ بیہقی میں بھی مروی ہے، امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے، امام حاکم نے فرمایا: صحیح ہے، امام مسلم کی شرط پر ہے، لیکن بخاری و مسلم نے اس کی تخریج و روایت

نہیں کی ہے، (☆)

☆ **حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ:** اسے امام دار قطنی نے سنن (ج ا ص ۴۲۶) میں.............بطریق ابوالولید العدنی ثنا رجاء ابوسعید ثنا مجاہد عن ابن عباس روایت کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

یا بنی عبد المطلب او بنی عبد مناف لا تمنعوا احدا یطوف بالبیت ویصلی، فانه لا صلوة بعد الصبح حتی تطلع السمش ولا صلوة بعد العصر حتی تغرب الشمس الا بمکة عند هذا البیت یطوفون و یصلون.

اے بنوعبدالمطلب ! یا اے بنوعبد مناف ! کسی کو اس بیت اللہ کا طواف کرنے اور یہاں نماز پڑھنے سے مت روکنا، نماز فجر کے بعد کوئی نماز نہیں ہے حتی کہ آفتاب طلوع ہو جائے، اور نماز عصر کے بعد کوئی نماز نہیں حتی کہ آفتاب غروب ہو جائے، مگر مکہ میں اس بیت اللہ کے پاس طواف کریں اور نماز پڑھیں (یعنی جس وقت چاہیں عصر کے بعد بھی فجر کے بعد بھی)

صاحب "التنقیح" (علامہ بدرالدین زرکشی) فرماتے ہیں: ابولولید العدنی کا کوئی ذکر ابو احمد حاکم کی "کتاب الکنی" میں، میں نے نہیں پایا، اور رجاء بن الحارث ابوسعید مکی کو امام ابن معین نے ضعیف کہا ہے،

حافظ ابن کثیر "تلخیص الحبیر" میں فرماتے ہیں: یہ حدیث امام طبرانی نے بطریق عطاء عن ابن عباس اور ابونعیم اصفہانی نے "تاریخ اصفہان" میں اور امام خطیب بغدادی نے "التلخیص" میں بہ طریق ثمامہ بن عبیدہ عن ابی

(☆) سفیان بن عیینہ بایں طریق روایت کرنے میں متفرد نہیں ہیں جیسا کہ شیخ نیموی نے سمجھا ہے، بلکہ ابن جریج وغیرہ ثقات نے ان کی متابعت کی ہے جیسا کہ مسند احمد اور بیہقی میں ہے۔

الزبیر عن علی بن عبد اللہ بن عباس عن ابیہ روایت کیا ہے، لیکن یہ سب طریق معلول اور ضعیف ہے،

☆ **حدیث ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ:** اسے امام دارقطنی نے "سنن" میں، امام بیہقی نے "معرفۃ السنن" اور "سنن کبریٰ" (ج ا ص ۴۶۱) میں اور امام احمد نے "مسند" (ج ۵ ص ۱۶۵) اور ابن عبدالبر نے "التمہید" میں بہ طریق... **حمید مولی عفراء عن قیس بن سعد عن مجاھد** روایت کیا ہے، مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوذر مکہ آئے اور خانہ کعبہ کے دروازے کو پکڑ کر کھڑے ہوگئے اور فرمایا: جس نے پہچان لیا، پہچان لیا، اور جس نے نہیں پہچانا تو جان لے میں جندب ابوذر ہوں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے:

لا صلوۃ بعد الصبح حتی تطلع الشمس ولا بعد العصر حتی تغرب الشمس الا بمکۃ الا بمکۃ.

نماز فجر کے بعد کوئی نماز نہیں حتی کہ آفتاب طلوع ہو جائے، اور نماز عصر کے بعد کوئی نماز نہیں حتی کہ آفتاب غروب ہو جائے، مگر مکہ مکرمہ میں، مکہ مکرمہ میں،

امام بیہقی فرماتے ہیں جیسا کہ حافظ زیلعی نے ان سے نقل کیا ہے: "حمید الاعرج قوی نہیں ہے، اور مجاہد کو حضرت ابوذر سے سماع نہیں ہے"۔۔ لیکن علامہ ابن عبدالبر "التمہید" میں فرماتے ہیں: یہ حدیث اگر چہ حمید مولی عفراء کے ضعیف ہونے، اور مجاہد کا حضرت ابوذر سے سماع نہ ہونے کی بنا پر قوی نہیں ہے، لیکن جبیر بن مطعم کی حدیث (جو صحیح ہے) سے اس کو تقویت ملتی ہے، ساتھ ہی جمہور علماء مسلمین اسی کے قائل ہیں، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت ابن الزبیر، حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہم، اور طاؤس، مجاہد، قاسم بن محمد، عروہ بن الزبیر رحمہم اللہ، صحابہ و تابعین نماز عصر اور نماز فجر کے بعد طواف کرتے تھے اور اسی وقت طواف سے فارغ

ہو کر سنت طواف بھی پڑھتے تھے، ائمہ میں امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق بن راہویہ، امام ابوثور، امام داؤد بن علی ظاہری کا مذہب یہی ہے۔

اس حدیث پر مزید کلام کے لئے دیکھو "التعلیق المغنی علی سنن الدارقطنی"

☆ **حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ:** اسے ابن عدی نے بہ طریق سعید بن ابی راشد از عطاء بن ابی رباح از ابو ہریرہ روایت کیا ہے، اور ابن عدی کے طریق سے بیہقی نے "سنن کبریٰ" (ج ۲ ص ۴۶۲) میں روایت کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا صلوة بعد الفجر حتى تطلع الشمس ولا بعد العصر حتى تغرب الشمس فليصل اىّ حين طاف.

نماز فجر کے بعد کوئی نماز نہیں حتی سورج طلوع ہو جائے اور نماز عصر کے بعد کوئی نماز نہیں حتی کہ آفتاب غروب ہو جائے البتہ سنت طواف پڑھے جس وقت بھی طواف کرے۔

ابن عدی نے کہا یہ سعید بن ابی راشد عطاء وغیرہ سے ایسی حدیث روایت کرتا ہے جس پر اس کی متابعت نہیں کی جاتی، امام بخاری نے "تاریخ" میں اس کے بارے میں یہی کہا ہے کہ "لا یتابع علیہ"

(۵) پانچویں دلیل تخصیص: تنہا ادا کردہ نماز فرض کی جماعت میں شامل ہونیکا حکم:

اوقات مکروہہ میں نماز کی نہی وممانعت کے عام نہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ نماز فجر گھر یا تنہا پڑھ لینے کے بعد کوئی آئے اور جماعت ہو رہی ہو تو اسے نماز باجماعت میں (بہ نیت نفل) شامل ہو جانے کا حکم ہے، یہ اس کے لئے نفل ہوگی اور پہلے پڑھی ہوئی فرض ہوگی جو بہ نیت فرض پڑھی تھی۔

چنانچہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی، دارمی، ابن ابی شیبہ، احمد، دارقطنی، ابن حبان،

حاکم اور بیہقی نے بہ طریق **یعلی بن عطاء عن جابر بن یزید بن الاسود عن ابیہ یزید بن الاسود** روایت کیا ہے، حضرت یزید بن الاسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک تھا، مسجد خیف میں آپ ﷺ کے ساتھ نماز فجر پڑھی، سلام کے بعد آپ ﷺ نے جب مقتدیوں کی طرف رخ فرمایا تو دیکھا کہ دو آدمی پیچھے ایک کنارے ہیں جماعت فجر میں شریک نہیں ہوئے ہیں، آپ ﷺ نے ان دونوں کو بلوایا، وہ دونوں لرزاں ترساں آپ ﷺ کے پاس آئے، تو آپ نے پرسش فرمائی کہ تم نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی کیوں؟ انھوں نے جواب دیا یا رسول اللہ ہم اپنے خیمے میں نماز فجر پڑھ چکے تھے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا آئندہ ایسا نہ کرنا، جب تم اپنی منزل (خیمہ یا گھر) میں پڑھ لو اور پھر مسجد جماعت میں آؤ تو لوگوں کے ساتھ نماز با جماعت میں شریک ہو جاؤ، یہ تمہارے لئے نفل ہو جائے گی (۵)

امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے، ابن حبان نے بھی اس کو صحیح کہا ہے جیسا کہ "بلوغ المرام" میں ہے، اور امام ابن السکن نے بھی اسے صحیح کہا ہے، جیسا کہ "تلخیص الحبیر" میں مذکور ہے۔

امام بیہقی: "معرفۃ السنن" میں فرماتے ہیں: "امام شافعی سے قدیم قول یہ منقول ہے کہ انھوں نے اس حدیث کی سند کو مجہول قرار دیا ہے، کیونکہ یزید بن الاسود سے روایت کرنے والے صرف ان کے صاحبزادے جابر ہیں، اور جابر سے روایت کرنے والے صرف یعلی بن عطاء ہیں"۔

---

(۵) ابوداؤد: ج ا ص ۲۵۵، ترمذی ج ا ص ۱۱۸، نسائی ص ۹۹، داری ج ا ص ۳۱۷، ابن ابی شیبہ ج ا ص ۲۴۷، مسند احمد ج ۴ ص ۱۶۰، دار قطنی ج ا ص ۴۱۳، حاکم ج ص ۲۴۵، بیہقی ج ۲ ص ۲۵۰، عبد الرزاق: ج ۲ ص ۴۲۱، طحاوی ج ا ص ۲۵۰،

لیکن حافظ ابن حجر ''تلخیص'' میں فرماتے ہیں: یعلی مسلم کے رجال میں سے ہیں، اور جابر سے یعلی کے علاوہ ایک دوسرے راوی نے بھی روایت کیا ہے، چنانچہ امام ابن مندہ نے ''کتاب المعرفۃ'' میں بطریق بقیہ عن ابراہیم بن ذی حمایۃ عن عبد المالک بن عمر عن جابر حدیث روایت کی ہے، (٦)

امام ترمذی جامع میں فرماتے ہیں: ''بہت سے اہل علم، سفیان ثوری، شافعی، احمد اور اسحٰق بن راہویہ کا قول یہی ہے کہ جب کسی نے فجر (یا کوئی نماز) تنہا پڑھی ہو اور پھر اس نے جماعت پالیا تو اسے جماعت میں شریک ہوکر پھر نماز پڑھنا چاہئے، اس نے جو پہلے تنہا پڑھی ہے وہی فرض ہے، اور یہ دوسری نفل ہوگی، البتہ نماز مغرب میں ایسا ہو تو اسے ایک رکعت مزید پڑھ کر اسے جفت کر لینا چاہئے''۔

امام طحاوی نے حدیث مذکور کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث، حدیث لاصلوٰۃ بعد الصبح ...'' سے منسوخ ہے، لیکن امام بیہقی نے ''معرفۃ السنن میں اس کو رد کر دیا ہے فرماتے ہیں شیخ احمد نے فرمایا: حدیث لاصلوٰۃ بعد الصبح ... سے اس حدیث کے نسخ کا دعویٰ باطل ہے، اس کی کوئی دلیل نہیں ہے، نہ تو تاریخ معلوم ہے، یعنی نہ تو ان دونوں میں کسی کا متعین طور پر متقدم اور دوسری کا متاخر ہونا ثابت ہے، نہ اور کوئی ایسا سبب وارد ہے جو نسخ پر دلالت کرے، اور جب کہ ان دونوں حدیثوں کے درمیان جمع وتطبیق ممکن ہے تو وہی اولیٰ ہے، اور وہ یہ کہ مذکورہ صورت حدیث نہی سے مستثنیٰ اور مخصوص ہے، اس طرح دونوں حدیثوں پر عمل ہوگا کسی کا ترک

---

(٦) نیز دارقطنی ج۱ ص۴۱۴، سند میں عبد المالک بن عمر ہیں، جو مدلس ہیں اور بذریعہ ''عن'' روایت کیا ہے، اسی طرح بقیہ بھی مدلس ہیں اور انھوں نے بھی معنعناً ہی روایت کیا ہے، نیز جراح بن منہال نے ان کے خلاف عن ابراهيم بن عبد الحميد بن ذى حماية عن غيلان بن جامع عن يعلى بن عطاء عن جابر روایت کیا ہے، اس طریق میں جابر بن یزید سے روایت کرنے والے وہی یعلی بن عطاء ہیں نہ کہ عبد المالک بن عمیر،

واھمال لازم نہیں آئے گا ''الاعمال اولیٰ من الإهمال''۔

(٦) چھٹی دلیل تخصیص: نماز عصر کے بعد سنت موکدہ کی قضا کرنا:

اوقات مکروہہ میں نماز کی نہی و ممانعت کے بالکل عام نہ ہونے بلکہ بعض صلوات کے اس سے مستثنیٰ اور مخصوص ہونے کے دلائل میں سے ایک دلیل رسول اللہ ﷺ کا نماز عصر کے بعد فوت شدہ سنت راتبہ کی قضا کرنا بھی ہے، یہ ایک مشہور حدیث ہے جسے بخاری، مسلم، ابوداؤد، احمد بن حنبل، دارمی، طحاوی اور بیہقی وغیرہ نے بہ طریق **بکیر الاشج عن کریب** روایت کیا ہے،

حضرت کریب بیان کرتے ہیں کہ مجھے عبداللہ بن عباس، مسور بن مخرمہ، اور عبدالرحمٰن بن ازھر رضی اللہ عنہم نے حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس بھیجا کہ جاؤ ان سے ہمارا سلام کہنا اور نماز عصر کے بعد دو رکعت پڑھنے کے بارے میں ان سے دریافت کرنا، ہماری طرف سے ان سے کہنا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ نماز عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھتی ہیں، حالانکہ نبی ﷺ نے عصر کے بعد کوئی نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، -اور ابن عباس کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر فاروق کے ساتھ لوگوں کو عصر کے بعد نماز پڑھنے پر مارتا تھا- حضرت کریب بیان کرتے ہیں میں حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس گیا، لوگوں کا سلام و پیغام پہونچایا حضرت عائشہ نے کہا اس بارے میں ام سلمہ (ام المومنین رضی اللہ عنہا) سے دریافت کرو، حضرت کریب کہتے ہیں میں نے واپس آکر بھیجنے والوں کو حضرت عائشہ صدیقہ کے جواب سے باخبر کیا، ان لوگوں نے مجھے اسی پیغام کے ساتھ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا، تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نماز عصر کے بعد کوئی نماز پڑھنے سے منع فرماتے تھے یہ میں نے آپ سے خود سنا ہے، پھر میں نے آپ ﷺ کو عصر کے بعد دو رکعت پڑھتے دیکھا، میرے پاس اس وقت قبیلہ بنی حرام سے تعلق رکھنے والی چند انصاری خواتین موجود

تھیں، میں نے کنیز کو اس ہدایت کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے پاس بھیجا کہ جاؤ اور آنحضرت ﷺ کے قریب کھڑی ہو کر عرض کرنا کہ ام سلمہ پوچھ رہی ہیں کہ "اے اللہ کے رسول ﷺ آپ تو نماز عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرماتے ہیں اور میں دیکھ رہی ہوں کہ خود آپ پڑھ رہے ہیں" پھر دیکھنا کہ آپ ﷺ تمہیں پیچھے ہٹنے کا اشارہ کریں تو ذرا ہٹ کر آپ کے نماز سے فارغ ہونے کا انتظار کرنا، چنانچہ کنیز نے ایسا ہی کیا، آپ ﷺ نے پیچھے ہونے کا اشارہ کیا، کنیز نے پیچھے ہٹ کر انتظار کیا، آپ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: اے بنت ابی امیہ (ام سلمہ) تم نے نماز عصر کے بعد ان دو رکعتوں کے بارے میں پوچھا ہے تو سنو! واقعہ ہے کہ قبیلہ عبدالقیس کا ایک وفد میرے پاس آیا تھا، نماز ظہر کے بعد اس نے مجھے دیر تک گفتگو میں مشغول رکھا حتیٰ کہ عصر کا وقت ہو گیا میں نماز ظہر کے بعد دو رکعت سنت نہیں پڑھ سکا اب وہی سنت نماز عصر کے بعد پڑھ رہا ہوں،

طحاوی (ج ۱ ص ۲۰۸) میں بطریق ذکوان عن عائشہ عن ام سلمہ رضی اللہ عنہا مروی ہے، حضرت ام سلمہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے ان کے حجرہ میں عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھی، تو انھوں نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ کیسی دو رکعتیں ہیں، تو آپ ﷺ نے بتایا یہ نماز ظہر کے بعد والی سنت ہے، مال آ گیا تھا جسکی تقسیم نے مجھے مشغول کر لیا ظہر کے بعد والی سنت نہ پڑھ سکا یہ وہی دوگانہ سنت ہے جو میں اس وقت عصر کے بعد پڑھ رہا ہوں،

طحاوی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس قاصد بھیج کر نماز عصر کے بعد ان دو رکعتوں کے بارے میں دریافت کیا تھا، اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا تھا کہ ہاں رسول اللہ ﷺ نے میرے پاس عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھی تھیں، میں نے عرض کیا تھا کیا آپ

کو اس کا حکم دیا گیا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، یہ نماز ظہر کے بعد کی سنت ہے میں اسے بروقت نہ پڑھ سکا تھا مشغول کر لیا گیا تھا، اسی سنت ظہر کو اس وقت عصر کے بعد پڑھا ہے،

مصنف عبدالرزاق (ج ۲ ص ۴۳۱) میں ہے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز عصر کے بعد نماز پڑھتے بس ایک مرتبہ دیکھا ہے، آپ کے پاس ظہر کے بعد کچھ لوگ آئے اور آپ کو مشغول کر لیا، آپ نماز ظہر کے بعد والی سنت نہ پڑھ سکے حتی کہ عصر کی نماز کا وقت ہو گیا، نماز عصر پڑھنے کے بعد آپ میرے حجرے میں داخل ہوئے اور دو رکعت (ظہر کے بعد والی سنت) پڑھی، قریب قریب اسی کے مثل یہ روایت سنن نسائی میں بھی ہے،

مسند احمد (ج ۳ ص ۶۹۹) میں بہ طریق عبید اللہ بن عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن موہب عن عمہ عبید اللہ بن عبد اللہ بن موہب روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے ابو بکر بن خالد بن الحارث بن ہشام نے بیان کیا کہ ہم لوگ (ایک روز) مروان بن حکم (گورنر مدینہ) کے پاس گئے وہاں ایک جماعت موجود تھی جن میں عبد اللہ بن زبیر بھی تھے، وہاں لوگوں نے عبد اللہ بن زبیر کے بعد نماز عصر دو رکعت پڑھنے کا تذکرہ کیا، تو مروان نے ان سے کہا: ابن زبیر! یہ تم نے کس سے اخذ کیا ہے، عبد اللہ بن زبیر نے جواب دیا اس کے بارے میں مجھ سے ابو ہریرہ نے حضرت عائشہ سے حدیث روایت کی ہے، مروان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس قاصد بھیج کر دریافت کیا کہ یہ جو عبد اللہ بن زبیر بواسطہ ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں آپ نے ان سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز عصر کے بعد دو رکعت پڑھتے تھے، تو یہ کیا ہے؟ حضرت عائشہ نے مروان کو بتایا کہ ان دو رکعتوں کے بارے میں مجھے ام سلمہ نے خبر دی ہے، تو حضرت مروان نے ام سلمہ کے پاس قاصد بھیج کر پوچھا کہ یہ

ان دو رکعتوں کا کیا قصہ ہے جس کے بارے میں حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ آپ نے ان سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز عصر کے بعد دو رکعت پڑھتے تھے، تو حضرت ام سلمہ نے کہا اللہ عائشہ کو معاف فرمائے، انھوں نے میرے بیان کو میرے مقصود کے علاوہ محمل پر محمول کر دیا، قصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بہت سا مال آ گیا، نماز ظہر کے بعد آپ اسے لوگوں میں تقسیم کرنے میں لگ گئے، تقسیم کرتے رہے، کرتے رہے حتیٰ کہ عصر کا وقت ہو گیا موذن آپ کے پاس نماز عصر کے لئے آیا ، آپ نے نماز عصر پڑھائی اس کے بعد میرے حجرے میں آئے ، میرے یہاں آپ کی باری چل رہی تھی، آپ نے دو رکعت ہلکی نماز پڑھی، میں نے عرض کیا یہ کیسی دو رکعتیں ہیں یا رسول اللہ !؟ کیا آپ کو اس کا حکم دیا گیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں ، بلکہ یہ نماز ظہر کے بعد کی دو رکعتیں ہیں، مال کی تقسیم نے مجھ کو ایسا مشغول کر لیا کہ میں اسے بروقت نہ پڑھ سکا، حتیٰ کہ عصر کا وقت ہو گیا، موذن نماز عصر کے لئے میرے پاس آیا، نماز عصر پڑھنے کے بعد میں نے وہی سنت ظہر دو رکعت پڑھی ہے، مجھے گوارا نہیں ہوا کہ میں اسے چھوڑ دوں،۔

اس تفصیل کو سننے کے بعد عبد اللہ بن زبیر نے کہا: اللہ اکبر ایک بار ہی سہی آپ ﷺ نے نماز عصر کے بعد دو رکعت پڑھا تو ہے، واللہ میں اسے کبھی نہیں چھوڑوں گا، ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا میں نے آپ ﷺ کو اس ایک بار سے پہلے یا بعد میں نماز عصر کے بعد دو رکعت پڑھتے نہیں دیکھا ہے۔

مگر مسند احمد کی اس تفصیلی روایت کی سند ضعیف ہے، اس میں عبید اللہ بن عبد الرحمن بن عبد اللہ بن موہب التیمی قوی نہیں ہیں، ابو معین اور یعقوب بن شیبہ نے انھیں ضعیف کہا ہے،

مسند احمد (ج ٦ ص ٣٠٣، ٣١١) میں بطریق یزید بن ابی زیاد عن عبد اللہ بن

الحارث روایت ہے، یزید بن ابی زیاد کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن الحارث سے نماز عصر کے بعد دو رکعتوں کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے بیان کیا کہ ایک روز میں اور ابن عباس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عباس سے استفسار کیا کہ تم نماز عصر کے بعد دو رکعت پڑھنے کا ذکر کرتے ہو، اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ کچھ لوگ ایسا کرتے ہیں، حالانکہ ہم نے تو نہیں دیکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھتے رہے ہوں نہ آپ نے اس کا حکم دیا ہے، تو ابن عباس نے جواب دیا کہ عبداللہ بن زبیر اس کا فتویٰ دیتے ہیں، عبداللہ بن الحارث بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر بلوائے گئے تو ان سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے استفسار کیا کہ یہ کیسی دو رکعتیں عصر کے بعد پڑھنے کا آپ لوگوں کو فتویٰ دیتے ہیں؟ عبداللہ بن زبیر نے جواب دیا کہ اس کے بارے میں حضرت عائشہ نے مجھ سے رسول اللہ ﷺ کی نسبت بیان کیا ہے تو حضرت معاویہ نے حضرت عائشہ کے پاس دو آدمیوں کو بھیجا کہ جاؤ ان سے کہنا کہ امیر المؤمنین آپ کو سلام عرض کرتے ہیں اور یہ جاننا چاہتے ہیں کہ یہ عصر کے بعد دو رکعتیں کیسی ہیں؟ جن کے بارے میں ابن زبیر کہتے ہیں کہ آپ نے انھیں اس کا حکم دیا ہے، حضرت عائشہ صدیقہ نے جواب دیا کہ اسے مجھ سے ام سلمہ نے بیان کیا ہے، عبداللہ بن الحارث کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور انھیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بیان کے بارے میں خبر دی تو وہ کہنے لگیں اللہ عائشہ پر رحم فرمائے، کیا میں نے ان سے یہ نہیں بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے (یعنی نماز عصر کے بعد نماز پڑھنے سے) منع فرمایا ہے۔-- ایک دوسری روایت میں یہ اضافہ ہے کہ عبد اللہ بن الحارث کہتے ہیں کہ میں نے واپس آکر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت ام سلمہ نے جو کچھ کہا اس سے باخبر کیا، تو حضرت عبداللہ بن زبیر نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ

نے نماز عصر کے بعد دو رکعت پڑھا ہے نا؟ میں بھی برابر پڑھتا رہوں گا، تو حضرت معاویہ نے کہا آپ تو مخالفت کرنے والے ہیں اور اسی کو پسند کرتے ہیں،

مسند احمد کی مذکورہ دونوں روایتیں بہ طریق یزید بن ابی زیاد مروی ہیں اور وہ صدوق تو ہے لیکن ردیٔ الحفظ ہیں، اکابر شیعہ میں سے ہے، ابن معین نے کہا ضعیف الحدیث ہے، اس کی روایت حجت کے قابل نہیں، امام ابوداؤد نے کہا میں نہیں جانتا کہ کسی نے اس کی حدیث ترک کی ہو لیکن اس کے علاوہ راوی مجھے اس سے زیادہ پسند ہے،

طحاوی (ج ا ص ۲۰۷، ۲۰۸) میں بہ طریق **ابو سلمه بن عبد الرحمن وعبد الرحمن بن ابی سفیان** مروی ہے، دونوں کی روایت کا مجموعی خلاصہ یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کثیر بن الصّلت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا کہ ان سے نبی کریم ﷺ کے نماز عصر کے بعد دو رکعت پڑھنے کے بارے میں دریافت کرو، ابوسلمہ کہتے ہیں کہ میں بھی کثیر بن الصلت کے ساتھ ہو گیا، اور عبد اللہ بن عباس نے عبداللہ بن الحارث سے کہا تم بھی ساتھ چلے جاؤ، چنانچہ ہم گئے اور ہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا، انھوں نے کہا میں نہیں جانتی اس کو ام سلمہ سے پوچھو، ہم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے ان سے دریافت کیا، انھوں نے بیان کیا کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نماز عصر کے بعد میرے حجرے میں آئے اور دو رکعت نماز پڑھی، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ عصر کے بعد تو نماز نہیں پڑھتے تھے، یہ دو رکعتیں کیسی ہیں؟ تو آپ نے بتایا کہ میرے پاس بنو تمیم کا وفد آ گیا تھا، یا فرمایا کہ صدقہ کی اونٹنیاں آ گئی تھیں (وفد کے ساتھ گفتگو، یا مال صدقہ کی تقسیم، یا دونوں ہی امر پیش آ گئے) اور اس نے مجھے مشغول کر لیا میں نماز ظہر کے بعد والی سنت دو رکعت بر وقت نہ پڑھ سکا بھول گیا حتی کہ نمازِ عصر کا وقت ہو گیا، تو نماز عصر

کے بعد یہ دو رکعتیں جو میں نے پڑھی ہیں یہ وہی فوت شدہ سنت ظہر ہے، میں نے اسے لوگوں کے سامنے مسجد میں پڑھنا پسند نہیں کیا، اسی کو یہاں حجرہ میں پڑھا ہے، حضرت ام سلمہ یہ بھی کہتی ہیں کہ میں نے اس ایک روز کے علاوہ اس سے پہلے یا اس کے بعد نماز عصر کے بعد نماز پڑھتے آپ ﷺ کو نہیں دیکھا ہے،

نسائی اور ترمذی میں یہ قصہ مختصراً مروی ہے، لیکن حضرت ام سلمہ کا آخر الذکر بیان ان دونوں میں بھی ہے کہ میں نے اس ایک دن کے علاوہ کبھی آپ کو نماز عصر کے بعد نماز پڑھتے نہیں دیکھا،

بہر حال ان تمام روایات سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ نماز عصر کے بعد سنت راتبہ وسنت مؤکدہ کی قضا پڑھنی جائز ہے، اور یہ نماز عصر کے بعد نماز کی نہی وممانعت سے مستثنیٰ اور مخصوص ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے نماز عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمانے کے باوجود نماز ظہر کی فوت شدہ سنت عصر کے بعد قضا کی، معلوم ہوا کہ فرض نمازیں اور سنن ورواتب نماز عصر کے بعد پڑھی جا سکتی ہے، قضا کی جا سکتی ہے،

کیا فوت شدہ سنت کی قضا اور اسے نماز عصر و فجر کے بعد پڑھنا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہے

اگر کوئی کہے کہ بیشک ان روایات سے یہ ثابت ہوا کہ نبی ﷺ نے نماز عصر کے بعد فوت شدہ سنت ظہر کی قضا ایک بار پڑھی ہے، دوبارہ نہیں پڑھی ہے نہ اس سے پہلے نہ اس کے بعد، لیکن یہ نبی ﷺ کے لئے خاص ہے، آپ ﷺ کے علاوہ کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ نماز عصر کے بعد سنت کی قضا کرے، کیونکہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جو اس حدیث کی راوی ہیں نبی ﷺ سے پوچھا کہ کیا ہم بھی فوت شدہ سنت کی قضا کر سکتی ہیں تو آپ ﷺ نے انھیں اس کی اجازت نہیں دی، چنانچہ مسند احمد (ج ۶ ص ۳۱۵) اور طحاوی (ج ۱ ص ۲۱۰) میں بطریق حماد بن سلمہ

عن الازرق بن قیس عن ذکوان عن ام سلمه روایت ہے، حضرت ام سلمہ (ام المؤمنین رضی اللہ عنہا) بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز عصر کے بعد میرے حجرے میں داخل ہوئے اور دو رکعت نماز پڑھی، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے یہ نماز جو اس وقت پڑھی ہے پہلے تو نہیں پڑھتے تھے، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا میرے پاس کچھ مال آگیا تھا اس کی تقسیم نے مجھے ظہر کے بعد والی سنت سے مشغول کرلیا، اسی سنت کو میں نے اس وقت پڑھا ہے، حضرت ام سلمہ کہتی ہیں میں نے عرض کیا کیا ہم بھی یہ فوت ہو جائے تو اس کی قضا کریں، تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں،

امام طحاوی فرماتے ہیں دیکھئے رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمادیا کہ کوئی نماز عصر کے بعد سنت ظہر کی قضا کرے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کا اسے قضا کرنا اور نماز عصر کے بعد اسے پڑھنا آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہے، دوسرے کے لئے اس کی اجازت نہیں ہے،

حافظ ہیثمی ''مجمع الزوائد'' میں فرماتے ہیں ''اس حدیث کو ابن حبان اور احمد نے روایت کیا ہے، مسند احمد میں اس حدیث کے رواۃ صحیح کے رواۃ ہیں، یہ حدیث صحیح بخاری (وغیرہ) میں بھی ہے، لیکن اس میں (یہ آخری سوال وجواب) ''**افنقضیهما اذا فاتتنا؟ قال لا**'' نہیں ہے''، بہر حال جب یہ صحیح سند سے وارد ہے، تو پھر مذکورہ بالا روایات سے اس امر پر استدلال کہ قضا آنحضرت ﷺ کے علاوہ ہر ایک کے لئے ہے، کیسے درست ہوسکتا ہے،۔۔

اس اشکال کا تین طرح سے جواب ہے:

پہلا جواب:

پہلا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں اس حدیث کی سند میں سب رجال

صحیح کے رجال ہیں جیسا کہ ہیثمی نے فرمایا ہے، لیکن حماد بن سلمہ گو کہ صدوق وثقہ ہیں لیکن آخر عمر میں ان کا حافظہ متغیر ہوگیا تھا، چنانچہ حافظ ابن حجر ”مقدمہ فتح الباری“ میں تحریر فرماتے ہیں:

> ”حماد بن سلمہ بن دینار بصری یکے از ائمہ اثبات ہیں مگر آخر عمر میں ان کا حافظہ خراب ہوگیا تھا، امام بخاری نے ان سے بطور استشہاد تعلیقاً روایت لی ہے، لیکن احتجاجاً یا مقروناً یا متابعۃً ان سے کسی حدیث کی تخریج نہیں کی ہے، سوائے ایک مقام کے چنانچہ کتاب الرقاق میں ہے ”**قال لنا ابوالید ثنا حماد بن سلمه مذاكرةً**“، امام بخاری یہ صیغہ احادیث موقوفہ کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں جبکہ اس کی سند میں کوئی ایسا راوی وارد ہوتا ہے جو حجت نہ ہو،-- حماد بن سلمہ سے امام مسلم اور اصحاب سنن اربعہ نے بطور حجت حدیث روایت کی ہے، لیکن امام حاکم فرماتے ہیں کہ امام مسلم نے حماد بن سلمہ سے ان کی ثابت بنانی سے سے روایت کردہ حدیث کو بطور حجت قبول کیا ہے، دیگر شیوخ سے ان کی روایت متابعۃً قبول کی ہے، امام بیہقی فرماتے ہیں صحیح مسلم میں حماد بن سلمہ کی ثابت بنانی کے علاوہ شیوخ سے روایت کردہ حدیث کی تعداد بھی بارہ سے کم ہی ہے،

حافظ ابن حجر ”تقریب“ میں لکھتے ہیں:

> ”حماد بن سلمہ بن دینار بصری ابوسلمہ ثقہ اور عابد ہیں، ثابت بنانی سے روایت کرنے میں اثبت الناس (سب سے زیادہ قوی) ہیں، لیکن آخر میں ان کا حافظہ متغیر ہوگیا تھا،

امام ذہبی ”میزان الاعتدال“ میں تحریر فرماتے ہیں:

> ”حماد بن سلمہ امام ہیں، عالم ہیں، وہ ثقہ تھے، لیکن ان سے اوہام ہوئے ہیں، امام ابن معین نے فرمایا: وہ ثابت سے روایت کرنے میں اثبت الناس ہیں، امام حاکم نے ”المدخل“ میں فرمایا: امام مسلم نے حماد بن سلمہ سے ان کی ثابت

> سے روایت کردہ حدیث کے علاوہ کوئی حدیث اصول میں روایت نہیں کی ہے، بلکہ ان کی دیگر شیوخ سے روایت کردہ حدیث کو شواہد میں روایت کیا ہے، میں (ذہبی) کہتا ہوں کہ امام مسلم نے حماد بن سلمہ سے اصول میں متعدد حدیثیں لی ہیں، البتہ امام بخاری نے اس سے احتراز کیا ہے"۔

ائمہ کے مجموعۂ اقوال کا حاصل یہ ہے کہ مذکورہ بالا زیر بحث حدیث میں حماد بن سلمہ کی روایت (اور اس میں "افنقضیهما اذا فاتنا؟ قال لا "کی زیادتی) وھم سے خالی نہیں ہے، کیونکہ صحاح میں مروی حدیث ام سلمہ میں یہ زیادتی نہیں ہے، اور حماد بن سلمہ کی صحیح حدیث وہ ہوتی ہے جسے وہ ثابت بنانی سے روایت کرتے ہیں نہ کہ دیگر شیوخ سے روایت کردہ حدیث، اور مذکورہ زیادتی کے ساتھ یہ حدیث حماد بن سلمہ نے ازرق بن قیس سے روایت کیا ہے، اور یہ بھی معلوم ہے کہ ان کا حافظہ آخر میں پہلے جیسا نہیں رہ گیا تھا خراب ہو گیا تھا، نیز ان سے اوہام بھی ہوئے ہیں، پس ثابت ہوا کہ اس حدیث میں بھی ان سے وہم ہوا ہے، یہی وجہ ہے کہ امام بیہقی اور حافظ ابن حجر وغیرہ نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے، ہمارے شیخ علامہ حسین بن محسن انصاری نے کہا کہ حافظ ہیثمی کا "مجمع الزوائد" میں یہ کہنا کہ روایت احمد کے رجال صحیح کے رجال ہیں محل نظر ہے، اس میں حافظ ہیثمی سے تسامح ہوا ہے، جیسا کہ تامل و تحقیق سے کام لینے والے پر مخفی نہیں۔

دوسرا جواب:

دوسرا جواب یہ ہے کہ حماد بن سلمہ، حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا میں مذکور زیادتی "افنقضیهما اذا فاتنا ؟ قال لا" کو روایت کرنے میں متفرد ہیں، ان کے طبقہ کے کسی راوی نے ان کی اس پر متابعت و موافقت نہیں کی ہے، کسی نے اس فقرہ اور اس سوال و جواب کا ذکر نہیں کیا ہے، مثال کے طور پر:

☆ عمر بن الحارث بن یعقوب از بکیر از کریب از ام سلمہ... ان کی روایت صحیحین اور

سنن ابوداود میں ہے،

☆ عبیداللہ بن موسی العبسی از طلحہ بن یحییٰ از عبیداللہ بن عبداللہ از ام سلمہ...، ان کی روایت طحاوی میں ہے،

☆ معمر بن راشد البصری از یحییٰ بن ابی کثیر از ابی سلمہ از ام سلمہ...، ان کی روایت سنن نسائی اور مصنف عبدالرزاق میں ہے،

☆ وکیع بن الجراح از طلحہ بن یحییٰ از عبیداللہ بن عبداللہ از ام سلمہ...، ان کی روایت نسائی میں ہے،

☆ محمد بن عبداللہ بن ابی احمد الزبیری از عبیداللہ بن عبداللہ از عبیداللہ بن عبید الرحمٰن از ابی بکر بن عبدالرحمٰن از ام سلمہ...، ان کی روایت مسند احمد میں ہے،

☆ عبیداللہ بن حمید بن صہیب از یزید بن ابی زیاد از عبداللہ بن الحارث از مسلمہ...، ان کی روایت مسند احمد میں ہے،

☆ شعبہ بن الحجاج از یزید بن ابی زیاد از عبداللہ بن الحارث از ام سلمہ...، ان کی روایت بھی مسند احمد میں ہے،

☆ سفیان از عبدالرحمٰن بن ابی لبید از ابی سلمہ از ام سلمہ...، ان کی روایت طحاوی میں ہے،

☆ ابواسامہ حماد بن اسامہ از ولید بن کثیر از محمد بن عمرو از عبدالرحمٰن از ام سلمہ...، ان کی روایت بھی طحاوی میں ہے،

☆ معاذ بن معاذ بن نصر البصری از عمران بن حدیر از لاحق از ام سلمہ...، ان کی روایت نسائی میں ہے،

☆ عطاء بن السائب از سعید بن جبیر از ابن عباس...، ان کی روایت جامع ترمذی میں ہے،

ان رواۃ میں سے کسی نے حدیث ام سلمہ میں مذکورہ زیادتی کا ذکر نہیں کیا ہے، بلکہ خود حماد بن سلمہ نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا ہے، جیسا کہ طحاوی میں روایت **ابو الولید عن حماد عن الازرق بن قیس عن ذکوان عن عائشه عن ام سلمه** میں ہے، حماد بن سلمہ سے یہ زیادتی صرف یزید بن ہارون نے روایت کی ہے، ان تمام رواۃ کا حدیث ام سلمہ میں زیر بحث فقرہ ''**افنقضیهما اذا فاتنا ۔ ؟ قال لا**'' کے روایت نہ کرنے پر اتفاق اس امر کی دلیل ہے کہ یہ زیادتی خطا ہے اور حماد بن سلمہ کا وہم ہے،

امام بیہقی ''کتاب المعرفۃ'' میں فرماتے ہیں:

''مذکورہ حدیث عائشہ وام سلمہ رضی اللہ عنہما اس امر کی صریح دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عصر کے بعد سنت ظہر کی قضا کرنے کا قصہ آپ ﷺ کے نماز عصر و فجر کے بعد نماز پڑھنے کی نہی وممانعت کے بعد کا ہے، حدیث قضا متاخر ہے، اس لئے اس کے حدیث نہی سے جو متقدم ہے منسوخ ہونے کا دعویٰ باطل ہے، اور حدیث "**افنقضیهما اذا فاتنا ۔ ؟ قال لا**" ضعیف ہے، (اکثر رواۃ ثقات نے اسے حدیث ام سلمہ میں ذکر نہیں کیا ہے، حماد بن سلمہ اسے روایت کرنے میں متفرد ہیں) بلکہ علمائے حدیث کو معلوم ہے کہ خود حماد بن سلمہ نے بطریق **ازرق بن قیس عن ذکوان عن عائشة عن ام سلمه** یہ حدیث اس زیادتی کے بغیر روایت کی ہے، (جس سے اس زیادتی کا وہم اور ضعیف ہونا ظاہر ہو جاتا ہے،)

حضرت عائشہ کی رویت دروایت یہ ہے کہ نبی ﷺ مذکورہ واقعہ کے بعد نماز عصر کے بعد دو رکعت برابر پڑھتے تھے، وہ کہتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے پاس عصر کے بعد یہ دو رکعت کبھی نہیں چھوڑی، ان کی روایت یہ بھی ہے کہ دیگر ازواج مطہرات کے یہاں بھی اسے پڑھتے تھے، اسے مسجد میں اس لئے

نہیں پڑھتے تھے کہ امت کے لئے یہ حرج و دقت کا باعث نہ ہو، کیونکہ آپ کی پیروی میں لوگ بھی پڑھنے کی کوشش کرتے جو ان کے لئے دقت کا باعث ہوتا، آپ امت کے لئے تخفیف و سہولت کو پسند کرتے تھے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نماز عصر کے بعد دو رکعت پڑھنے پر مداومت آپ کے ساتھ خاص ہے نہ کہ نفس قضا،

”نیز طاؤس روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے کہا کہ حضرت عمر فاروق کو وہم یعنی اشتباہ ہوگیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے آفتاب کے طلوع و غروب کے وقت نماز پڑھنے کا قصد کرنے سے منع فرمایا ہے، (حضرت عمر نے سمجھ لیا نماز عصر کے بعد غروب آفتاب سے پہلے بھی منع کیا گیا ہے اور اسی بنا پر وہ لوگوں کو نماز عصر کے بعد پڑھنے سے روکتے تھے، حالانکہ آنحضرت ﷺ کا مقصود یہ نہ تھا) چونکہ حضرت عائشہ رسول اللہ ﷺ کو برابر نماز عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھتے دیکھتی تھیں، اس لئے انھوں نے یہی سمجھا کہ مطلق نماز عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع کرنا آنحضرت ﷺ کا مقصود نہیں ہے، بلکہ طلوع و غروب آفتاب کے وقت نماز سے روکنا مقصود ہے- اگر مذکورہ قصہ میں مذکور سوال و جواب ”**افنقضیھا اذا فاتتا ؟ قال لا**“ ہوا ہوتا تو حضرت عائشہ کو بھی حضرت ام سلمہ سے یہ معلوم ہوا ہوتا تو حضرت عائشہ حضرت عمر فاروق کی طرف وہم و اشتباہ کا انتساب نہ کرتیں، پس معلوم ہوا کہ زیر بحث قصہ میں مذکورہ زیادتی ثابت نہیں ہے، خطاء و وہم ہے، اور حضرت عائشہ صدیقہ سے جو یہ حدیث مروی ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ نماز عصر کے بعد خود نماز پڑھتے تھے اور لوگوں کو اس سے منع فرماتے تھے، اور آپ ﷺ صوم وصال رکھتے تھے اور لوگوں کو اس سے منع فرماتے تھے“ تو اس میں بھی نماز عصر کے بعد نفس قضا اور نماز پڑھنے کی مطلقاً ممانعت مقصود نہیں ہے بلکہ نماز عصر کے بعد نماز پڑھنے پر مداومت کی نہی و ممانعت مقصود ہے، اس کی ایک دلیل فوت شدہ سنت فجر کو نماز فجر کے بعد قضا کرنے سے متعلق

حضرت قیس بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، اس کے متعلق تفصیلی بحث آگے آرہی ہے“۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جس حدیث کی طرف امام بیہقی نے اشارہ کیا ہے اسے امام ابوداؤد نے بہ طریق **محمد بن اسحاق عن محمد بن عمرو بن عطاء عن ذکوان مولی عائشہ عن عائشۃ** روایت کیا ہے، ”محمد بن اسحٰق“ حق یہی ہے کہ صدوق ثقہ ہیں لیکن مدلس ہیں اور مشار الیہ حدیث انھوں نے بذریعہ ”عن“ روایت کی ہے، اس لئے جب تک سماع وتحدیث کی صراحت نہ ثابت ہو اس میں تدلیس اور انقطاع کا احتمال ہے، جو موجب ضعف ہے۔— پھر یہ حدیث، حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی دوسری صحیح حدیث کے جو مسلم ونسائی کے اندر مروی ہے معارض ہے، حضرت طاؤس بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق نماز عصر کے بعد نماز پڑھنے سے لوگوں کو منع فرماتے تھے، حضرت عائشہ صدیقہ نے کہا ”عمر کو وہم ہوگیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے تو صرف آفتاب کے طلوع وغروب کے وقت نماز پڑھنے کا قصد کرنے سے منع فرمایا ہے“۔ مذکورہ حدیث ذکوان عن عائشہ کا مفاد یہ ہے کہ نبی ﷺ نے نماز عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، اور حدیث طاؤس عن عائشہ کا مفاد یہ ہے کہ نہی وممانعت کا تعلق طلوع وغروب آفتاب سے ہے نہ کہ مطلق نماز عصر وفجر کے بعد سے، چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ کے متعلق ثابت ہے کہ وہ نماز عصر کے بعد نماز پڑھتی تھیں جیسا کہ صحیحین وغیرہ میں مروی ہے، لہٰذا مذکورہ روایت ذکوان عن عائشہ کی توجیہ اور اس کا مطلب وہی ہے جو بیہقی نے ”کتاب المعرفۃ“ میں اور حافظ ابن حجر نے ”فتح الباری“ میں بیان فرمایا ہے، جیسا کہ اوپر نقل کیا گیا۔

بہر حال نماز عصر وفجر کے بعد مطلق نماز کی نہی وممانعت نہیں ہے، بلکہ اس وقت بھی سنن رواتب وغیرہ کی قضا پڑھی جاسکتی ہے، اس وقت نماز کی قضا کرنا رسول

اللہ ﷺ کے خصائص میں سے نہیں ہے، البتہ نماز عصر کے بعد نماز پر مداومت آنحضرت ﷺ کے خصائص میں سے ہے، یہ آپ کے ساتھ خاص ہے، اس کی دلیل مذکورہ روایت ذکوان عن عائشہ ”**کان النبی ﷺ یصلی بعد العصر وینھی عنھا**“ کے علاوہ روایت ابی سلمہ عن عائشہ ہے اس میں رسول اللہ ﷺ کے نماز عصر کے بعد سنت ظہر کی قضا کرنے اور پھر نماز عصر کے بعد برابر دو رکعت پڑھنے کا ذکر کرتے ہوئے حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں: ” **وکان اذا صلی صلاۃ اثبتھا**“ آپ ﷺ جب کوئی نماز پڑھتے تھے تو اس پر مداومت کرتے تھے، (صحیح مسلم) امام بیہقی فرماتے ہیں: یہ مداومت نبی کے خصائص میں سے ہے نہ کہ مطلق نماز عصر کے بعد نماز پڑھنا اور کسی سنت وغیرہ کی اس وقت قضا کرنا، اور (جیسا کہ تفصیل سے بیان کیا گیا) ام سلمہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے ذکوان کی روایت میں ”**افنقضیھما اذا فاتنا؟ قال لا**“ کی زیادتی ضعیف ہے لائق حجت نہیں ہے، اس لئے نماز عصر کے بعد مطلقاً کوئی نماز پڑھنے سنت وغیرہ کی قضا کرنے کو بھی رسول اللہ ﷺ کے خصائص میں قرار دینا جیسا کہ امام طحاوی وغیرہ نے کہا ہے، صحیح نہیں ہے،

اسی طرح اگر یہ زیادتی صحیح ہوتی تو صاحب ”سبل السلام شرح بلوغ المرام“ علامہ محمد بن اسماعیل یمانی کا یہ قول قابل قبول ہوتا کہ ”حدیث ام سلمہ (**افنقضیھما اذا فاتنا؟ قال لا**) اس مسئلہ کی دلیل ہے کہ نماز عصر کے بعد سنت وغیرہ کی قضا رسول اللہ ﷺ کے خصائص میں سے ہے، اور اس کی تائید حدیث عائشہ صدیقہ (ان النبی ﷺ کان یصلی بعد العصر وینھی عنھا) سے بھی ہوتی ہے“۔ لیکن جیسا کہ مدلل بیان کیا گیا کہ حدیث ام سلمہ میں مذکورہ زیادتی ثابت نہیں ہے اس لئے وہ دلیل و حجت نہیں بن سکتی، اور حدیث عائشہ کا معنی و مقصود جیسا کہ امام بیہقی اور حافظ ابن حجر وغیرہ نے بیان کیا ہے، یہ ہے کہ آپ ﷺ نے نماز عصر کے بعد جو سنت ظہر کی قضا کی تو پھر نماز

عصر کے بعد برابر پڑھتے رہے یہ مداومت آپ کے خصائص میں سے ہے اور اسی سے آپ دوسروں کو منع کرتے تھے، نماز عصر کے بعد نفس قضا سے منع نہیں فرماتے تھے، دفع تعارض اور تطبیق کی یہ بہت بہتر اور معقول توجیہ ہے۔

تیسرا جواب:

حماد بن سلمہ کی روایت کا تیسرا جواب یہ ہے کہ گو حماد بن سلمہ ثقہ ہیں اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے، لیکن یہ مطلق نہیں ہے بلکہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ زیادتی اوثق (زیادہ ثقہ) کی روایت کے منافی نہ ہو، چنانچہ حافظ ابن حجر ''نزہہ شرح نخبہ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''حدیث حسن وصحیح کے راوی کی زیادتی مقبول ہوتی ہے بشرطیکہ وہ اس اوثق کی روایت کے منافی نہ ہو جس نے کہ اس زیادتی کو روایت نہیں کیا ہے، کیونکہ یا تو اس زیادتی میں اور اس روایت میں جس میں یہ زیادتی نہیں ہے کوئی تنافی نہ ہوگی تو یہ مطلقاً مقبول ہے کیونکہ یہ زیادتی درحقیقت ایک مستقل حدیث کے حکم میں ہوگی، جس کے روایت کرنے میں ایک ثقہ راوی متفرد ہے دوسرے راوی نے اس کے شیخ سے اسے روایت نہیں کیا ہے، یا وہ زیادتی اس روایت کے جس میں یہ زیادتی نہیں ہے، منافی ہوگی کہ اس زیادتی کو قبول کرنے سے اس روایت کا رد کرنا لازم آئے گا، ایسی زیادتی کے بارے میں دیکھنا ہوتا ہے کہ یہ قوی تر اور راجح ہے، یا وہ روایت جس میں یہ زیادتی نہیں ہے، جو راجح ہوگی وہی مقبول ہوگی اور جو مرجوح ہوگی وہ رد ہو جائے گی، بہت سے علمائے سے جو زیادتی کو مطلقاً بغیر کسی تفصیل کے قبول کرنے کا قول مشہور ہے، سو وہ محدثین کے اصول پر درست نہیں ہے، کیونکہ محدثین کے نزدیک حدیث کے صحیح ہونے کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ شاذ نہ ہو، اور شذوذ کی تعریف ہے ''ثقہ کا اپنے سے اوثق کے

خلاف روایت کرنا'' بعض علماء حدیث کے صحیح یا حسن ہونے کے لئے انتفاء شذوذ کو شرط قرار دینا اور پھر ثقہ کی زیادتی کو مطلقاً قبول کرنا (یعنی خواہ وہ اوثق کی روایت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو) تعجب خیز ہے۔ متقدمین ائمہ حدیث امام عبد الرحمٰن بن مہدی، امام یحییٰ القطان، امام احمد بن حنبل، امام یحییٰ بن معین، امام علی بن المدینی، امام ابوزرعہ رازی، امام ابوحاتم، امام نسائی، امام دارمی، امام دارقطنی وغیرہم میں سے کسی نے ثقہ کی زیادتی کو مطلقاً مقبول قرار نہیں دیا ہے، بلکہ مذکورالصدر تفصیل کے ساتھ قبول کرتے ہیں یا رد کرتے ہیں''۔

محدثین اور اصول حدیث کے اس ضابطہ کی روشنی میں دیکھئے تو حماد بن سلمہ کی روایت کردہ حدیث ام سلمہ میں ''افنقضیهما اذا فاتنا ؟ قال لا '' کی زیادتی شاذ ہے، کیونکہ یہ روایت اوثق کی روایت کے خلاف اور اس کے منافی ہے، حماد بن سلمہ جو اس زیادتی کی روایت میں متفرد ہیں اگرچہ ثقہ ہیں لیکن عمرو بن الحارث (جن کی روایت میں یہ زیادتی نہیں ہے) حماد سے اوثق ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر ''تقریب'' کے اندر عمرو بن الحارث کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

''عمرو بن الحارث بن يعقوب الانصارى ابو ايوب ثقه حافظ فقيه من السابقه''.

اور حماد بن سلمہ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

> **''حماد بن سلمه بن دينار البصرى ثقه عابد، اثبت الناس فى ثابت، و تغير باخره من كبار الثامنه''.**

امام ذہبی ''میزان الاعتدال'' میں مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''مقبول راویان حدیث کی تعدیل وتوثیق کا اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ راوی کے بارے میں کہا گیا ہو: ثبت حجة، وثقة حافظ، وثقة متقن، ۔ اس کے بعد کا درجہ ہے کہ راوی کے متعلق کہا گیا ہو: ثقة ، (اوثبت او متقن او حجة) اس

کے بعد کا درجہ ہے کہ کہا جائے: صدوق (او مامون او لاباس به) (☆)

اس اصول کی رو سے معلوم ہوا کہ عمر بن الحارث (جن کے بارے میں ثقہ حافظ کہا گیا ہے) حماد بن سلمہ سے (جن کے بارے میں صرف ثقہ کہا گیا ہے) اوثق ہیں، نیز حماد بن سلمہ کی کسی نے متابعت نہیں کی ہے، اور عمرو بن الحارث کی بکثرت ثقات نے متابعت بھی کی ہے جیسے وکیع بن الجراح جن کے بارے میں کہا گیا ہے: ثقة حافظ عابد، اور معمر بن راشد وغیرہ جیسا کہ تفصیل گذر چکی ہے، اس تحقیق وتفصیل سے ثابت ہوا کہ عمرو بن الحارث کی روایت راجح اور قوی ہے، اور حماد بن سلمہ کی روایت مرجوح ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

تنبیہ: حضرت ام سلمہ ام المومنین اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کی روایت سے۔ جو پہلے گذر چکی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز عصر کے بعد ایک روز دو رکعت نماز پڑھی تھی، پھر دوبارہ کبھی نہیں پڑھی، لیکن حضرت عائشہ صدیقہ کی روایت جو صحیحین وغیرہ کے اندر متعدد طرق سے مروی ہے اس کے معارض ہے، ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز عصر کے بعد دو رکعت مذکورہ واقعہ کے بعد برابر پڑھتے رہے۔

چنانچہ صحیحین میں بہ طریق عبد الواحد بن ایمن مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہمارے والد نے بیان کیا کہ انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا وہ بیان

(☆) جرح وتعدیل کے متعدد مراتب ہیں کسی نے ہر ایک کے چار چار، کسی نے پانچ پانچ اور کسی نے چھ چھ مراتب بیان کئے ہیں۔ الفاظ تعدیل وتوثیق میں اول: اوثق الناس، اثبت الناس، اضبط الناس، الیه المنتهی فی التثبت وغیرہ، دوم: ثقة ثقة، ثقة حافظ، ثقة حجة، وغیرہ، سوم: ثبت، متقن، حجة وغیرہ، چہارم: صدوق، مامون، لاباس به، دغیرہ پنجم: محله الصدق، صالح الحدیث، وغیرہ، ششم: شیخ، صویلح، صدوق ان شاء الله، وغیرہ۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتح المغیث للسخاوی، تدریب الراوی للسیوطی وغیرہ۔

کرتی تھیں کہ اس ذات کی قسم جو آپ ﷺ کو لے گیا (یعنی اللہ تعالیٰ کی قسم جس نے آپ ﷺ کو وفات دی) آپ ﷺ نے نماز کے بعد دو رکعت پڑھنا کبھی نہیں چھوڑا تا آنکہ اللہ سے جا ملے، ...اور آپ ﷺ آخر میں ثقل و کمزوری کی وجہ سے اسے عموماً بیٹھ کر پڑھتے تھے، آپ ﷺ اسے مسجد میں نہیں پڑھتے تھے، اس اندیشہ سے کہ یہ امت کے لئے مشقت کا باعث ہوگی کہ میری پیروی میں وہ بھی اسے پڑھنے کی خواہش کریں گے، آپ ﷺ امت کے لئے تخفیف کو پسند کرتے تھے۔

اسی طرح صحیحین اور طحاوی (نیز مسند احمد) میں بہ طریق ہشام بن عروہ عن ابیہ مروی ہے حضرت عروہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے مجھ سے کہا: بھانجے! نبی ﷺ نے نماز عصر کے بعد میرے پاس دو رکعت پڑھنی کبھی نہیں چھوڑا،

صحیحین، طحاوی، (نیز مسند احمد) میں بطریق عبد الرحمن بن الاسود عن ابیہ مروی ہے، حضرت اسود بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے فرمایا: دو رکعتیں آپ ﷺ نے نہیں چھوڑیں نہ سراً نہ اعلانیہ، نماز صبح سے پہلے دو رکعت اور نماز عصر کے بعد دو رکعت، صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا: دو رکعتوں کو آپ نے میرے حجرہ میں پڑھنا کبھی نہیں چھوڑا۔

صحیحین، ابو داؤد، نسائی میں بہ طریق شعبہ عن ابی اسحٰق مروی ہے، ابو اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت اسود و حضرت مسروق کو دیکھا دونوں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں شہادت دی کہ انھوں نے: ایسا نہیں ہوا کہ نبی ﷺ نماز عصر کے بعد میرے حجرہ میں آئیں اور دو رکعت نماز نہ پڑھیں،

صحیح مسلم، نسائی (نیز صحیح ابن خزیمہ) میں بہ طریق ابی سلمہ بن عبد الرحمٰن مروی ہے کہ نبی ﷺ دو رکعت جو عصر سے پہلے پڑھتے تھے کسی امر میں مشغولیت یا بھول کی بنا پر بروقت نہ پڑھ سکے تو اسے نماز عصر کے بعد پڑھا، پھر اسے برابر پڑھتے

رہے، آپ جب کوئی نماز پڑھتے تو اس پر مداومت فرماتے۔ (٧)

اسی کے ہم مثل مسند احمد (ج٦ص٤٣٤) میں ایک حدیث حضرت میمونہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نماز عصر دو رکعت پڑھنے اور پھر اس پر مداومت کرنے کا ذکر ہے،

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ اور ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما کی حدیث مثبت اور ام المومنین حضرت ام سلمہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی حدیث نافی ہے، اور اصول حدیث یہ ہے کہ مثبت، نافی پر مقدم ہوتی ہے، یعنی بلفظ دیگر حضرت عائشہ و میمونہ رضی اللہ عنہما کو ایک تعامل نبوی کے بارے میں علم و اطلاع ہے، اور حضرت ام سلمہ و ابن عباس رضی اللہ عنہم کو اس کے بارے میں علم و اطلاع نہیں ہے، اور ظاہر ہے کہ علم عدم علم پر مقدم ہے، چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عصر کے بعد دو رکعت حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرہ میں پڑھتے تھے، اس لئے انھیں علم و اطلاع ہے اور اسے انھوں نے بیان کیا، حضرت ام سلمہ اور حضرت ابن عباس نے نہیں دیکھا انھیں علم و اطلاع نہیں ہوئی اس لئے انھوں نے اس کی نفی کی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے مسجد میں نہیں پڑھتے تھے اس لئے حضرت ابن عباس کو اس کا علم نہیں ہوا، اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے یہاں بھی برابر نہیں پڑھا اس لئے انھیں بھی مداومت کا علم نہیں ہوا، ان دونوں نے اپنے علم کے مطابق مداومت کی نفی کی اور کہا کہ صرف ایک بار پڑھا۔

تنبیہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز عصر کے بعد برابر دو رکعت پڑھنے کے بارے میں

---

(٧) یہ روایات صحیح بخاری باب من لم یکرہ الصلوۃ بعد العصر والفجر، صحیح مسلم ص ٢٧٧، مسند احمد ج٦ ص ٥٠، ٩٦، ١٥٩، طحاوی ج١ ص ٢٠٧، ابو داؤد ج١ ص ٢٩٤، نسائی ج١ ص ٦٧، باب الرخصۃ بعد العصر، نیز بیہقی ج٢ ص ٤٥٨ میں مروی ہیں۔

دریافت کرنے پر حضرت ابن عباس اور حضرت عبدالرحمٰن بن ازھر نے جب کریب کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا تو حضرت عائشہ صدیقہ کا کریب کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیج دینا کہ ان سے دریافت کرو، یہ کچھ اس لئے نہ تھا کہ حضرت صدیقہ کو نبی ﷺ کے نماز عصر کے بعد دو رکعت پڑھنے اور پھر اس پر استمرار و مداومت کا علم و مشاہدہ نہ تھا، یقیناً تھا، لیکن انھوں نے یہ پسند کیا کہ سائل کو پہلے حضرت ام سلمہ کے پاس بھیج دیں کہ پہلے ان سے دریافت کرے، کیونکہ انھیں اس واقعہ کی ابتداء اور پس منظر کا زیادہ علم تھا انھوں نے اس بارے میں نبی ﷺ سے براہ راست پوچھا تھا، اور انھیں کے ذریعہ حضرت عائشہ کو واقعہ و سبب واقعہ کا علم ہوا تھا، تو حضرت صدیقہ نے چاہا کہ اس بارے میں پہلے ام سلمہ سے ان کی معلومات حاصل کرلو، پھر میں آگے کے حالات کے بارے میں بتاؤں گی، اور انھوں نے یہ بیان کیا کہ اس واقعہ کے بعد نبی ﷺ نماز عصر کے بعد برابر دو رکعت پڑھتے رہے، میرے یہاں کبھی اسے چھوڑا نہیں، ہمیشہ پڑھتے رہے،

اس تفصیل سے امام طحاوی کی تاویل کا بھی رد ہوگیا، وہ کہتے ہیں کہ جب حضرت عائشہ سے ان کے اس بیان کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ ”نبی ﷺ ان کے یہاں نماز عصر کے بعد ہمیشہ دو رکعت پڑھتے تھے“ تو انھوں نے سائل کو حضرت ام سلمہ کے پاس جا کر ان سے پوچھنے کے لئے کہا، حضرت عائشہ کو خود اس کا علم ہوتا تو وہ سائل کو اس بارے میں دریافت کرنے کے لئے حضرت ام سلمہ کے پاس کیوں بھیجتیں، پس حضرت عائشہ سے مروی مذکورہ قسم کی تمام روایات منتفی ہوگئیں“۔ اس تاویل کا رد مذکورہ بالا تفصیل سے بادنی تامل ظاہر ہے،

(۷) ساتویں دلیل تخصیص: فوت شدہ سنت فجر کو فرض کے بعد فوراً پڑھنا:

دلائل تخصیص میں سے ایک دلیل حضرت قیس بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی

وہ مشہور حدیث ہے جس میں انھوں نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کو دیکھا کہ انھوں نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز فجر کے پڑھنے کے بعد دو رکعت پڑھی تو آپ ﷺ نے فرمایا نماز فجر دو ہی رکعت ہے، انھوں نے کہا میں نماز فجر سے پہلے سنت نہیں پڑھ سکا تھا اسی کو اس وقت پڑھا ہے، اس پر آپ ﷺ خاموش ہو گئے، اور بعض روایتوں میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تب کوئی مضائقہ نہیں، اس حدیث کے طرق کی تفصیل اور تحقیق مع مالہ وما علیہ آگے آرہی ہے، وباللہ التوفیق۔

فوت شدہ سنت فجر کو جماعت کے بعد فوراً پڑھنے کی دلیل

گذشتہ صفحات میں مذکورہ مخصصات یعنی دلائل تخصیص سے یہ حقیقت واضح اور محقق طور پر ثابت ہوگئی ہے کہ اوقات مکروہہ خمسہ میں نماز پڑھنے کی نہی وممانعت اگرچہ بظاہر عام ہے لیکن واقع میں وہ اپنے عموم پر باقی نہیں ہے، مخصوص ہے، (بلکہ وہ عام ارید بہ الخاص کی قسم سے ہے،) فصل ہشتم میں مسطورہ مذاہب ائمہ اور ان کے دلائل سے بھی یہی ثابت ہے کہ یہ نہی عام نہیں ہے، چنانچہ آپ نے تفصیل کے ساتھ پڑھا کہ ہر ایک نے بعض صلوات کی تخصیص کی ہے، اور اسے نہی سے مخصوص ومستثنیٰ قرار دے کر اسے فی الجملہ اوقات مکروہہ میں پڑھنے کو جائز اور صحیح قرار دیا ہے،

حقیقت یہ ہے کہ احادیث نہی اور احادیث مخصصہ میں باہم کوئی تخالف و تعارض ہی نہیں ہے، بلکہ احادیث مخصصہ کی بنا پر اوقات مکروہہ میں نماز کی نہی سے بعض صلوات کو مخصوص ومستثنیٰ ماننے کی صورت میں دونوں کی قسم کی احادیث پر عمل ہو جاتا ہے، کسی کا اہمال اور ترک لازم نہیں آتا، اور ظاہر ہے کہ یہی طریقہ معقول اور بہتر ہے کہ حتی الامکان احادیث میں جمع وتطبیق دی جائے اور سب پر عمل کیا جائے، اسی

سے علامہ عینی کے اس قول کا بطلان واضح ہے جو انھوں نے ''عمدۃ القاری'' میں حضرت قیس بن عمرو کی حدیث کے تعلق سے کہا ہے کہ جب حظر واباحت میں تعارض ہوتو قاعدہ ہے کہ حظر یعنی نہی وممانعت کو متاخر قرار دیا جائے گا (یعنی اسے ناسخ اور اباحت کو متقدم اور منسوخ مانا جائے گا،) حالانکہ جب جمع وتطبیق کی صورت موجود ہے اور دونوں پر عمل ممکن ہے تو خواہ مخواہ ان کو متعارض اور پھر ایک منسوخ ومتروک قرار دینا نامعقول اور خلاف اصول ہے، جمع وتطبیق نسخ پر مقدم اور اس سے اولیٰ ہے، نیز اس سلسلہ کی احادیث پر جس کی بھی نظر ہوگی وہ اس حقیقت سے ضرور واقف ہوگا کہ نہی کے بعد بھی اباحت ثابت ہے، زیر بحث حدیث عمرو بن قیس خود اس کی ایک مثال ہے، معلوم ہوا کہ نہی کا محمل اور ہے اباحت کا محمل اور ہے دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، نیز علامہ عینی کو اپنے پیش کردہ قاعدہ کی رو سے یہ ماننا چاہئے کہ وضوء کے بعد شرمگاہ چھونے یا اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، لیکن وہ یہاں مذکورہ قاعدہ کی رو سے احادیث نقض کو متاخر نہیں مانتے۔

حاصل کلام یہ کہ احادیث نہی کی تخصیص مختلف طریقہ سے مختلف نمازوں کے بارے میں احادیث مذکورہ سے ثابت ہے، اور ہر ایک کے نزدیک تخصیص فی الجملہ مسلم ہے، تو اسی طرح فوت شدہ سنت فجر کی نماز فجر کے بعد ادائیگی بھی اسی کے قبیل سے ہے، یعنی نماز فجر کے بعد نماز پڑھنے کی نہی وممانعت سے وہ مستثنیٰ اور مخصوص ہے اور اسے نماز فجر کے بعد معاً پڑھنا درست ہے، آفتاب کے طلوع وارتفاع کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں ہے، یہی حق ہے جس سے گریز کی کوئی گنجائش نہیں ہے،

حدیث قیس بن عمرو رضی اللہ عنہ:

اس تمہید کے بعد آئندہ صفحات میں حدیث قیس بن عمرو کی مفصل تخریج پیش

کی جاتی ہے:

مسند احمد (ج۵ص ۵۷۷) صحیح ابن خزیمہ (ج۲ص۱۶۴) صحیح ابن حبان (ج۴ص۸۲) دارقطنی (ج۱ص ۱۴۸) مستدرک حاکم (ج۱ص۲۷۴)، بیہقی (ج۲ص۴۸۳) میں بطریق ربیع بن سلیمان ثنا اسد بن موسی ثنا اللیث بن سعد ثنا یحییٰ بن سعید عن ابیہ عن جدہ قیس رضی اللہ عنہ مروی ہے، - اکثر رواۃ نے قیس بن عمرو اور بعض نے قیس بن فہد کہا ہے، یہ دو نہیں ایک ہی صحابی ہیں، - وہ بیان کرتے ہیں کہ:

> ”میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز فجر پڑھی میں سنت فجر پہلے نہیں پڑھ سکا تھا تو رسول اللہ ﷺ کے سلام پھیرنے کے بعد اٹھا سنت پڑھنے لگا، آپ ﷺ دیکھ رہے تھے اور اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی، - دارقطنی اور حاکم وغیرہ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ کیسی دو رکعتیں ہیں؟ میں نے عرض کیا سنت فجر پہلے نہ پڑھ سکا تھا اسی کو اس وقت پڑھا ہے - ترمذی میں بہ طریق محمد بن ابراہیم عن قیس بن عمرو رضی اللہ عنہ مروی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تب کوئی مضائقہ نہیں --

یہ حدیث صحیح ہے:

امام حاکم فرماتے ہیں ”حضرت قیس انصاری صحابی تک اس روایت کی اسناد صحیح ہے امام بخاری و امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے“، امام ذہبی نے بھی تصحیح حاکم کی موافقت و تائید کی ہے، سند کے تمام راوی معتبر اور ثقہ ہیں، ہر ایک مختصر ترجمہ و تعارف درج ذیل ہے:

پہلے راوی ربیع بن سلیمان بن عبد الجبار بن کامل مرادی ہیں، عبداللہ بن وہب، شعیب بن اللیث اسد بن موسیٰ وغیرہ اصحاب الحدیث سے حدیث روایت کی

ہے، اور ان سے ابوداود، نسائی، ابن ماجہ وغیرہ نے روایت کیا ہے، امام نسائی نے فرمایا: ربیع بن سلیمان لاباس بہ ہیں، امام ابویونس اور خطیب بغدادی نے کہا: وہ ثقہ تھے، ابن ابی حاتم نے کہا: وہ صدوق اور ثقہ تھے، ہمارے والد ابوحاتم رازی سے ان کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: وہ صدوق تھے، امام خلیل نے فرمایا: وہ ثقہ ہیں، متفق علیہ ہیں، (تہذیب التہذیب)

حافظ ابن حجر نے ''تقریب التہذیب'' میں فرمایا: ثقہ ہیں۔

دوسرے راوی اسد بن موسیٰ بن ابراہیم بن الولید ہیں، جو ''اسد السنہ'' سے مشہور ہیں، ابن ابی ذئب، لیث بن سعد، شعبہ وغیرہ سے حدیث روایت کیا ہے، اور ان سے احمد بن صالح مصری، ربیع بن سلیمان وغیرہ نے حدیث روایت کی ہے، امام بخاری نے فرمایا: مشہور محدث ہیں، امام نسائی نے فرمایا: ثقہ ہیں، امام ابن یونس وامام ابن قانع وامام عجلی وامام بزار نے فرمایا: وہ ثقہ ہیں، امام عجلی نے نیز فرمایا: صاحب حدیث ہیں، امام خلیلی نے فرمایا: مصری ہیں نیک ہیں، امام ذہبی فرماتے ہیں: امام بخاری نے صحیح میں ان سے استشہاداً اور امام ابوداود وامام نسائی نے احتجاجاً (بطور حجت) ان سے حدیث روایت کی ہے، مجھے ان کے اندر کسی کمزوری کا علم نہیں، امام ابن حزم نے جو انھیں کتاب الصید میں ''منکر الحدیث'' اور ''ضعیف'' کہا ہے، ان کی یہ تضعیف مردود ہے''۔ شیخ تقی الدین اپنی کتاب ''الامام'' میں فرماتے ہیں: ''اسد بن موسیٰ ثقہ ہیں، کسی کتاب الضعفاء میں ان کا ذکر نہیں ہے، امام ابن عدی نے اپنی ''کتاب الضعفاء'' میں یہ شرط رکھی ہے کہ اس میں ہر اس راوی کا ذکر کریں گے جس پر کلام کیا گیا ہو چنانچہ انھوں نے اس کتاب میں بہت سے اکابر وحفاظِ حدیث کا بھی ذکر کیا ہے جن پر کسی نے کوئی کلام کیا ہو، لیکن انھوں نے اس کتاب میں اسد بن موسیٰ کا ذکر نہیں کیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اسد بن موسیٰ ابن عدی کے نزدیک ثقہ ہیں،

ابن القطان نے امام بزار سے بھی اسد بن موسیٰ کی توثیق نقل کی ہے، اور امام ابوالحسن کوفی سے بھی ان کی توثیق منقول ہے''۔

''امام ابن حزم نے جو اسد بن موسیٰ کو ''منکر الحدیث'' اور ''ضعیف'' کہا ہے تو شاید ان کو امام ابن یونس کے اس کلام سے غلط فہمی ہوگئی ہے جو انھوں نے اپنی تاریخ میں اسد بن موسیٰ کے بارے میں کہا ہے کہ انھوں نے منکر حدیثیں روایت کی ہیں، (روی احادیث منکرۃ) حالانکہ وہ ثقہ ہیں، میرے خیال میں (ان احادیث کی نکارت ان کی جہت سے نہیں) یہ آفت دوسرے راویوں کی ہے''۔ ابن حزم نے اگر ابن یونس کے اسی کلام کی بنا پر اسد بن موسیٰ کو ''منکر الحدیث اور ''ضعیف'' کہا ہے تو یہ مناسب نہیں، کیونکہ اولاً: تو خود ابن یونس نے ہی اسی جگہ بروقت اس کی تردید بھی کی ہے، ثانیاً: کسی راوی کے بارے میں ''حدث باحادیث منکرہ'' یا ''فی احادیثه مناکیر'' یا ''روی احادیث منکرہ'' کہا گیا ہو تو اس بنا پر اسے ''منکر الحدیث'' سمجھ لینا درست نہیں ہے، دونوں میں فرق ہے، کسی راوی کا ''منکر الحدیث'' ہونا ایک ایسا وصف ہے ایک ایسی کمزوری ہے جس کی بنا پر اس کی حدیث مستحق ترک ہو جاتی ہے، اور پہلی تعبیریں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اس کی حدیث میں نکارۃ اس کا دائمی یا اکثری وصف نہیں ہے، کسی کسی روایت میں یا کبھی کسی روایت میں ایسا واقع ہو گیا ہے، ابن یونس نے اسد بن موسی کے بارے ''منکر الحدیث'' نہیں کہا ہے، ''حدث باحادیث منکرۃ'' کہا ہے، لہٰذا ابن حزم کا انھیں ''منکر الحدیث'' قرار دے کر انھیں ضعیف کہنا درست نہیں ہے، ایسے متعدد راوی ملیں گے جن کے بارے میں ''روی احادیث منکرۃ'' یا ''یروی احادیث منکرۃ'' وغیرہ کہا گیا ہے، لیکن وہ محدثین کے نزدیک منکر الحدیث اور ضعیف نہیں ہے، مثال کے طور پر محمد بن ابراہیم تیمی کے بارے میں امام احمد بن حنبل نے کہا ہے: ''یروی احادیث منکرۃ'' اس کے باوجود امام

بخاری اور امام مسلم نے صحیحین میں ان سے بطور حجت حدیث روایت کی ہے، وہی حدیث "انما الاعمال بالنیات" کے بنیادی راوی ہیں،- اسی طرح زید بن ابی انیسہ کے بارے میں امام احمد نے فرمایا: "فی بعض حدیثہ نکارۃ"، اس کے باوجود وہ صحیحین کے رجال میں سے ہیں بخاری و مسلم نے ان سے بطور حجت حدیث روایت کی ہے، --- پھر اسد بن موسی کو خود ابن یونس نے بھی ثقہ قرار دیا ہے، تو کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ ثقہ بھی ہوں اور حجت بھی نہ ہوں؟" (انتهى ما فی "الامام")۔

اس لئے حافظ عبدالحق اشبیلی نے "الاحکام الوسطی" میں ابن حزم کے تتبع میں جو اسد بن موسی کو "لا یحتج به" کہا ہے، وہ درست نہیں ہے، بلادلیل بات ہے۔--

اسناد زیر بحث کے تیسرے راوی مشہور امام لیث بن سعد مصری ہیں، حضرت نافع، ابن ابی ملیکہ، یزید بن ابی حبیب، یحییٰ بن سعید الانصاری، عبدربہ بن سعید الانصاری، ابن عجلان، زہری، عطاء بن ابی رباح وغیرہ سے حدیث روایت کی ہے، اور ان سے بکثرت اصحاب الحدیث عیسی بن حماد، ہشام بن عبدالملک نے حدیثیں روایت کی ہیں، امام ابن سعد نے فرمایا: اپنے زمانہ کے مفتی تھے، ثقہ، کثیر الحدیث اور صحیح الحدیث تھے، امام احمد بن حنبل نے فرمایا: وہ ثقہ ہیں، ابن المدینی نے کہا: وہ ثقہ ثبت ہیں، ابن خراش نے کہا: وہ صدوق صحیح الحدیث ہیں، ابوزرعہ رازی اور عمرو بن علی نے کہا: وہ صدوق ہیں، احمد بن صالح نے کہا: لیث بن سعد امام ہیں، ابن حبان نے "کتاب الثقات" میں فرمایا: وہ ثقاہت ورع اور علم و فضل میں اپنے زمانہ کے سربرآوردگان میں تھے شیخ تھے، ابن بکیر نے کہا: میں نے لیث جیسا کسی کو نہیں دیکھا، ابو یعلی خلیلی نے کہا: لیث اپنے وقت کے بلاشبہ امام تھے، (تہذیب)

چوتھے راوی یحییٰ بن سعید بن قیس بن عمرو الانصاری ہیں، انھوں نے انس

بن مالک، عبداللہ بن عامر بن ربیعہ، واقد بن عمرو بن سعد بن معاذ، سعید بن المسیب، قاسم بن محمد بن ابوبکر الصدیق، محمد بن ابراہیم التیمی وغیرہ بکثرت شیوخ سے حدیث سے روایت کی ہے، اور ان سے زہری، امام مالک، ابن اسحٰق، ابن ابی ذئب، لیث بن سعد، شعبہ، سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری وغیرہ ائمہ حدیث نے احادیث روایت کی ہے، ابن سعد نے فرمایا: یحیٰی بن سعید الانصاری ثقہ کثیر الحدیث ہیں، حجت ہیں، ایوب سختیانی نے کہا: میں نے مدینہ میں یحیٰی الانصاری سے افقہ کسی کو نہیں پایا، ابن المدینی نے فرمایا: کبار تابعین کے بعد مدینہ میں ابن شہاب زہری اور یحیٰی بن سعید الانصاری سے اعلم کوئی نہ تھا، امام احمد بن حنبل نے فرمایا: یحیٰی بن سعید اثبت الناس ہیں، عجلی نے کہا: یحیٰی بن سعید مدنی تابعی ثقہ وثبت ہیں، امام احمد، ابوزرعہ رازی، ابوحاتم رازی اور ابن معین نے کہا: یحیٰی بن سعید ثقہ ہیں، (تہذیب) حافظ نے ''تقریب'' میں سب کا خلاصہ کرتے ہوئے لکھا: یحیٰی بن سعید ثقہ ہیں،

پانچویں راوی سعید بن قیس بھی صدوق و ثقہ ہیں، ابن حبان نے ان کو ''کتاب الثقات'' میں ذکر کیا ہے، اور کہا ہے کہ ''سعید بن قیس نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور ان سے امام زہری اور ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم الانصاری نے حدیث روایت کی ہے''۔ امام حاکم اور امام ذہبی نے ان کی روایت کو جسے انھوں نے اپنے والد قیس سے روایت کیا ہے، بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے،

اور حضرت قیس بن عمرو بن سہل الانصاری، سو وہ صحابی رسول ہیں رضی اللہ عنہ، اور مشہور تابعی یحیٰی بن سعید الانصاری کے جد امجد ہیں، نبی ﷺ سے حدیث روایت کی ہے، اور ان سے ان کے صاحبزادے سعید بن قیس، نیز قیس بن ابی حازم اور محمد بن ابراہیم تیمی، عطاء بن ابی رباح نے روایت کی ہے، (**الاصابه فی تمییز الصحابه لابن حجر و اسد الغابه لابن الاثیر**)

اس تفصیل وتحقیق سے واضح اور محقق ہے کہ یہ حدیث متصل السند اور صحیح ہے، اس میں کوئی علت نہیں،

(علامہ شوکانی ''نیل الاوطار'' میں فرماتے ہیں ''اور جو نا معلوم قائل کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ ''سعید بن قیس کو اپنے والد قیس سے سماع حاصل نہیں ہے'' (جیسا کہ استیعاب وتہذیب میں ہے) سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس قول کا قائل معلوم نہیں ہے''، تو ایسے قول کا کیا اعتبار جب کہ معلوم ومعروف ائمہ جرح وتعدیل میں سے کسی نے یہ بات نہیں کہی ہے، اور ابھی اوپر گذرا کہ امام حاکم اور امام ذہبی نے سعید بن قیس کی اپنے والد قیس سے روایت کردہ حدیث کو بخاری ومسلم کی شرط کے مطابق صحیح کہا ہے، اور ظاہر ہے کہ حدیث کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ متصل السند ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سند کے ہر راوی کو مروی عنہ سے اسی طرح سعید بن قیس کو اپنے والد سے جن سے سعید نے یہ حدیث روایت کی ہے لقاء وسماع ہے،

اسی طرح شیخ یوسف بن موسی نے جو **''المعتصر من المختصر''** میں زیر بحث حدیث کے بارے یں لکھا ہے کہ ''اس جیسی احادیث سے استدلال نہیں کیا جاتا، اس کے راویوں میں جو علت ہے اسے میں نے مطول میں تفصیل سے ذکر کیا ہے''، تو اس کا جواب یہ ہے کہ صاحب **''المعتصر''** ائمہ حدیث میں سے نہیں ہیں اس لئے ان کا یہ کلام لائق اعتناء نہیں، اور راویان حدیث ہذا میں سے کسی میں کوئی ایسی علت نہیں ہے جو صحت حدیث میں قادح ہو- تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی ج ٢ ص ٣٦٢)

حافظ ابن حجر نے **''الاصابه فی تمییز الصحابه''** میں فرمایا ہے کہ اس حدیث کو امام ابن مندہ نے بہ طریق اسد بن موسی عن اللیث عن یحیٰ عن ابیہ عن

جده روایت کرنے کے بعد کہا ہے کہ اسے موصولاً روایت کرنے میں اسد بن موسی متفرد ہیں، اور غیر اسد بن موسی نے اسے عن لیث عن یحیی مرسلاً روایت کیا ہے، امام ابن منده کے کلام کا جواب یہ ہے کہ اسد بن موسی مشہور محدث اور ثقہ ہیں اس لئے موصولاً روایت کرنے میں ان کا تفرد صحت حدیث کے لئے قادح نہیں ہے، امام نووی ''مقدمہ شرح صحیح مسلم'' میں بیان فرماتے ہیں (اور ایسا ہی دیگر کتب علم الحدیث میں مرقوم ہے) کہ: کسی حدیث کو ثقہ اور ضابط راویوں میں سے بعض نے موصولاً روایت کیا ہو یا بعض نے موقوفاً روایت کیا ہو اور بعض نے مرفوعاً روایت کیا ہو یا ایک ہی ضابط اور ثقہ راوی نے حدیث کو کسی وقت موصولاً روایت کیا اور کسی وقت مرسلاً روایت کیا یا کسی وقت موقوفاً روایت کیا کبھی مرفوعاً روایت کیا، ایسی صورت میں محققین محدثین، فقہاء واصحاب اصول کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ حکم موصولاً یا مرفوعاً روایت کرنے والے کے حق میں ہوگا اور ترجیح موصول یا مرفوع روایت کو ہوگی، خواہ مخالف راوی حفظ وضبط میں اسی کے مثل ہو یا اس سے احفظ ہو یا خلاف روایت کرنے والے تعداد میں زیادہ ہوں، کیونکہ یہ وصل یا رفع ثقہ کی زیادتی ہے اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے''، امام نووی نے یہ اصول ''باب صلاۃ اللیل'' کے تحت بھی تحریر فرمایا ہے۔

متابعت وشواہد:

یہ حدیث اسد بن موسیٰ کے علاوہ طریق سے بھی مروی ہے، امام طبرانی نے ''المعجم الکبیر'' میں روایت کیا ہے حدثنا ابراہیم بن متویہ الاصبہانی حدثنا احمد بن الولید بن برد الانصاری حدثنا ایوب بن سوید عن ابن جریح عن عطاء ان قیس بن (عمرو بن) سهل حدثه ...، لیکن اس سند میں ایوب بن سوید رملی ضعیف ہیں،

امام ابن حبان نے فرمایا: وہ ردیُ الحفظ ہے، امام نسائی نے فرمایا: وہ ثقہ نہیں ہے، (خلاصہ اسماء الرجال)

☆ مذکورہ حدیث قیس بن عمرو (رضی اللہ عنہ) مسند شافعی (ج ۱ ص ۴۸۷)، مسند احمد (ج ۵ ص ۴۷۷)، ابوداؤد (ج ۱ ص ۴۸۹)، ترمذی (ج ۱ ص ۳۲۴)، ابن ماجہ (ص ۸۲)، ابن ابی شیبہ (ج ۱ ص ۲۵۴)، مصنف عبد الرزاق (ج ۲ ص ۴۴۲) ، ابن خزیمہ (ج ۲ ص ۱۶۴)، حاکم (ج ۱ ص ۲۷۵)، دار قطنی (ج ۱ ص ۳۸۴) بہ طریق سعد بن سعید حدثنی محمد بن ابراہیم التیمی عن قیس مروی ہے، حاصل مضمون وہی ہے جو مذکورہ پہلی روایت کا ہے،

ابو داؤد اور ابن ماجہ وغیرہ کی روایت میں ہے کہ جب حضرت قیس بن عمرو نے رسول اللہ ﷺ کے استفسار پر یہ کہا کہ میں سنت پہلے نہیں پڑھ سکا تھا اسی کو اس وقت پڑھا ہے، تو آنحضرت ﷺ خاموش ہو گئے، (**فسکت**)، مصنف عبد الرزاق میں ہے کہ تو رسول اللہ ﷺ چلے گئے، اور کچھ نہیں کہا (**مضی ولم یقل شیئاً**) مسند شافعی میں ہے کہ آنحضرت ﷺ خاموش ہو گئے اور نکیر نہیں فرمائی (**فسکت ولم ینکر علیه**)، ترمذی میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: **فلا اذاً** ،تب کوئی حرج نہیں ہے، یعنی اس صورت میں کہ سنت فرض سے پہلے نہ پڑھ سکتے تھے تو اس وقت فرض کے بعد پڑھنے کی اجازت ہے۔

فلا اذاً کا معنی: قول نبوی "فلا اذاً" کا معنی یہ ہے کہ "اگر ایسا ہے تو میں تم کو اس وقت سنت فجر پڑھنے سے منع نہیں کرتا"، علماء نے اس فقرہ کا ایسا ہی معنی بیان کیا ہے، چنانچہ شیخ سراج احمد سرہندی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح ترمذی (فارسی) میں اس فقرہ کا یہ ترجمہ کیا ہے:

"پس نہ ایں وقت منع میکنم ترا از گذاردن سنت

ایسا ہے تو اس وقت میں تم کو سنت پڑھنے سے منع نہیں کرتا،

شیخ ابوطیب سندھی حنفی نے شرح ترمذی میں یہ تشریح کی ہے:

"فلااذا" ای فلا باس علیک ولا شئ علیک ولا لوم علیک

یعنی تب تمہارے لئے کوئی حرج نہیں، کوئی بات نہیں، تم پر کوئی عتاب نہیں، ملامت نہیں،

"فلا اذا" کا یہی صحیح معنی ومفہوم ہے، یہ لفظ صحیح بخاری (**کتاب الأشربه باب ترخيص النبی ﷺ فی الظروف بعد النبی**) میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں بھی یہ لفظ وارد ہے اور بالاتفاق یہی معنی ہے،

عن جابر قال نهی رسول الله ﷺ عن الظروف فقالت الانصار انه لابدلنا منها قال: فلا اذاً،

جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے چند برتنوں کی (جن میں شراب بنائی جاتی تھی) ممانعت فرمادی تھی، پھر انصار نے عرض کیا کہ ہمارے لئے ان برتنوں کی سخت ضرورت ہے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ایسا ہے تو خیر اجازت ہے، کوئی حرج نہیں استعمال کر سکتے ہو۔

حافظ ابن حجر "فتح الباری" میں "فلا اذا" کی تشریح فرماتے ہیں کہ یہ جواب ہے اور شرط کی جزاء ہے، یعنی جب ایسا ہے کہ یہ ظروف تمہارے لئے ضروری ہیں تو انھیں نہ چھوڑو، استعمال کرو۔

(زیر گفتگو روایت ترمذی میں وارد لفظ "فلا اذا" کا بھی یہی مفہوم ومعنی ہے، یعنی اجازت وتشریع، نہ کہ نہی وانکار، اس کی تائید مسند شافعی، صحیح ابن خزیمہ، ابوداؤد وغیرہ میں وارد لفظ "فسکت" و"لم یقل شیئاً" و "لم ینکر علیه" سے بھی ہوتی ہے، یہ الفاظ رسول ﷺ کی "تقریر" واجازت پر دلالت کرتے ہیں جیسا کہ شیخ عبدالحق نے "اللمعات" (ج ٢ ص ٢٧٢) اور "اشعۃ اللمعات" (ج ١ ص ٤٥٦) میں اس طرف اشارہ کیا ہے، ملا علی قاری نے "مرقاۃ شرح مشکوۃ" (ج ٣ ص ٧٤) میں

ابن الملک کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ کا سکوت فرمانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ فجر کی سنت جس نے پہلے نہیں پڑھی وہ فرض کے بعد پڑھ سکتا ہے“۔ یعنی آپ ﷺ کا سکوت رضا مندی و اجازت پر دلالت کرتا ہے(۸))

---

(۸) اس تفصیل و تحقیق سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ صاحب ”العرف الشذی“ (مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ) کا ”فلا اذا“ کی یہ تشریح کرنا کہ ”اس کا معنی ہے اس عذر کے باوجود نہ پڑھو یعنی ”فلا اذا“ انکار کے لئے ہے، سو یہ باطل ہے، مولانا نے اپنے مزعومہ معنی کے اثبات کے لئے جو تطویل کلام سے کام لیا ہے وہ سب غلط فہمی پر مبنی ہے، جیسا کہ متامل صادق پر مخفی نہیں (تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۳۲۵)

اسی طرح مولانا بنوری کا ”معارف السنن“ (ج ۴ ص ۹۶) میں یہ قول بھی باطل ہے: ”کہ رسول اللہ ﷺ کا سکوت اجازت پر دلالت نہیں کرتا، اور اس کی نظیر نسائی میں مروی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث ہے جو حجۃ الوداع کے موقع کی ہے: حضرت عائشہ نے کہا یا رسول اللہ! ۔ آپ ﷺ پر میرے والدین فدا ہوں ۔ میں نے (سفر میں) قصر بھی کیا، اتمام بھی کیا، روزہ بھی رکھا، مفطر (بے روزہ) بھی رہی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: عائشہ تم نے اچھا کیا ”احسنتِ عائشة“.

ظاہر حدیث اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا اسی طرح اتمام صلوۃ بھی حسن ہے، اچھا ہے، حالانکہ نبی ﷺ اسی طرح شیخین حضرت ابوبکر و عمر کسی سے بھی سفر میں ایک بار بھی اتمام صلوۃ ثابت نہیں ہے، نبی ﷺ سفر میں ہمیشہ قصر کر کے ہی نماز پڑھتے رہے، محدثین کو بھی اس کا اعتراف ہے، حتیٰ کہ حافظ ابن تیمیہ تو سفر میں اتمام صلوۃ نماز پوری پڑھنے کو جائز ہی نہیں سمجھتے، تو جس طرح یہاں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے طرز عمل سے ان کے مسئلہ سے عدم واقفیت کی بنا پر چشم پوشی کی، صرف نظر کیا اور اس پر کوئی نکیر نہیں کی، اسی طرح قیس بن عمرو کے فریضہ فجر کے بعد معاً سنت فجر پڑھنے پر بھی آپ ﷺ نے تسامح سے کام لیا کیونکہ انھیں صحیح مسئلہ کا علم نہیں تھا، لہٰذا اگر رسول اللہ ﷺ کا ”احسنت“ کہنا بھی اس امر پر دلالت نہیں کرتا کہ سفر میں اتمام صلوۃ جائز ہے، تو اسی جیسی صورت میں آپ ﷺ کا مجرد سکوت کیونکر جواز پر دلالت کرے گا“۔

یہ مولانا بنوری کا عجیب و غریب مغالطہ ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ”احسنت“ فرمانا اس حقیقت پر دلالت کرتا ہے کہ سفر میں قصر کی رخصت ہے، اتمام و قصر سب حسن ہے، لیکن چونکہ آنحضرت ﷺ نے تمام سفروں میں ہمیشہ قصر ہی کیا ہے، اس لئے قصر اولیٰ اور افضل ہے، حافظ ابن تیمیہ وغیرہ نے جو جواز اتمام کا انکار کیا ہے تو اس بنا پر نہیں کہ لفظ ”احسنت“ رخصت و جواز پر دلالت نہیں کرتا، بلکہ ۔ جیسا کہ ”زاد المعاد“ میں ہے ۔ اس بنا پر کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب یہ حدیث ان کے نزدیک ثابت نہیں ہے، دروغ ہے، وہ کہتے ہیں حضرت عائشہ نبی ﷺ کے طریقہ کے خلاف کیوں نماز پڑھیں گی۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے امام دارقطنی نے اسے حسن اور امام بیہقی اور حافظ ابن حجر =

بہر حال اس روایت کے الفاظ بھی فوت شدہ سنت فجر کو فرض کے بعد معاً پڑھنے کے جواز پر دلالت کرتے ہیں، البتہ اس روایت کی مذکورہ اسناد ضعیف ہے لیکن اول الذکر روایت جو صحیح ابن خزیمہ، اور مستدرک حاکم وغیرہ کے حوالہ سے بیان کی گئی ہے وہ صحیح ہے اور یہ روایت اس کی تابع و موید ہے،

یہ روایت قیس بن عمرو رضی اللہ عنہ سے محمد بن ابراہیم تیمی نے روایت کیا ہے اور ان سے سعد بن سعید نے، محمد بن ابراہیم بن حارث تیمی مدنی مشہور تابعی ہیں، امام ذہبی نے ''میزان'' میں فرمایا: ''وہ ثقات تابعین میں سے ہیں، شیخین بخاری و مسلم نے ان سے بطور حجت حدیث روایت کی ہے، ابن سعد نے کہا: وہ فقیہ و محدث تھے، ابن معین، ابو حاتم، نسائی اور ابن خراش وغیرہ جمہور ائمہ نے ان کو ثقہ کہا ہے، عقیلی نے ان کو ''کتاب الضعفاء میں ذکر کیا ہے، امام احمد نے فرمایا: یروی احادیث منکرۃ، منکر حدیثیں روایت کرتے ہیں، (تہذیب، خلاصہ، میزان، مقدمہ فتح الباری)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: امام احمد بن حنبل منکر کا اطلاق حدیث فرد پر کرتے ہیں، جس میں راوی متفرد ہو جس کا کوئی دوسرا متابع نہ ہو، خواہ وہ متفرد راوی ثقہ ہی کیوں نہ ہو، (یعنی امام احمد کے کسی راوی کے بارے میں ''یروی مناکیر'' یا ''روی مناکیر'' کہنے سے اس کا منکر الحدیث اور ضعیف ہونا لازم نہیں آتا) محمد بن ابراہیم تیمی سے امام بخاری و امام مسلم وغیرہ اصحاب صحاح ستہ نے بطور حجت حدیث

= نے صحیح قرار دیا ہے، ابن حجر ہیثمی وغیرہ علمائے شافعیہ نے اس حدیث سے قصر کے عدم وجوب پر استدلال کیا ہے، اور ملا علی قاری حنفی ''مرقاۃ شرح مشکوۃ'' (ج ۳ ص ۲۲۳) میں فرماتے ہیں: قول نبوی ''احسنتِ'' کا معنی ہے ''فلعت فعلاً جائزاً'' تم نے ایک جائز کام کیا، الغرض اس سب سے ظاہر ہے کہ مولانا بنوری کا قول محض مغالطہ اور باطل ہے۔

صحیح اور اصول یہ ہے کہ اس طرح کے موقع پر رسول اللہ کا سکوت جواز پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ وہ کام جس پر آپ ﷺ نے دیکھنے کے باوجود سکوت فرمایا اگر جائز نہ ہوتا تو آپ بروقت اسے بیان کر دیتے اس وقت اس کی حاجت و ضرورت تھی بیان کا موقع تھا اور بیان وقت بیان سے موخر نہیں ہوا کرتا۔

روایت کی ہے، (مقدمہ فتح الباری)

امام عقیلی کا محمد بن ابراہیم کو "کتاب الضعفاء" میں ذکر کرنا ایک مبہم جرح ہے جو ائمہ ناقدین کی تعدیل و توثیق کے بالمقابل نا قابل اعتبار اور مردود ہے، اسی طرح علامہ عینی نے ابن حبان سے جو یہ نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: "محمد ابراہیم سے احتجاج جائز نہیں ہے" یہ بھی مبہم ہے کوئی سبب اور وجہ نہیں بیان کی گئی ہے، سو یہ بھی مردود ہے، علامہ عینی کا "شرح ہدایہ" اور "عمدۃ القاری" میں یہ وطیرہ ہے کہ کوئی حدیث جب ان کے مذہب کے مخالف ہوتی ہے تو اس کے راویوں پر جرح کو بسط و تفصیل سے بیان کرتے ہیں اور تعدیل کے ذکر سے خاموشی اختیار کرتے ہیں، لیکن جب حدیث ان کے مذہب کے موافق ہوتی ہے تو جرح کے بیان سے خاموشی برتتے ہیں، اگر چہ ضعف شدید ہی کیوں نہ ہو، یہ ان کی کتاب کے عیوب میں سے ہے،

خلاصہ یہ کہ محمد بن ابراہیم بہر حال ثقہ ہیں، لیکن ان کو قیس بن عمرو سے سماع حاصل نہیں ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں:

> "اس حدیث کی اسناد متصل نہیں ہے، محمد بن ابراہیم تیمی کو قیس بن عمرو سے سماع نہیں ہے،... یہ حدیث مرسلا روایت کی گئی ہے... بعض رواۃ نے اسے سعد بن سعید سے انھوں نے محمد بن ابراہیم سے روایت کیا ہے، محمد بن ابراہیم نے کہا "ان النبی ﷺ خرج فرأی قیسا..."،

واضح رہے کہ امام ترمذی نے جو اس حدیث کو منقطع و مرسل کہا ہے تو یہ اس مخصوص سند کی نسبت سے کہا ہے، جس سے انھوں نے یہ حدیث روایت کی ہے، ورنہ یہ حدیث صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، دار قطنی، مستدرک حاکم وغیرہ کے اندر ایک دوسری سند سے مروی ہے جو متصل اور صحیح ہے، جیسا کہ تفصیل و تحقیق گذر چکی ہے،

امام نووی "تہذیب الاسماء و اللغات" میں حضرت قیس رضی اللہ عنہ کے

تذکرہ میں فرماتے ہیں:

''قیس بن قہد - بفتح القاف وسکون الھاء - صحابی ہیں، اکثر محدثین نے ''قیس بن عمرو'' ذکر کیا ہے، ابوداؤد و دیگر اہل سنن نے صرف ''عمرو بن قیس'' اور امام ترمذی نے ''قیس بن قہد'' اور ''قیس بن عمرو'' دونوں ذکر کیا ہے، تمام حفاظ محدثین کے نزدیک ''قیس بن عمرو'' ہی صحیح ہے، وہ (مشہور تابعی) یحییٰ بن سعید الانصاری کے دادا ہیں، فریضہ فجر کے بعد سنت فجر پڑھنے کی حدیث ان سے مروی ہے، اور وہ ضعیف حدیث ہے، اس حدیث کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے، ابوداؤد، ترمذی وغیرہ نے اسے روایت کیا ہے اور اس کی تضعیف کی ہے''۔

امام نووی کے اس کلام کا تعلق بھی ابوداؤد و ترمذی وغیرہ کی اسی روایت سے ہے جو مرسل سند سے مروی ہے، پہلی حدیثِ قیس بن عمرو تو امام نووی کا کلام اس سے متعلق نہیں ہے، کیونکہ وہ متصل السند اور صحیح ہے، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی ''صحیح'' میں روایت کیا ہے، امام حاکم نے مستدرک میں اسے روایت کرنے کے بعد کہا ہے: الطریق الیہ صحیح علی شرطھما، قیس بن عمرو تک سند صحیح ہے، بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق ہے، امام ذہبی نے بھی حاکم کی موافقت و تائید فرمائی ہے،

اس حدیث محمد بن ابراہیم تیمی کے متعلق امام ترمذی نے یہ بھی فرمایا ہے کہ: ''ہم اسے مثل حدیث ہذا نہیں پہچانتے مگر سعد بن سعید (بن قیس) کی حدیث سے، اور سفیان بن عیینہ نے کہا عطاء بن رباح نے اس حدیث کو سعد بن سعید سے بطریق سماع مرسلا روایت کیا ہے''۔

عطاء بن رباح کے تعلق سے امام ابوداؤد نے بھی یہی لکھا ہے، انھوں نے فرمایا ہے: ''سعید (بن قیس) کے صاحبزادگان عبد ربہ اور یحییٰ (الانصاری) نے اس حدیث کو مرسلا روایت کیا ہے'' (یعنی نہ محمد بن ابراہیم تیمی کا ذکر کیا ہے نہ قیس

بن عمرو کا،)

اسی طرح حدیث محمد بن ابراہیم تیمی کے مثل مسند احمد میں بہ طریق ابن جریج **قال سمعت عبد الله بن سعید یحدث عن جده** مروی ہے، یہ بھی مرسل ہے کیونکہ عبداللہ بن سعید بن قیس بن عمرو نے اپنے دادا قیس کو پایا نہیں ہے،

غرض زیر بحث سند مرسل و منقطع ہے اور اسی بنا پر اسے ضعیف کہا گیا ہے، لیکن اس حدیث کی دوسری سند متصل ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں، اس لئے اس سند سے یہ حدیث صحیح ہے، اور یہ زیر بحث حدیث اس کی متابع ہے، اس حدیث صحیح کے لئے متعدد شواہد بھی ہیں جو دوسرے صحابہ سے مروی ہیں:

☆ چنانچہ علامہ ابن عبدالبر نے ''التمہید'' میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں میں مسجد میں داخل ہوا، رسول اللہ ﷺ نماز (فجر) شروع کر چکے تھے، میں نے سنت فجر نہیں پڑھی تھی، میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز میں شریک ہو گیا اور آپ کے ساتھ نماز پڑھنے کے بعد سنت فجر پڑھی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کیا تم نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی ہے؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں، (یعنی پڑھی ہے) لیکن میں سنت نہیں پڑھ سکا تھا اسی کو اس وقت پڑھا ہے، تو آپ ﷺ خاموش ہو گئے، اور آپ ﷺ جب کسی چیز پر راضی ہوتے تو دیکھ کر چپ رہ جاتے،

علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں اس کی سند میں ایک راوی عمر بن قیس معروف بہ سندل ہے، جو حمید بن قیس کا بھائی ہے، وہ ضعیف ہے، اس جیسے راوی سے احتجاج نہیں کیا جاتا۔

☆ امام ابن حزم نے ''محلی'' میں بہ طریق **حسن بن ذکوان عن عطاء بن ابی رباح عن رجل من الانصار** روایت کیا ہے، ان انصاری نے بیان کیا ہے کہ رسول

اللہ ﷺ نے ایک صحابی کو دیکھا کہ وہ فجر کی جماعت کے بعد نماز پڑھ رہے ہیں، پڑھنے کے بعد انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ، میں سنت فجر نہیں پڑھ سکا تھا، اسی کو اس وقت بعد جماعت پڑھا ہے، یہ جاننے کے بعد آپ ﷺ نے کچھ نہیں کہا،

حافظ عراقی نے فرمایا اس حدیث کی اسناد حسن ہے، (٩)

---

(٩) مولانا شوق نیموی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عراقی کا قول محل نظر ہے، حسن بن ذکوان ابو سلمہ بصری (مختلف فیہ ہے، خلاصہ یہ ہے کہ) "هو صدوق يخطئ رمي بالقدر و كان يدلس من السادسة" نیز عطاء بن ابی رباح نے انصاری صحابی کا نام نہیں لیا ہے، معلوم نہیں ان سے عطاء کو سماع ہے یا نہیں، اور وہ کثیر الارسال ہیں، نیز صیرفی نے بیان کیا ہے کہ تابعی کے صحابی سے بطریق "عن" روایت کرنے اور بتصریح سماع روایت کرنے میں فرق ہے، عراقی نے صیرفی کے اس قول کو حسن اور متجہ قرار دیا ہے، (التعلیق الحسن بالاختصار) عرض ہے کہ حسن بن ذکوان، جیسا کہ امام ذہبی نے فرمایا: "صالح الحدیث ہیں" صحیح بخاری کے رجال میں سے ہیں، امام بخاری نے صحیح میں ان سے حدیث کی تخریج فرمائی ہے، ہاں وہ تدلیس کرتے تھے، اور یہ حدیث انھوں نے عطاء سے بلفظ "عن" روایت کی ہے، اس لئے یہ علت تدلیس سے خالی نہیں ہے، لیکن اس حدیث کے لئے متعدد شواہد ہیں جن سے اس کی تائید ہوتی ہے اور مظنۂ تدلیس مرتفع ہو جاتا ہے،-

حافظ ابن حجر نے سلمہ بن ذکوان کے متعلق جو "صدوق يخطئ" کہا ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی حدیث درجۂ حسن سے ساقط نہیں ہوتی، جیسا کہ خود مولانا نیموی کے صنیع سے ثابت ہوتا ہے، چنانچہ انھوں بہ سلسلہ حدیث عائشہ "باب ماجاء في البول قائما" شریک قاضی کی روایت کو حسن قرار دیا ہے حالانکہ ان کے متعلق حافظ ابن حجر نے لکھا ہے: صدوق يخطئ كثيرا تغير حفظه منذولي القضاء بالكوفة، اسی طرح "باب القراء ة خلف الامام" میں جعفر بن میمون کی حدیث کو حسن کہا ہے حالانکہ ان کے متعلق بھی حافظ نے کہا ہے: صدوق يخطئ،

اسی طرح مولانا نیموی نے صحابی کے مبہم یعنی نامزد نہ ہونے کی بنا پر جو کلام کیا ہے وہ بھی خود ان ہی کے صنیع سے رد ہو جاتا ہے، چنانچہ انھوں نے حدیث عروہ عن "امرأة من بني النجار" قلت كانت بيتي من اطول البيت حول المسجد... الحديث، سے استدلال کیا ہے اور اس کے متعلق حافظ ابن حجر کے قول: اسناد صحيح" کو تسلیم کیا ہوا ہے، حالانکہ یہاں بھی صحابیہ مبہم ہیں نامزد نہیں ہیں اس لئے بقول مولانا نیموی معلوم نہیں عروہ کو ان سے سماع ہے یا نہیں، حاصل یہ کہ یہ کلام نامعقول ہے،

رہا حافظ ابو بکر صیرفی کا مذکورہ کلام تو حافظ ابن حجر نے "النکت" میں اس کی تردید کی ہے اور بیان کیا ہے کہ اصل یہ ہے کہ تابعی اگر تدلیس سے سالم ہو تو اس کا عنعنہ سماع پر محمول ہے، خواہ تابعی کبار تابعین سے ہو یا صغار تابعین سے، اس کا تدلیس سے سالم ہونا سماع واتصال پر محمول کرنے کے لئے کافی ہے، کیونکہ اس کا مدار غلبہ ظن پر ہے جو یہاں حاصل ہے،

☆ امام طبرانی نے ''معجم کبیر'' میں حضرت ثابت بن قیس بن شماس سے روایت کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں آیا، نبی ﷺ نماز (فجر) میں تھے، (میں بھی نماز میں داخل ہوگیا) سلام کے بعد میں نماز پڑھنے لگا، آپ مجھے دیکھتے رہے، میں جب نماز سے فارغ ہوا تو آپ ﷺ نے کہا: تم نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں! پڑھی ہے، آپ ﷺ نے پوچھا تو یہ کون سی نماز ہے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! سنت فجر ہے، میں اپنے گھر سے نکلا، سنت فجر نہیں پڑھی تھی، (یعنی وہی سنت فجر فرض کے بعد پڑھا ہے،) تو نبی ﷺ نے مجھ پر نکیر نہیں کی،

امام ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' میں اس حدیث کی تخریج کے بعد فرمایا اس کی سند میں دو راوی مبہم ہیں ان کا نام مذکور نہیں ہے، اور بقیہ نے (جو مدلس ہیں) جراح بن منہال سے معنعن روایت کیا ہے اور جراح بن منہال کو امام بخاری نے ''منکر الحدیث'' کہا ہے، (مجمع الزوائد ص)

☆ ''مصنف ابن ابی شیبہ) میں بطریق ہشیم عن عبدالملک حضرت عطاء (تابعی) سے روایت ہے انھوں نے بیان کیا ہے کہ ایک صحابی نے فجر کی نماز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھی، آپ کے نماز سے فارغ ہونے کے بعد وہ صحابی اٹھے اور دو رکعت نماز پڑھی، آپ ﷺ نے پوچھا یہ کیسی دو رکعتیں ہیں؟ ان صحابی نے جواب دیا میں آیا تو آپ ﷺ نماز میں تھے، اور میں پہلے سنت فجر نہ پڑھ سکا تھا، مجھے گوارا نہیں ہوا کہ سنت فجر پڑھوں درآں حالیکہ آپ نماز پڑھا رہے ہیں (اس لئے میں شریک جماعت ہوگیا) اور جب آپ نماز پڑھ چکے تو میں نے اسی سنت کو اس وقت بعد میں پڑھا ہے، یہ جواب سننے کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان صحابی کو اس کا نہ حکم دیا نہ اس سے منع فرمایا،

(یہ حدیث مرسل قوی ہے، اس حدیث میں جس صحابی کا قصہ مذکور ہے، اور ''محلی ابن حزم'' میں جس صحابی کا قصہ مذکور ہے، ہوسکتا ہے دونوں دو صحابی ہوں، اور

یہ اس کے لئے شاہد ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ ایک ہی ہوں تو یہ اس کے لئے متابع ہوگی، یہ بھی احتمال ہے کہ حدیث محلی میں عطاء نے جس انصاری صحابی سے روایت کیا ہے وہ قیس بن عمرو انصاری ہی ہوں اور جس انصاری کا قصہ بیان ہوا ہے وہ یہی قیس بن عمرو ہوں انھوں نے اپنا واقعہ باسلوب غائب بیان کیا ہے، جیسا کہ مسند احمد اور دار قطنی کی روایت میں بھی ہے، اس صورت میں عطاء قیس سے روایت کرنے میں سعید بن قیس کے متابع ہوں گے۔ ـ مترجم)

☆ حضرت ابن عمر سے یہ روایت گذر چکی ہے کہ وہ سنت فجر پہلے نہ پڑھ سکے تو جماعت کے معا بعد پڑھا۔

☆ ابن ابی شیبہ نے بطریق مسلم قال اخبرنا مسع بن ثابت روایت کیا ہے انھوں نے حضرت عطاء کو دیکھا کہ سنت فجر پہلے فوت ہوگئی تو جماعت کے بعد اسی وقت پڑھ لیا،

☆ اسی طرح بطریق ابن علیه عن لیث عن الشعبی روایت کیا ہے، حضرت شعبی نے فرمایا: جب سنت فجر فوت ہو جائے بروقت نہ پڑھ سکے تو نماز فجر کے بعد اسی وقت پڑھ لے،

☆ تفصیلات وتحقیقات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ حدیث قیس بن عمرو متصل السند، ثابت اور صحیح ہے، اور اس کے لئے متعدد متابعات وشواہد ہیں، اس کا کسی خاص سند سے غیر متصل ہونا اصل حدیث کی صحت میں قادح نہیں ہے، اس لئے یہ حدیث اس مسئلہ کی واضح دلیل ہے کہ جو سنت فجر بروقت نہ پڑھ سکا وہ نماز فجر کے بعد معاً طلوع آفتاب سے پہلے پڑھ لے، اس کی یہ نماز صحیح اور کامل ہوگی،

اس مسئلہ میں اہل علم کے اقوال و مذاہب:

حضرت عطاء بن ابی رباح، حضرت طاؤس، حضرت عامر شعبی، حضرت ابن

جریج، حضرت عمرو بن دینار اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے،

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے فوت شدہ سنت فجر کو جماعت کے بعد فوراً پڑھنا، اور طلوع آفتاب کے بعد پڑھنا دونوں مروی ہے،

حافظ عراقی نے بیان کیا ہے کہ ''امام شافعی کے مذہب کے بارے میں صحیح یہی ہے کہ فوت شدہ سنتِ فجر کو فرض کے بعد اسی وقت پڑھ لے''۔ مزنی نے امام شافعی سے یہی قول نقل کیا ہے، امام شافعی کا دوسرا قول طلوع آفتاب کے بعد پڑھنے کا ہے، امام صاحب سے بویطی نے یہ نقل کیا ہے، (نیل الاوطار و تمہید)

امام ترمذی فرماتے ہیں اہل مکہ کی ایک جماعت کا قول یہی ہے کہ فوت شدہ سنت فجر کو فرض کے بعد اسی وقت طلوع آفتاب سے پہلے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام خطابی ''معالم السنن'' میں فرماتے ہیں سنت فجر کی قضاء کے وقت کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ فرض کے بعد اسی وقت قضا کر لے، یہی امام عطاء، امام طاؤس اور ابن جریج کا بھی قول ہے، اور ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ طلوع آفتاب کے بعد قضا کرے، حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق، امام اوزاعی، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحٰق بن راہویہ اس کے قائل ہیں''،

''امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ اگر فوت شدہ سنت فجر کو قضا کرنا چاہے تو آفتاب کے طلوع و ارتفاع کے بعد قضا کرے، اور اگر قضا نہ کرے تو بھی کوئی بات نہیں ہے، کیونکہ وہ ایک نفل نماز ہے''،

''اور امام مالک کا مذہب بھی یہی ہے کہ طلوع آفتاب کے بعد چاشت کے وقت سے لے کر زوال آفتاب تک سے پہلے تک قضا کر لے، زوال آفتاب کے بعد قضا نہ کرے''۔

شیخ حسین بن محمود زیدانی ''المفاتیح حاشیہ المصابیح'' میں فرماتے ہیں: فوت

شدہ سنت فجر کو صحابی کے جماعت کے بعد اس وقت پڑھنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سکوت اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جو شخص فجر کی سنت فرض سے پہلے نہ پڑھ سکے اس کے لئے جائز ہے کہ وہ فرض کے بعد اسی وقت پڑھ لے، امام شافعی اسی کے قائل ہیں۔

یہی بات شیخ علی بن صلاح الدین نے ''منھل الینابیع شرح المصابیح'' میں، اور شیخ زینی نے ''شرح المصابیح'' میں بیان فرمائی ہے،

امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ ہر وہ سنت جس کا وقت معلوم ومقرر ہے اگر وہ فوت ہوگئی، وقت مقررہ میں نہ پڑھی جاسکی تو پھر اس کی قضا نہیں ہے، (بدائع وغیرہ میں ہے کہ فجر کی سنت وفرض دونوں فوت ہو جائے، وقت مقررہ میں نہ ادا کی جاسکے تو فرض کے ساتھ سنت کی بھی قضا مستحسن ہے، لیکن اگر صرف فجر کی سنت فوت ہو تو امام ابو حنیفہ وامام ابو یوسف کے نزدیک اس کی قضا نہیں ہے، نہ طلوع آفتاب سے پہلے نہ بعد میں، اور امام محمد کے نزدیک اس کی قضا ہے، آفتاب کے طلوع وبلند ہونے کے بعد قضا کی جائے گی۔)

فصل دہم

سنن و نوافل کی قضا مسنون ہے

گذشتہ سطور میں یہ معلوم اور ثابت ہوا کہ اگر فجر کی سنت فرض سے پہلے نہ پڑھی جاسکی ہو تو فرض کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے اس کی ادائیگی جائز ہے، یہی حق و صواب اور بلاشبہ صحیح مسئلہ ہے، اسی طرح اگر سنت فجر نہ فرض سے پہلے پڑھی جاسکی اور نہ فرض کے بعد حتی کہ آفتاب طلوع ہوگیا تو صحیح یہ ہے کہ وہ یکدم فوت نہیں ہوگی بلکہ طلوع آفتاب کے بعد ہی سہی اس کی قضا کی جائے گی، کیونکہ نبی ﷺ سے قولاً وفعلاً، اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی سنن و نوافل کی قضا پڑھنا ثابت ہے، اس بارے میں متعدد احادیث و آثار وارد ہیں چنانچہ خاص سنت فجر کے بارے میں یہ قولی حدیث وارد ہے:

سنت فجر کی قضا:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا:

من لم يصل ركعتي الفجر حتى تطلع الشمس فليصلهما، (دار قطني، حاكم، بيهقي)

جس نے سنت فجر نہیں پڑھی یہاں تک کہ آفتاب طلوع ہوگیا، تو وہ اسے پڑھ لے (یعنی طلوع آفتاب کے بعد ہی سہی پڑھے)

ترمذی میں اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

من لم يصل ركعتي الفجر فليصلهما بعد ما تطلع الشمس.

جس نے سنت فجر نہیں پڑھی تو وہ اسے طلوع آفتاب کے بعد پڑھے،

پہلی روایت کی روشنی میں اس روایت کا معنی و مقصود بھی یہی ہے کہ اگر کوئی کسی وجہ سے سنت فجر نہ فرض سے پہلے پڑھ سکا نہ فرض کے بعد پڑھ سکا یہاں تک کہ آفتاب طلوع ہوگیا تو وہ طلوع آفتاب کے بعد پڑھے، ترک نہ کرے کیونکہ سنت فجر سنت رغیبہ ہے جملہ سنن رواتب میں سب سے مؤکد سنت ہے، اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سنت فجر فرض سے پہلے نہ پڑھی جاسکی تو فرض کے بعد نہیں پڑھی جاسکتی اب طلوع کے بعد ہی پڑھی جاسکتی ہے، اس روایت کا یہ مطلب نہیں ہے، امام شوکانی فرماتے ہیں: ”یہ حدیث اس معنی میں صریح نہیں ہے، اس میں تو یہ حکم ہے کہ جس نے مطلقاً سنت فجر پڑھی ہی نہیں (یعنی نہ فرض سے پہلے اور نہ فرض کے بعد تا آنکہ آفتاب طلوع ہوگیا) تو وہ طلوع آفتاب کے بعد ہی سہی پڑھے، یہ حدیث فرض کے بعد سنت فجر پڑھنے کی ممانعت پر دلالت نہیں کرتی، جیسا کہ دار قطنی اور حاکم کی (مذکورہ بالا) روایت سے واضح ہے“۔

امام حاکم کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

من نسي ركعتي الفجر فليصلهما اذا طلعت الشمس.

جو سنت فجر پڑھنا بھول جائے تو وہ طلوع آفتاب کے بعد پڑھ لے،

اس روایت کا بھی معنی و مطلب وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا، امام حاکم نے حدیث ابوہریرہ کو شیخین کی شرط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے (۲)

---

(۲) مذکورہ کتب حدیث میں یہ روایات بطریق **عمر و بن عاصم ثنا همام بن قتاده عن النضر بن انس عن بشير بن نهيک عن ابی هريرة** مروی ہیں، امام حاکم نے اگرچہ فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیحین کی شرط کے مطابق صحیح ہے، مگر اس کی سند میں دو علت ہے:

ایک تو یہ کہ قتادہ مدلس ہیں، اور انھوں نے یہ حدیث نضر بن انس سے بطریق ”عن“ روایت کی ہے، دوسری علت وہ ہے کہ جس کی طرف امام ترمذی نے اشارہ کیا ہے، فرماتے ہیں: ”اس حدیث کو ہم نہیں پہچانتے مگر اسی طریق (عمرو بن عاصم) سے، ہمیں نہیں معلوم کہ عمرو بن عاصم کے علاوہ (اصحاب =

☆ سنت فجر کی قضا سے متعلق فعلی حدیث لیلۃ التعریس کا واقعہ ہے، واقعہ کی مختصر تفصیل فصل نہم میں (ص ۲۱۵) میں گذر چکی ہے، یہ واقعہ حضرت ابو ہریرہ (مسلم، نسائی، ابن ماجہ)، حضرت ابوقتادہ (مسلم، ابوداؤد) حضرت عمران بن حصین (بخاری، مسلم، احمد، ابوداؤد) حضرت عمرو بن امیہ الضمری (ابوداؤد) حضرت جبیر بن مطعم (نسائی، معرفۃ السنن بیہقی) حضرت بلال (بزار) حضرت ذومخبر حبشی (ابوداؤد) حضرت ابومریم مالک بن ربیعہ (نسائی) رضی اللہ عنہم سے مروی ہے،

واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر (غزوۂ خیبر ۷ھ یا غزوۂ تبوک ۹ھ) سے واپسی میں آپ ﷺ دیر رات گئے تک رواں دواں رہے اور آخر شب میں فروکش ہوئے، سب لوگ نیند سے سو گئے، حضرت بلال نے ذمہ داری لی کہ وہ جاگتے رہیں گے اور فجر کے وقت لوگوں کو بیدار کریں گے، لیکن فجر سے کچھ پہلے ان کو بھی نیند آ گئی اور سب لوگ سوتے رہ گئے، تا آنکہ آفتاب طلوع ہو گیا، اور دھوپ کی گرمی لگی تو سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے، آپ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وادی سے نکل چلیں، یہاں شیطان حاضر ہو گیا ہے، تھوڑی دور دوسری وادی میں پہونچ کر آپ فروکش ہوئے آپ کے حکم سے بلال نے اذان فجر دی آپ ﷺ نے اور صحابہ نے پہلے سنت پڑھی، پھر اقامت ہوئی اور آپ ﷺ نے نماز فجر پڑھائی،

= ہمام میں سے) کسی نے اس سند سے یہ حدیث ان الفاظ میں روایت کی ہو، (بلکہ دیگر جملہ اصحاب ہمام نے اس سند سے جو حدیث روایت کی ہے وہ دوسری ہے، عمر بن عاصم گو ثقہ ہیں لیکن انھوں نے سب کی مخالفت کی ہے) بطریق ہمام عن قتادۃ عن النضر بن انس عن بشیر بن نھیک عن ابی ہریرۃ جو "معروف" ہے وہ یہ ہے نبی ﷺ نے فرمایا: من ادرک رکعۃ من صلوۃ الصبح قبل ان تطلع الشمس فقد ادرک الصبح"۔

محدث مبارکپوری فرماتے ہیں: ظاہر یہ ہے کہ امام ترمذی کا مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ یہ حدیث بلفظ مذکور (من لم یصل رکعتی الفجر...؟) "شاذ" ہے اور "محفوظ" وہ ہے جو معروف ہے یعنی "من ادرک رکعۃ من الصبح..." (مترجم)

اس واقعہ میں صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام نے سنت فجر کی بھی قضا پڑھی، معلوم ہوا کہ سنت کی بھی قضا ہے،

سنت ظہر کی قضا:

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

ان النبی ﷺ کان اذا لم یصل اربعا قبل الظهر صلاهن بعد الظهر، (ترمذی، ابن ماجه، ابن ابی شیبه) وفی روایة ابن ماجه صلاها بعد الرکعتین بعد الظهر، (۳)

نبی ﷺ جب نماز ظہر سے پہلے چار رکعت سنت نہ پڑھتے تو اسے ظہر کے بعد والی سنت کے بعد پڑھتے تھے،

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے، ابن ماجہ میں یہ حدیث بطریق قیس بن الربیع عن شعبہ مروی ہے، ابوداؤد طیالسی نے فرمایا: قیس بن الربیع ثقہ حسن الحدیث ہے، امام ترمذی نے فرمایا: قیس شعبہ سے روایت کرنے میں متفرد ہیں، امام یعقوب بن شیبہ فرماتے ہیں قیس اصحاب الحدیث کے نزدیک ثقہ ہیں، لیکن ردی الحفظ اور روایت میں ضعیف ہیں، (حافظ ابن حجر نے ''تقریب'' میں فرمایا: وہ صدوق ہیں، سن رسیدہ ہونے کے بعد ان کا حافظہ متغیر ہوگیا تھا، ان کے صاحبزادے ان کی حدیث میں آمیزش کردیتے تھے، اور وہ اسے روایت کرتے، یعنی انھیں آمیزش کا ادراک نہ ہوپاتا) ابن ابی شیبہ کی روایت بطریق شریک عن هلال الوزان عن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ مروی ہے، یہ روایت مرسل ہے، (نیز شریک قاضی مدلس ہیں اور انھوں نے معنعن روایت کیا ہے)

---

(۳) ترمذی: باب آخر بعد باب ماجاء فی الرکعتین بعد الظهر) ج۱ص۲۳۷، ابن ماجہ: باب من فاتته الاربع قبل الظهر ج۱ص۸۲، ابن ابی شیبہ ج۲ص۲۰۳۔

☆ رسول اللہ ﷺ کے نماز ظہر کے بعد والی سنت کی قضا کرنے اور اسے نماز عصر کے بعد پڑھنے کا بیان فصل نہم (ص ۲۲۶) میں شرح و بسط سے گذر چکا ہے اعادہ کی ضرورت نہیں،

تہجد کی قضا: نبی ﷺ سے فوت شدہ نماز شب تہجد کی دن میں قضا کرنا اور اس کا حکم دینا ثابت ہے جیسا کہ حضرت عائشہ وحضرت عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے،

حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا: مسلم، دارمی، ابوداؤد، نسائی، اور قیام اللیل للمروزی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

كان النبي ﷺ اذا صلى صلاة احب ان يداوم عليهما، وكان اذا غلبه نوم او وجع عن قيام الليل صلى من النهار ثنتي عشرة ركعة..، (اللفظ لمسلم) (۴)

نبی ﷺ مداومت عمل کو پسند فرماتے تھے، جب کبھی غلبۂ نوم یا بیماری کی وجہ سے قیام اللیل نہ کرتے تو دن میں بارہ رکعتیں پڑھتے تھے،

امام نووی فرماتے ہیں: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اوراد پر محافظت اور وہ فوت ہو جائیں تو ان کی قضا مستحب ہے،

حدیث عمر فاروق رضی اللہ عنہ: مسلم، موطا، دارمی، سنن اربعہ وغیرہ میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ روایت ہے، **قال رسول الله ﷺ: من نام عن حزبه او عن شيء منه فقرأه فيما بين صلاة الفجر وصلاة الظهر كتب له كانما قرأه من الليل (واللفظ لمسلم والدارمي) (۵)**

---

(۴) مسلم (ج ۱ ص ۲۵۶، دارمی ص ۳۴۵، ترمذی ج ۱ ص ۳۳۳، ابوداؤد ج ۱ ص ۵۲۳، نسائی ص ۲۰۸ قیام اللیل مروزی ص ۱۳۵، نیز بیہقی ج ۲ ص ۴۸۵، مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۴۱، ۵۱،

(۵) مسلم ج ۱ ص ۲۵۶، موطا ج ۱ ص ۲۰۰ باب ماجاء فی تحزیب القرآن،، دارمی ج ۱ ص ۳۴۶، ترمذی ج ۱ ص ۴۰۳، ابوداؤد ج ۱ ص ۵۰۶، نسائی ج ۱ ص ۲۰۸، ابن ماجہ ص ۹۶، قیام اللیل ص ۱۳۵، نیز بیہقی ج ۲ ص ۴۸۴

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی اپنے وظیفۂ شب (تہجد وغیرہ پڑھے بغیر) سو گیا اور پھر اسے نماز فجر اور نماز ظہر کے درمیان دن میں پڑھ لیا تو گویا اس نے اسے شب میں پڑھا،

اثر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا: دار قطنی (ج ا ص ۲۴۶ **باب النھی عن الصلاۃ بعد صلاۃ الفجر وبعد صلاۃ العصر**) میں روایت ہے، حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر الصدیق بیان کرتے ہیں کہ ہم ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں نماز فجر سے پہلے (یعنی طلوع فجر صادق کے بعد) جایا کرتے تھے، ایک روز ہم گئے تو وہ (سنت فجر کے علاوہ) نماز پڑھ رہی ہیں، ہم نے دریافت کیا یہ کون سی نماز ہے؟ تو انھوں نے بتایا کہ رات اپنا حزب (اپنے معمول کی نماز شب) نہیں پڑھ سکی تھی، تو اسے میں چھوڑ نہیں سکتی تھی، یعنی وہی تہجد کی نماز اس وقت پڑھ رہی ہوں،

اس اثر کی اسناد صحیح ہے،

☆ قیام اللیل للمروزی (ص ۱۳۵) میں حضرت عمرو ابن حزم سے روایت ہے کہ سلف (صحابہ وتابعین) جب کبھی رات میں تہجد پڑھے بغیر سو جاتے اور فجر سے پہلے اٹھ کر نہ پڑھ پاتے تو اسے دن میں زوال سے پہلے پڑھتے تھے،

ان احادیث وآثار سے ثابت ہوا کہ نماز تہجد کی بھی قضا ہے، اس سے ان لوگوں کی تردید ہوتی جو سنن ونوافل کی قضا کے قائل نہیں ہیں،

نماز وتر کی قضا:

ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، مستدرک حاکم میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من نام عن وترہ او نسیہ فلیصلہ اذا ذکرہ، وزاد الترمذی اذا

استیقظ، (٦)

جب کوئی رات میں سو جائے وتر نہ پڑھ سکے یا وتر پڑھنا بھول جائے تو جب بیدار ہو یا جب یاد آجائے تو اسے پڑھے،

امام حاکم نے فرمایا: یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے، حافظ عراقی نے ابوداؤد کی سند کو صحیح کہا ہے، البتہ ترمذی و ابن ماجہ کی سند ضعیف ہے اس میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ضعیف ہیں، امام ترمذی نے یہ حدیث بلفظ "**من نام عن وترہ فلیصل اذا أصبح**" بطریق **عبد اللہ بن زید بن اسلم** مرسلاً روایت کیا ہے اور کہا کہ یہ عبدالرحمٰن بن زید کی حدیث سے اصح ہے (کیونکہ عبداللہ ثقہ ہیں اور عبد الرحمٰن ضعیف ہیں - لیکن جیسا کہ مذکور ہوا ابوداؤد وغیرہ کے اندر یہ حدیث دوسرے طریق سے متصلاً مروی ہے اور وہ صحیح ہے)،

☆ مستدرک حاکم اور سنن بیہقی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اذا اصبح احدکم ولم یوتر فلیوتر، (٧)

جب تم سے کوئی نماز وتر نہ پڑھ سکے (یعنی بروقت رات میں اور صبح صادق ہو جائے) تو صبح ہونے پر پڑھ لے،

امام حاکم نے اس حدیث کو بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق صحیح کہا ہے،

☆ حاکم و بیہقی ہی نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ وتر پڑھ رہے ہیں درآں حالیکہ لوگ نماز

---

(٦) ابوداؤد ج ا ص ۵۳۸ باب الدعاء بعد الوتر، ترمذی ج ا ص ۳۴۳ باب ماجاء فی الرجل ینام عن الوتر او ینسی، مستدرک حاکم ج ا ص ۳۰۲،

(٧) حاکم ج ا ص ۳۰۳، بیہقی ج ۲ ص ۴۷۹

فجر کے لئے کھڑے ہو گئے ہیں،

امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے (۸)

☆ مسند احمد اور معجم اوسط للطبرانی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

كان رسول يصبح فيوتر

رسول اللہ ﷺ کبھی - رات میں وتر نہ پڑھتے اور - صبح ہو جاتی تو صبح کو وتر پڑھتے،

علامہ شوکانی (نیز حافظ ہیثمی) نے فرمایا اس کی سند حسن ہے،

☆ حضرت اغر مزنی سے ''اوسط کبیر'' للطبرانی میں روایت ہے کہ ایک صحابی نے نبی ﷺ سے عرض کیا اے اللہ کے نبی صبح ہو گئی اور میں نے وتر نہیں پڑھی، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''**انما الوتر بالليل**'' وتر رات کی نماز ہے، صحابی نے دوبارہ عرض کیا کہ صبح ہو گئی اور میں نے وتر نہیں پڑھی، تو آپ ﷺ نے فرمایا ''**فاوتر**'' تو وتر پڑھ لو،

اس کی اسناد میں خالد بن ابی کریمہ ہیں، ان کو امام ابن معین اور ابو حاتم نے ضعیف، اور امام احمد، امام ابوداؤد اور امام نسائی نے ثقہ قرار دیا ہے، حافظ ہیثمی نے فرمایا اس کی اسناد کے رجال موثق ہیں اگرچہ بعض پر کلام کیا گیا ہے، لیکن وہ مضر نہیں،

☆ موطا امام مالک میں روایت ہے کہ عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبادہ بن صامت، عبداللہ بن عامر بن ربیعہ اور قاسم بن محمد (رات میں نماز وتر نہ پڑھنے کی صورت میں) طلوع فجر کے بعد نماز وتر پڑھتے تھے (**كتاب صلوة الليل باب الوتر بعد الفجر**) یہ آثار قیام اللیل للمروزی میں بھی مروی ہیں،

یہ روایات (احادیث و آثار) اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ نماز وتر فوت ہو جائے یعنی شب میں طلوع فجر سے پہلے نہ پڑھی جا سکی ہو تو اس کی قضا پڑھنی مشروع

---

(۸) حاکم ج ۱ ص ۳۰۲، بیہقی ج ۲ ص ۴۷۹

ہے، طلوع فجر کے بعد پڑھ لے، طلوع آفتاب کے بعد پڑھے،

حافظ عراقی فرماتے ہیں کہ صحابہ میں علی بن ابی طالب، سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبادہ بن صامت، عامر بن ابی ربیعہ، ابودرداء، معاذ بن جبل، فضالہ ابن عبید رضی اللہ عنہم، اور تابعین میں عمرو بن شرحبیل، عبیدہ سلمانی، ابراہیم نخعی، محمد بن المنتشر، ابوالعالیہ، حماد بن ابی سلیمان، اور ائمہ میں سفیان ثوری، ابوحنیفہ، اوزاعی، مالک، شافعی، احمد، اسحاق بن راہویہ، ابو ایوب سلیمان بن داؤد ہاشمی، اور ابوخیثمہ کا مذہب یہی ہے، رحمہم اللہ اجمعین (نیل الاوطار)

امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام محمد وغیرہ ائمہ نے یہ صراحت کی ہے کہ یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی خواہ مخواہ عمداً نماز وتر رات میں نہ پڑھے، دن میں پڑھے، لیکن کسی وجہ سے رات میں نہ پڑھ سکا، سوگیا، بھول گیا، تو وہ طلوع فجر کے بعد اس کی قضا پڑھے،

امام مروزی نے اس موضوع پر ''قیام اللیل'' میں طویل کلام کیا ہے، اور آخر میں یہ خلاصہ کیا ہے کہ میں اس کا قائل ہوں کہ جو شب میں نماز وتر نہ پڑھ سکا، وہ طلوع فجر کے بعد نماز فجر سے پہلے پہلے وتر پڑھ لے، نماز فجر کے بعد نہیں، اور اگر بعد میں بھی قضا پڑھے تو بھی حرج نہیں ہے، مستحسن ہی ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے لیلۃ التعریس کے موقع پر طلوع آفتاب کے بعد سنت فجر کی بھی قضا پڑھی تھی، ایسے ہی سنت ظہر کی بھی قضا پڑھی نماز عصر کے بعد، نیز صحابہ کرام نماز شب تہجد فوت ہو جاتی تو دن میں اس کی قضا پڑھتے تھے، تو نماز سنت کی بھی قضا ہے یہ مستحسن ہے واجب نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے نماز ظہر کی سنت بعد نماز عصر قضا کرنے کی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے امام نووی فرماتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سنن راتبہ فوت ہو جائیں تو ان کی قضا مستحب ہے،

علامہ طیبی ''شرح مشکوۃ'' میں فرماتے ہیں: یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جس طرح فرائض کی قضا ہے اسی طرح نوافل موقتہ (سنن رواتب وغیرہ) کی بھی قضا ہے،

شیخ زینی ''شرح مصابیح'' میں فرماتے ہیں: یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ فرائض کی طرح نافلہ موقتہ (سنن موکدہ وغیرہ) کی قضا کرنا بھی سنت نبوی ہے،

امام ابن تیمیہ (شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے جدامجد) نے اپنی کتاب ''منتقی الاخبار'' میں ''باب قضاء الفوائت'' کے تحت فرمایا: سنن رواتب کی بھی قضا ہے،

خلاصہ کلام یہ کہ اس فصل میں مذکور احادیث و آثار سے یہ واضح اور ثابت ہو گیا کہ سنن و نوافل کی بھی قضا مشروع ہے، اور ان سنتوں میں سنت فجر کی زیادہ ہی تاکید اور فضیلت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سنت فجر کی دو رکعت دنیا و مافیہا سے بہتر ہے''۔ فرمایا ''سنت فجر چھوڑو نہیں اگر چہ تمہیں دشمن کی فوج دوڑا رہی ہو''۔ اس لئے سنت فجر اگر فوت ہو جائے نماز فجر سے پہلے نہ پڑھی جا سکے تو فرض کے بعد اس کی ادائیگی ہونی ہی چاہئے، اور اگر کوئی کسی وجہ سے فرض کے بعد بھی نہ پڑھ سکا یہاں تک کہ آفتاب طلوع ہو گیا تب بھی اسے چھوڑے نہیں، طلوع آفتاب کے بعد اس کی قضا پڑھے، اسوۂ نبوی یہی ہے جیسا کہ آخری دو فصلوں میں مسطور تفصیل و تحقیق اور ان میں مذکور دلائل و براہین احادیث و آثار سے ثابت ہے،

نماز وتر جمہور ائمہ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے واجب نہیں:

اگر کوئی کہے کہ موضوع کلام و مدعیٰ قضاء سنن و نوافل کی مشروعیت کا اثبات ہے، اور وتر تو واجب ہے، اس لئے قضاء وتر کی مشروعیت کے اثبات سے قضاء سنن و نوافل کی مشروعیت ثابت نہیں ہوتی،

تو اس کا جواب یہ ہے کہ جمہور اہل علم کے نزدیک حق وصواب یہ ہے کہ وتر واجب نہیں سنت ہے، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام ابو یوسف، امام محمد وغیرہ اکثر ائمہ کا یہی مذہب ہے، (شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ’’حجۃ اللہ‘‘ میں فرماتے ہیں: حق یہ ہے کہ وتر سنت ہے، سنتوں میں سب سے مؤکد ہے، اس کے سنت ہونے کو حضرت علی، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم نے بیان کیا ہے،)

لہٰذا دلیل مدعی کے مطابق اور تقریب تام ہے، اور قضاء وتر کی مشروعیت کے اثبات سے مدعیٰ قضاءِ سنن ونوافل کی مشروعیت ثابت ہوجاتی ہے،

نماز وتر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب ہے، امام ابن المنذر فرماتے ہیں: میں نہیں جانتا کہ کسی نے وتر کو واجب قرار دینے میں امام ابوحنیفہ کی موافقت کی ہو، (لیکن ایسا نہیں بعض دیگر اہل علم سعید بن میتب، ابوعبیدہ بن مسعود، ضحاک، مالکیہ میں سے ابن العربی اور سحنون وجوب کے قائل ہیں) لیکن جمہور اہل علم عدم وجوب ہی کے قائل ہیں، فریقین کے دلائل مطولات کتب میں مسطور ہیں یہ ان کی تفصیل کا موقع نہیں۔ بعض دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

عدم وجوب وتر کے بعض دلائل:

☆ حضرت طلحہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نجد سے آیا جس کے بال پراگندہ تھے، وہ دور ہی سے کچھ کہہ رہا تھا، آواز میں گنگناہٹ تھی ہم سنتے تھے لیکن سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ وہ کیا کہتا ہے، یہاں تک کہ نبی ﷺ کے قریب آ گیا، تب معلوم ہوا کہ اسلام کے بارے میں پوچھ رہا ہے، اس نے پوچھا کہ آپ ﷺ بتائیں کہ اللہ نے میرے اوپر کتنی نمازیں فرض کی ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

خمس صلوات فی الیوم واللیلۃ، فقال هل علیّ غیرهن، قال:

لا، الا أن تطوع .... الحديث، (بخاري و مسلم)

پانچ نمازیں دن رات میں، اس شخص نے کہا اس کے سوا اور کوئی نماز مجھ پر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، مگر یہ کہ تو نفل پڑھے،

امام خطابی، امام نووی، حافظ ابن حجر وغیرہ فرماتے ہیں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز پنجگانہ کے علاوہ اور کوئی نماز واجب وفرض نہیں ہے،

☆ صحیحین وغیرہ میں مروی حدیث معراج سے بھی یہ بات ثابت ہے، کیونکہ اس میں بھی صرف پانچ وقت کی نمازیں فرض کیے جانے کی تصریح ہے،

☆ موطا، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ وغیرہ میں مروی ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ ایک شخص ابو محمد شامی کہہ رہا ہے کہ ”وتر واجب ہے“، تو حضرت عبادہ نے فرمایا: اس نے ”غلط کہا“، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے بندوں پر پانچ نمازیں فرض قرار دی ہیں، جو انھیں بجالائے گا اور ان میں سے کسی کو ضائع نہیں کرے گا، اس کے لئے اللہ کا عہد ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے گا، اور جو ان نماز پنجگانہ کی ادائیگی نہیں کرے گا، اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا کوئی عہد نہیں ہے، وہ اگر چاہے گا تو اسے عذاب دے گا، چاہے گا جنت میں داخل کرے گا،

☆ بخاری، مسلم وسنن اربعہ وغیرہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز وتر سواری پر پڑھتے تھے خواہ سواری کا رخ جس طرف ہو، قبلہ کی طرف ہو خواہ غیر قبلہ کی طرف ہو، مگر فرض نمازیں آپ سواری پر نہیں پڑھتے تھے،

سنت فجر کے حکم کے بیان میں یہ مسئلہ گذر چکا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک سنت فجر کو بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا یا سواری پر پڑھنا درست نہیں ہے، کیونکہ سنت فجر ان کے نزدیک واجب ہے، یا ان کے مذکورہ قول سے فقہاء حنفیہ نے یہ اخذ کیا

ہے کہ سنت فجر امام صاحب کے نزدیک واجب ہے، معلوم ہوا کہ جو نماز واجب ہو اسے سواری پر پڑھنا درست نہیں ہے، اور نبی ﷺ نماز وتر سواری پر پڑھتے تھے پس معلوم ہوا کہ وہ واجب نہیں ہے،

امام نووی فرماتے ہیں اس حدیث میں امام شافعی، امام مالک، امام احمد اور جمہور کے مذاہب کی دلیل ہے کہ وتر واجب نہیں ہے، سنت ہے،

☆ ترمذی، نسائی وغیرہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہاری فرض نمازوں کی طرح نماز وتر لازم نہیں ہے، بلکہ وہ سنت ہے، رسول اللہ ﷺ نے اسے مسنون قرار دیا ہے، (ولکن سنہ سنہا رسول اللہ ﷺ)

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور امام حاکم نے صحیح کہا ہے،

☆ (بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو (عامل و داعی بنا کر) یمن بھیجا اور فرمایا کہ اہل یمن کو پہلے اس بات کی دعوت دینا کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور میں (محمد ﷺ) اللہ کا رسول ہوں، (یعنی پہلے "**لا اله الا الله، محمد رسول الله**" کی دعوت و تعلیم دو،) پھر اگر وہ اس کو قبول کر لیں (یعنی مسلمان ہو جائیں) تو ان سے کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں....،

امام نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں دلیل ہے کہ نماز وتر واجب نہیں ہے، نبی ﷺ نے حضرت معاذ کو اپنی وفات سے کچھ پہلے یمن بھیجا تھا، اور انھیں یہ تعلیم دینے کا حکم دیا تھا کہ صرف پانچ وقت کی نمازیں فرض و واجب ہیں،

امام محمد بن نصر مروزی نے "قیام اللیل" میں نماز وتر کے سنت ہونے اور واجب و فرض نہ ہونے کے لئے باب منعقد کیا ہے "**باب الاخبار الدالة على أن الوتر سنة وليس بفرض**" اور اس باب میں بکثرت احادیث و آثار کو بیان کیا

ہے، تفصیل کیلئے اس کی طرف مراجعت کرنی چاہئے۔)

وجوب وتر کے بعض دلائل:

☆ مسند احمد میں عبدالرحمٰن بن نافع تنوخی سے روایت ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جب شام تشریف لائے تو ملاحظہ فرمایا کہ شام کے لوگ وتر پڑھنے میں سستی کرتے ہیں، آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس کی شکایت کی، تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا وتر واجب ہے؟ تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ مجھے رب نے ایک اور نماز زیادہ دی ہے جو وتر ہے، عشاء اور طلوع فجر کے درمیان، (**زادنی ربی صلاۃ وھی الوتر...**)

اس کی سند میں ایک راوی عبیداللہ بن زحر ہے اس کے متعلق امام ابن معین نے فرمایا: وہ کچھ نہیں ہے (**لیس بشیء**، یعنی بالکل معتبر نہیں ہے) امام ابن حبان نے فرمایا: ثقہ راویوں کی طرف منسوب کر کے موضوعات روایت کرتا ہے، (نصب الرایہ ج ۲ ص ۱۱۳) میزان الاعتدال میں ہے وہ متہم بالکذب ہے،

عبدالرحمٰن بن رافع کے بارے میں امام بخاری نے فرمایا: **فی حدیثہ مناکیر** (اس کی حدیث میں منکر روایات ہوتی ہیں) (نصب الرایہ)، حافظ ابن حجر نے فرمایا: **عبد الرحمن لم یدرک القصہ** (عبدالرحمٰن نے اس قصہ کے زمانہ کو پایا نہیں ہے،) (درایہ) یعنی حضرت معاذ اور عبدالرحمٰن کے درمیان انقطاع ہے، درمیان میں کوئی راوی ہے مگر وہ نامعلوم و مجہول ہے، اور عبدالرحمٰن خود متکلم فیہ ہے، اسے حافظ ابن حجر نے ضعیف قرار دیا ہے، (تقریب)، اس قصہ کے صحیح نہ ہونے کی ایک اندرونی شہادت یہ بھی ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی وفات شام میں

۱۸ھ میں ہوئی ہے، اس وقت ابھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شام کے گورنر اور عامل بھی نہ تھے کہ حضرت معاذ ان سے شکایت کریں گے اور یہ گفت وشنید ہوئی ہوگی۔

☆ حضرت خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان الله امدكم بصلاة هي خير لكم من حُمُر النعم الوتر...

(ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجه، دارقطني، بيهقي، حاكم)

بیشک اللہ نے تمہارے لئے ایک نماز زیادہ کی ہے جو تمہارے لئے سرخ اونٹ سے بہتر ہے، اور وہ نمازِ وتر ہے۔

امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد قرار دیا ہے، امام ذہبی نے بھی ان کی موافقت کی ہے، یہ حدیث مذکورہ تمام کتب میں بطریق عبداللہ بن راشد الزوفی عن عبداللہ بن ابی مرۃ عن خارجہ بن حذافہ مروی ہے، امام ابن حبان نے فرمایا: یہ سند منقطع ہے، اور یہ متن باطل ہے، امام بخاری نے فرمایا: بعض کا بعض سے سماع معلوم نہیں ہے، حافظ ابن حجر نے فرمایا: عبداللہ بن راشد مستور ہے، حافظ ذہبی نے فرمایا: عبداللہ بن راشد کا عبداللہ بن ابی مرۃ سے سماع معلوم نہیں، حافظ ابن حجر نے فرمایا: عبداللہ بن ابی مرۃ کا خارجہ بن حذافہ سے سماع معلوم نہیں، امام بخاری نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ خارجہ سے عبداللہ بن مرۃ کی روایت منقطع ہے، (میزان، تہذیب، تقریب) اور حدیث کے صحیح ہونے کے لئے اس کا متصل الاسناد ہونا ضروری ہے، امام حاکم اور حافظ ذہبی نے ممکن ہے اسے شواہد کی بنا پر صحیح کہا ہو،

بہر حال مذکورہ دونوں حدیثوں سے وجوب وتر پر استدلال کی تقریر یہ ہے کہ مزید مزید علیہ کی جنس سے ہوتا ہے، پس نماز پنجگانہ پر وتر کا اضافہ دلیل ہے کہ نمازِ وتر واجب ہے، لیکن یہ استدلال بہت کمزور ہے،

اولاً: تو یہی ضروری نہیں کہ مزید مزید علیہ کی جنس سے ہو کہ لازم آئے کہ مزید علیہ لازم ہو

فرض ہو تو مزید بھی واجب و فرض ہوگا، دیکھئے اگر کوئی شخص کوئی سامان سو روپیہ میں خریدے اور قیمت دیتے وقت ایک سو سے زیادہ دیدے، تو ظاہر ہے کہ یہ مزید مزید علیہ کی طرح واجب و ضروری نہیں ہے،

ثانیاً: بیہقی (ج ۲ ص ۴۶۹) میں بسند صحیح مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان اللہ زادکم صلاۃ الی صلاتکم ھی خیر لکم من حُمُر النعم، الا و ھی الرکعتان قبل الفجر،

بیشک اللہ نے تمہارے لئے ایک نماز زیادہ کی ہے جو تمہارے لئے سرخ اونٹ سے بہتر ہے، وہ ہے نماز فجر سے پہلے دو رکعت (سنت فجر)

یہاں مذکورہ قاعدہ مزعومہ کی بنا پر یہ نہیں کہا جاتا کہ سنتِ فجر واجب ہے، معلوم ہوا کہ یہ اسلوب وجوب پر دلالت نہیں کرتا، اور یہ قاعدہ صحیح نہیں ہے کہ ضرور ہے کہ مزید مزید علیہ کی جنس سے ہو،

ثالثاً: حنفیہ کے نزدیک واجب و فرض میں فرق ہے، اس بنا پر اگر احادیث مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ وتر کا اضافہ نماز پنجگانہ پر ہے، تو بقاعدہ مذکورہ وتر کو بھی پنجگانہ نماز کی طرح فرض ہونا چاہئے، حالانکہ فقہائے حنفیہ وتر کو فرض نہیں کہتے واجب کہتے ہیں،

رابعاً: درحقیقت احادیث مذکورہ کا معنی یہ ہے کہ نوافل و سنن پر ایک اور نفل کا اضافہ اللہ نے کر کے تمہاری مدد کی ہے، چنانچہ علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا معنی ہے ''نوافل میں اضافہ، چونکہ سنن و نوافل سب جفت تھیں ان میں کوئی طاق نہ تھی، تو ان سنن و نوافل میں وتر کا اضافہ ہوا کہ نوافل میں یہ ایک نماز اس طرح اور اس کیفیت و ہیئت پر مشروع کی جاتی ہے جو پہلے نہ تھی یعنی وتر''۔

مزید فرماتے ہیں: لفظ ''امدکم بصلوۃ...'' بجائے خود اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ نماز (یعنی وتر) لازم و واجب نہیں ہے، ورنہ اسلوب کلام بصیغہ الزام ہوتا مثلاً

کچھ یوں ہوتا کہ ”الزم علیکم وفرض علیکم“، یا اس کے مثل، (معالم السنن ج ۱ ص ۲۵۸، مرعاۃ شرح مشکوۃ ج ۲ ص ۲۰۹)

☆ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد، اور مستدرک حاکم وغیرہ میں، اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے ابوداؤد اور مستدرک حاکم میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الوتر حق على كل مسلم، -- وفى حديث بريدة- الوتر حق فمن لم يوتر فليس منا،

وتر ہر مسلمان پر حق ہے، پس جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے،

حدیث بریدہ کی سند میں ایک راوی ابوالمنیب عبیداللہ بن عبداللہ العتکی ہیں وہ متکلم فیہ ہیں، امام بخاری، امام نسائی، امام ابن حبان، امام عقیلی نے ان پر کلام کیا ہے، امام ابن معین نے انھیں ثقہ اور امام ابوحاتم نے صالح الحدیث قرار دیا ہے، امام حاکم نے ان کی مذکورہ حدیث کو صحیح قرار دیا ہے،

بہر حال لفظ ”حق“ سے وجوب پر استدلال درست نہیں ہے، کیونکہ یہ لفظ شرعاً وجوب پر دلالت کرنے میں صریح نہیں ہے ہاں ثبوت و مشروعیت پر دلالت کرتا،

((نیز یہی لفظ غسل جمعہ کے بارے میں بھی وارد ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

على كلم مسلم حق أن يغتسل فى كل سبعة ايام يوماً

(بخاری، مسلم وغیرہ)

یعنی ہر مسلمان پر ہفتہ میں ایک دن جمعہ کا غسل حق ہے،

”حق ہے“، ملا علی قاری فرماتے ہیں یعنی ثابت ہے، حنفیہ اور جمہور علماء و فقہاء کے نزدیک اس حدیث صحیح کے باوجود غسل جمعہ واجب نہیں ہے، مسنون ہے،

معلوم ہوا یہ لفظ اور یہ اسلوب لازماً وجوب پر دلالت نہیں کرتا، اور سابقہ دلائل و احادیث سے ثابت ہے کہ وتر واجب نہیں ہے، وہ سب اس کی بھی دلیل ہیں کہ حدیث بریدہ میں "فلیس منا" مزید تاکید کے لئے ہے،

اور نصب الرایہ میں عبداللہ بن مسعود سے جو حدیث بلفظ "**الوتر واجب علی کل مسلم**" ذکر کی گئی ہے، وہ سخت ضعیف نا قابل استشہاد ہے، اس کی سند میں جابر جعفی ہے، جو اس کے روایت کرنے میں متفرد ہے، ، امام ابو حنیفہ نے اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ میں نے اس سے زیادہ جھوٹا نہیں دیکھا (درایہ)

☆ حدیث ابن عمر: "**اجعلوا آخر صلوتکم وترا**"، (بخاری، مسلم وغیرہ) اور "بادروا بالصبح بالوتر (مسلم ابوداؤد، ترمذی وغیرہ) سے وجوب وتر پر استدلال کیا گیا ہے، بایں طور کہ امر وجوب پر دلالت کرتا ہے اور ان حدیثوں میں وتر کے تعلق سے صیغہ امر وارد ہے، لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے، بے محل ہے، کیونکہ ان حدیثوں میں امر کا تعلق وتر سے نہیں ہے بلکہ تقدیم وتاخیر وتر سے ہے، وتر مامور نہیں ہے، بلکہ تقدیم و تاخیر وتر مامور ہے، یعنی نفس وتر کا امر نہیں دیا گیا ہے بلکہ یہ امر ہوا ہے کہ وتر کو رات کی آخری نماز بناؤ، اور وتر کو طلوع فجر سے پہلے پڑھنے کا اہتمام کرو، اور یہ واجب نہیں مندوب ہے، چنانچہ ملا علی قاری اور مولا خلیل احمد سہارنپوری نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں امر ندب کے لئے ہے، (مرقاۃ بذل الجہود ج ۲ ص ۳۴۲)

نیز راوی حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس امر رسول سے وجوب وتر نہیں سمجھا چنانچہ ان سے جب دریافت کیا گیا کہ کیا وتر واجب ہے تو انھوں نے بس یہی کہا کہ "**اوتر رسول اللہ ﷺ واوتر المسلمون**"(موطا مالک ومسند احمد ج ۲ ص ۵۸) رسول اللہ ﷺ نے وتر پڑھی ہے اور مسلمانوں نے وتر پڑھی ہے، مکرر پوچھنے پر بھی یہی جواب دیا، یعنی یہ نہیں کہا کہ ہاں وتر واجب ہے، ۔حضرت

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انھوں نے فرمایا: وتر حسن اور جمیل ہے، نبی ﷺ نے اس پر عمل کیا اور صحابہ نے اس پر عمل کیا، وہ واجب نہیں ہے، (حاکم، بیہقی) بیہقی نے فرمایا اس کے رواۃ ثقہ ہیں۔ مترجم))

اللھم ثبت اقدامنا علی الصراط المستقیم، ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا، وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب، اللھم ارزقنا حلاوۃ الایمان، واتباع المصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) وتوفنا مع الابرار، ورب ارحمھما کما ربیانی صغیرا، ونسئلک خاشعا متضرعا ان تجعل ھذہ الاوراق خالصۃ لوجھک الکریم،
وتقبل منا، واجعلھا ذخیرۃ لیوم الدین، الذی
ما یصاحبنی فیہ الا عملی، فانک تجیب
المضطرین، ولا تردھم خائبین وانفع
بھا اخواننا الصالحین.

آمین

یا رب العالمین

یکم ذوالقعدہ ۱۴۲۹ھ
یکم نومبر ۲۰۰۸ء

ناچیز
محفوظ الرحمٰن فیضی
مئوناتھ بھنجن، یو. پی

مترجم ایک نظر میں

نام و نسب : محفوظ الرحمٰن فیضی بن حاجی منظور الحسنؒ بن حاجی حافظ ثناء اللہ

ولادت : ۱۹۴۶ء، مئوناتھ بھنجن، یو. پی،

تعلیم : ابتدائیہ تا ثانویہ جامعہ عالیہ عربیہ، مئو،

عالمیت و فضیلت جامعہ فیض عام، مئو

تکمیل فراغت : از جامعہ فیض عام، ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء

تدریسی سلسلہ : جامعہ فیض عام میں از ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء بحیثیت مدرس درجات عربیہ تا ۱۹۸۲ء، و از ۱۹۸۲ء بحیثیت صدر مدرس تا ریٹائرمنٹ جون ۲۰۰۸ء

بعض تصانیف و تراجم : ○ ثنائیات موطا امام مالکؒ (عربی) ○ زیورات میں زکوٰۃ ○ تذکرہ مولانا محمد احمد ناظم صاحب جامعہ فیض عام ○ شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب کے بارے میں دو متضاد نظریئے ○ مسئلہ امام مہدی آخر الزماں ○ قبروں پر مساجد اور اسلام (ترجمہ) ○ اتباع سنت اور تقلید ائمہ اربعہ کی نظر میں (ترجمہ) ○ سنت فجر کے احکام و مسائل (ترجمہ) ○ یتیم پوتے کی وراثت و محجوبیت ○ ہبہ و عطیہ میں اولاد کے درمیان عدل ○ آدم و حواء علیہما السلام کے متعلق تین اہم علمی مسائل ○ صف بندی کا مسنون طریقہ وصل نہ کہ فصل ○ قومہ میں ارسال یدین نہ کہ وضع یدین ○ دین و مذہب اور کمیونزم ○ خلیج کی خطرناک صورت حال (بموقع حملۂ عراق بر کویت) ○ مبادی اصول حدیث ○ مبادی عروض و قوافی ○ نماز نبوی وغیرہ ○ استدراکات العلامة الالبانی علی الامام الحاکم فی مستدرکه وعلی الحافظ الذهبی فی تلخیصه (عربی) (زیر تسوید، سہل اللہ اتمامہ)......

ہے مشقِ قلم جاری، کچہری کی مصیبت بھی اک طُرفہ تماشا ہے فیضی کی طبیعت بھی

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱	عرض ناشر	۳
۲	عرض مترجم	۵
۳	مختصر حالات مصنف	۷
۴	دیباچہ مولفؒ	۵۱
۵	کتاب کی فصول عشرہ	۱۷
	فصل اول	۱۹
٦	سنت فجر کی تاکید، اس پر مداومت اور اس کی فضیلت	۱۹
	متعلقہ (۱۹) احادیث ص ۱۹ تا ص ۲۴	۱۹
۷	حدیث... وان طردتكم الخيل کا معنی	۲۵
۸	سنت فجر کا حکم: امام حسن بصری اور امام ابوحنیفہ کا مذہب	۳٦
۹	جمہور ائمہ کا مذہب	۳۹
	فصل دوم	۴۴
۱۰	سنت کا وقت، اسے ہلکی پڑھنا، اور اس میں قراءۃ	۴۴
۱۱	سنت فجر کا وقت، فجر صادق، فجر کاذب	۴۴
	تخفیف سنت فجر، متعلقہ احادیث ص ۴۵ تا ص ۴۷ ۴۸	۴۵
۱۲	سنت فجر میں قراءۃ فاتحہ وضم سورہ متعلقہ احادیث ص ۵۲ تا ص ٦۴	۵۲
۱۳	حدیث عائشہ هل قرأ بأم القرآن ...کا مفہوم	٦۰
۱۴	سنت فجر میں قراءۃ جہری و سری	٦۴

١٥	سنتیں گھر میں پڑھنا افضل ہیں یا مسجد میں	٦٦
	متعلقہ (١٧) احادیث ص٦٦ تا ص ٧٦	״
١٦	کیا موجودہ زمانہ میں سنتیں مسجد میں پڑھنا اولیٰ ہے؟ شیخ الحدیث مبارکپوری کا موقف	٧٦
	فصل سوم	٨٠
١٧	سنت فجر پڑھنے کے بعد دائیں پہلو پر لیٹنا مستحب ہے	٨٠
١٨	متعلقہ احادیث عائشہ صدیقہ	٨١
١٩	حدیث ابو ہریرہ بابت امر بالاضطجاع صحیح ہے	٨۴
٢٠	اعتراضات اور ان کا رد	٨٥
٢١	امر نبوی بابت اضطجاع ثابت ہے	٨٩
٢٢	عبداللہ بن عمرو بن العاص اور ابن عباس کی احادیث	٩١
٢٣	آثار صحابہ سے معارضہ اور ان کا جواب	٩۴
٢۴	مسئلہ ہذا میں ائمہ کے اقوال و مذاہب	٩٧
٢٥	فائدہ دائیں پہلو پر سونے کی حکمت	١٠۴
	فصل چہارم	١٠٦
٢٦	سنت فجر اور نماز فجر کے درمیان بات چیت کرنا	١٠٦
٢٧	احادیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا	١٠٦
٢٨	جمہور اہل علم کا مذہب	١٠٨
٢٩	فائدہ نماز فجر کے بعد آفتاب اچھی طرح طلوع ہونے تک مصلیٰ پر بیٹھے رہنے اور ذکر الٰہی میں مشغول رہنے کی فضیلت	١٠٩
	فصل پنجم	١١١
٣٠	سنت فجر کے بعد کی ماثورہ دعائیں	١١١
٣١	حدیث عبداللہ بن عباس اللھم اجعل فی قلبی نورا ...	١١١
٣٢	حدیث عائشہ اللھم رب جبرئیل و میکائیل ...	١١٢

۴۳	جامع ترمذی و صحیح ابن خزیمہ میں مروی اس موقع کی طول وطویل دعا مرفوعاً ثابت نہیں ہے۔	۱۱۵
	فصل ششم	۱۱۷
۴۴	طلوع فجر کے بعد سنت فجر کے علاوہ کوئی نفل پڑھنا مکروہ ہے متعلقہ (۵) احادیث ص ۱۱۷ تا ص ۱۲۴	۱۱۷ 〃
۴۵	طریق عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ متصل ہے	۱۲۵
۴۶	آثار صحابہ و تابعین	۱۲۸
۴۷	اس مسئلہ میں ائمہ کے اقوال و مذاہب	۱۳۱
۴۸	ایک اشکال اور اس کا جواب	۱۳۳
	فصل ہشتم	۱۳۸
۴۹	اقامت شروع ہونے کے بعد سنت فجر پڑھنا ممنوع ہے	۱۳۸
۴۰	متعلقہ احادیث حدیث ابو ہریرہ وغیرہ	۱۳۸
۴۱	اس حکم کی حکمت	۱۴۰
۱۴۲	امام طحاوی کا حدیث ابو ہریرہ کو موقوف قرار دینا درست نہیں ہے	۱۴۱
۱۴۳	اذا اقیمت الصلوۃ فلاصلوۃ....کا معنی	۱۴۳
۱۴۴	امام طحاوی کی تاویل اور اس کا رد	۱۴۵
۱۴۵	حدیث ابن بحینہ رضی اللہ عنہ	۱۴۶
۱۴۶	امام طحاوی کی بیجا تاویل اور اس کا جواب	۱۴۸
۱۴۷	سنت و فرض کے درمیان فصلِ مشروع کی صورتیں	۱۵۲
۱۴۸	فصل بالزمان	۱۵۲
۱۴۹	فصل بالمکان	۱۵۳
۱۵۰	فصل بالکلام	۱۵۵
۱۵۱	امام طحاوی کا ایک غلط استدلال اور اس کو چار وجوہ سے جواب	۱۴۵
۱۵۲	ایک اشکال اور اس کا جواب	۱۶۰

۱۵۳	فائدہ: حدیث ابن بحینہ میں جس صحابی قصہ مذکور ہے وہ کون ہیں؟	۱۶۰
۱۵۴	حدیث عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ	۱۶۲
۱۵۵	امام طحاوی کی بیجا تاویل اور اس کا رد	۱۶۴
۱۵۶	احادیث ابن عمر و ابن عباس و انس و زید بن ثابت و ابوموسی اشعری و عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم	۱۶۵
۱۵۷	سنت فجر کا استثناء ثابت نہیں ہے	۱۶۹
۱۵۸	"الا رکعتی الفجر" کی زیادتی بے اصل ہے	۱۷۱
۱۵۹	مولانا احمد علی سہارنپوری کے نام شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین محدث دہلویؒ کا مکتوب	۱۷۴
۱۶۰	مسئلہ ہذا میں ائمہ کے آٹھ اقوال و مذاہب	۱۷۷
۱۶۱	امام ابوحنیفہ کا مذہب مولانا انور شاہ کشمیری کی تحقیق بحالت جماعت مسجد میں سنت فجر پڑھنا امام صاحب کا مذہب نہیں ہے	۱۸۱
۱۶۲	پہلا پھر دوسرا یعنی عدم جواز اور کراہت کا قول ہی صحیح ہے۔	۱۸۳
۱۶۳	صحابہ کے اقوال و آثار سے استدلال دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے۔ (حاشیہ)	۱۸۳
۱۶۴	آثار صحابہ	۱۸۴
۱۶۵	نبی ﷺ سے بحالت اقامت یا جماعت سنت پڑھنا ہرگز ثابت نہیں	۱۸۹
۱۶۶	نبی ﷺ کا عبدالرحمن بن عوف کی اقتداء میں نماز پڑھنے کا واقعہ	۱۹۰
۱۶۷	اقامت شروع ہونے سے پہلے جو سنت شروع کر چکا ہو وہ سنت پوری کرے یا توڑ کر جماعت میں شامل ہو جائے	۱۹۱
۱۶۸	ایک بریلوی ممتاز عالم کا اعتراف حق	۱۹۲
	فصل ہشتم	۱۹۴
۱۶۹	وہ اوقات جن میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے	۱۹۴
۱۷۰	اوقات ممنوعہ کی دو قسم ہے	۱۹۴

۱۷۱	اوقات ممنوعہ کل پانچ ہیں، مگر درحقیقت تین ہیں	۱۹۵
۱۷۲	احادیث بابت اوقات ممنوعہ کم وبیش تیس صحابہ سے مروی ہیں	۱۹۵
۱۷۳	اس مسئلہ میں اہل علم کے اقوال ومذاہب	۲۰۱
۱۷۴	پہلا قول نماز فجر، نماز عصر کے بعد نفل پڑھنے میں حرج نہیں ہے	۲۰۱
۱۷۵	دوسرا قول پانچوں اوقات ممنوعہ میں عام نوافل تو منع ہیں لیکن فوت شدہ فرض وسنت یا دیگر مسنون نمازیں تحیۃ المسجد، دوگانۂ طواف وغیرہ منع نہیں ہیں، اکثر صحابہ وتابعین اور جمہور اہل علم کا یہی مذہب ہے۔	۲۰۴
۱۷۶	تیسرا قول، کسی وقت کوئی نماز پڑھنا منع نہیں ہے، نہی منسوخ ہے، ظاہریہ کا یہی مذہب ہے۔	۲۰۶
۱۷۷	چوتھا قول، کوئی نماز تین اوقات میں مکروہ دو میں حرام ہے۔	۲۰۷
۱۷۸	پانچواں قول، نماز عصر کے بعد نوافل بھی پڑھی جاسکتی ہیں، لیکن نماز صبح کے بعد نہیں.....	۲۰۷
۱۷۹	چھٹاں قول، امام مالک وامام احمد کا مذہب نماز عصر ونماز فجر کے بعد فوت شدہ فرض ونماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے لیکن طلوع وغروب کے وقت ان کا پڑھنا جائز نہیں۔	۲۱۰
۱۸۰	ساتواں قول، امام ابوحنیفہ کا مذہب، پانچوں اوقات ممنوعہ میں سے کسی میں کوئی نماز پڑھنی جائز نہیں، سوائے موجودہ روز کی نماز عصر کے....،	۲۱۱
۱۸۱	آٹھواں قول،	۲۱۳
	فصل نہم	۲۱۵
۱۸۲	نماز فجر کی سنت پہلے نہ پڑھی جاسکی تو اسے نماز فجر کے بعد فوراً پڑھنا جائز بلکہ اولیٰ ہے۔	۲۱۵
۱۸۳	اوقات مکروہہ میں نماز نہی عام نہیں مخصوص ہے،	۲۱۵
۱۸۴	پہلی دلیل تخصیص، بوقتِ طلوع نماز فجر اور بوقتِ غروب نماز عصر کے اتمام کا حکم	۲۱۶
۱۸۵	امام طحاوی کی تاویل اور اس کی تردید	۲۱۸

۱۸۶	دوسری دلیل تخصیص حدیث من نسی صلاۃ او نسیھا ....،	۲۲۲
۱۸۷	تیسری دلیل تخصیص جمعہ کو بوقت نصف النہار نفل پڑھنا جائز ہے	۲۲۷
۱۸۸	چوتھی دلیل تخصیص اوقات مکروہ میں سنت طواف پڑھنا جائز ہے	۲۳۰
۱۸۹	پانچویں دلیل تخصیص تنہا ادا کردہ نماز فرض کی جماعت میں شامل ہونے کا حکم	۲۳۳
۱۹۰	چھٹی دلیل تخصیص نبی ﷺ کا فوت شدہ سنت ظہر کی نماز عصر کے بعد قضا کرنا	۲۳۶
۱۹۱	مفصل حدیث عائشہ صدیقہ وام سلمہ رضی اللہ عنہما۔ کیا فوت شدہ سنت کی قضا نیز اسے نماز عصر و فجر کے بعد پڑھنا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہے؟	۲۴۱
۱۹۲	"افنقضیھما اذا فاتنا ؟ قال لا" کی زیادتی ضعیف اور شاذ ہے، یہ حماد بن سلمہ راوی کا وہم ہے۔	۲۴۴
۱۹۳	تنبیہ: آنحضرت ﷺ کی نماز عصر کے بعد دو رکعت نفل پر مواظبت اور اس کی توجیہ۔	۲۵۳
۱۹۴	ساتویں دلیل تخصیص فوت شدہ سنت فجر کو فریضہ فجر کے بعد فوراً پڑھنا۔ یہی اولیٰ ہے۔	۲۵۶
۱۹۵	احادیث نہی اور احادیث تخصیص میں کوئی تعارض نہیں ہے۔	۲۵۷
۱۹۶	حدیث قیس بن عمرو رضی اللہ عنہ	۲۵۸
۱۹۷	یہ حدیث صحیح متصل السند ہے۔	۲۵۹
۱۹۸	اس حدیث کے متابعات وشواہد۔	۲۶۵
۱۹۹	حدیث ترمذی "فلا اذاً" اور اس کا معنی مولانا انور شاہ کشمیری اور مولانا بنوری کی تاویل اور اس کی تردید (حاشیہ)	۲۶۶
۲۰۰	ابوداؤد و ترمذی میں یہ حدیث منقطع الاسناد ہے لیکن صحیح ابن خزیمہ و صحیح ابن حبان وغیرہ متصل سند سے مروی ہے۔	۲۶۹
۲۰۱	شواہد: اول، دوم اس کی اسناد حسن ہے۔	۲۷۱
۲۰۲	مولانا شوق نیموی کا اس پر اعتراض اور اس کا رد	۲۷۳

۲۰۳	شاہد سوم و چہارم	۲۷۴
۲۰۴	آثار ابن عمر و بعض تابعین۔	۲۷۵
۲۰۵	اس مسئلہ میں اہل علم کے اقوال و مذاہب۔	۲۷۵
	فصل دہم	۲۷۸
۲۰۶	سنن و نوافل کی قضا مسنون ہے۔	۲۷۸
۲۰۷	سنت فجر کی قضا۔	۲۷۸
۲۰۸	سنت ظہر کی قضا۔	۲۸۱
۲۰۹	تہجد کی قضا۔	۲۸۲
۲۱۰	نماز وتر کی قضا۔	۲۸۳
۲۱۱	نماز وتر جمہور ائمہ کے نزدیک سنت موکدہ ہے۔	۲۸۷
۲۱۲	امام ابوحنیفہ کے نزدیک واجب ہے۔	۲۸۸
۲۱۳	جمہور کے بعض دلائل	۲۸۸
۲۱۴	قائلین وجوب کے بعض دلائل	۲۹۱
۲۱۵	ملحوظہ	۲۹۶
۲۱۶	فہرست مضامین	۲۹۸

مسلک سلف صالحین کے فروغ کے لئے کوشاں

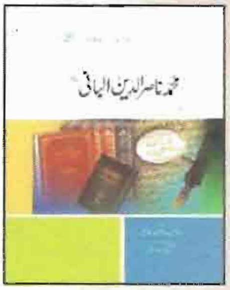
محمد ناصر الدین البانی

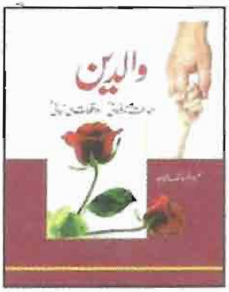

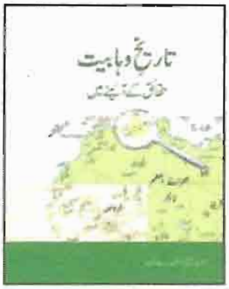
تاریخ وہابیت

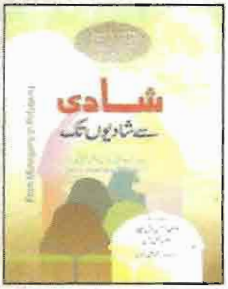
شادی
سے شادیوں تک

پر اسرار حقائق

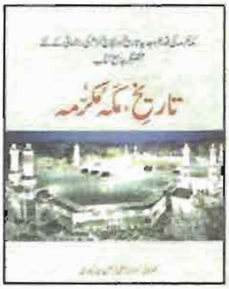
تاریخ مکہ مکرمہ

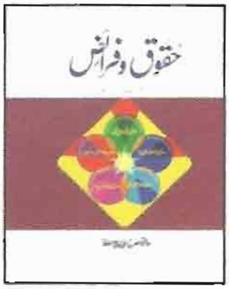
حقوق وفرائض

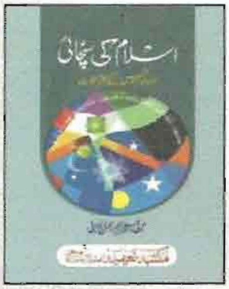
اسلام کی سچائی

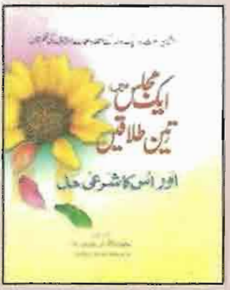
ایک مجلس میں
تین طلاقیں
اور اس کا شرعی حل

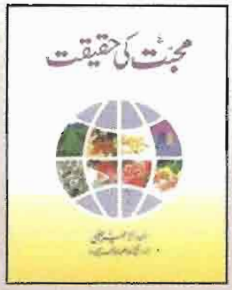
محبت کی حقیقت

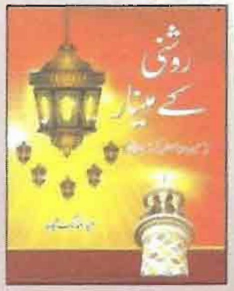
روشنی
کے مینار

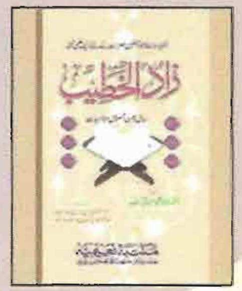

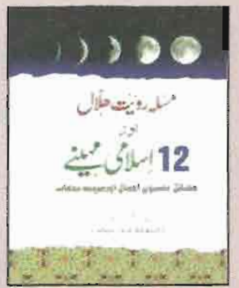
مسئلہ رؤیت ہلال
اور
12 اسلامی مہینے

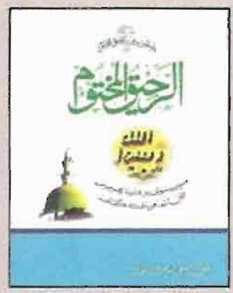
الرحیق المختوم

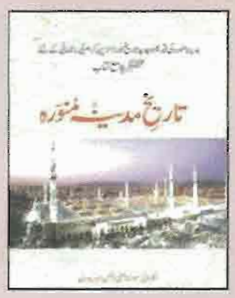
تاریخ مدینہ منورہ

مکتبہ نعیمیہ

MAKTABA NAIMIA
Sadar Bazar, Maunath Bhanjan-275101 U.P.
Ph.: 0547-2220681, Mob.: 9450755820

ISBN-978-81-920777-0-8

₹ 120/-